

محبت



شاهینہ پند احمد

محبت.....شاہینہ چند امہتاب

برطانیہ سے واپسی، پروگرام کے مطابق نہ ہو سکی تھی۔ وجہ بہت دردناک تھی، ورنہ سفر کا آغاز اُسامہ نے جس جوش اور جذبے سے کیا تھا اس کو صرف وہی جانتا تھا۔ پھر شہزاد اور جبار جو اس کے بہت گہرے اور رازدار دوست تھے اس کرب ناک سفر میں اُن کی موجودگی اُسامہ کے لئے بڑے حوصلے کا باعث تھی۔

اس سفر کو شروع کرنے سے پہلے ان تینوں دوستوں نے پوری منصوبہ بندی کی تھی تاکہ ان کی کسی غلطی سے جمال کو کوئی شک نہ ہو سکے کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔ یہی وجہ تھی وہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھا رہے تھے اور اُسامہ نے سوچ لیا تھا اب چاہے اس کی جان ہی کیوں نہ بلی جائے مگر وہ لڑخ سے کیا ہو ا وعدہ بہر حال نبھائے گا۔ خود اُسامہ نے تو ایسا ہی کیا تھا مگر لڑخ یہ سب کچھ دیکھنے سے پہلے ہی اس کو چھوڑ کر بلی گئی تھی۔ پھر جس حالت میں اُس نے اُسامہ کو چھوڑا تھا وہ صدمہ اُسامہ کے لئے ناقابل برداشت تھا کہ وہ اُسے دوست کی بجائے اپنا دشمن سمجھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھی۔ اُسامہ کو کسی بھی وضاحت، صفائی یا معافی کا موقع دیئے بغیر۔

اور اُسامہ تو اس خوش کن خیال کے ساتھ سفر پر نکلا تھا کہ واپسی پر وہ لڑخ سے اپنی اس کامیابی اور وعدہ ایفا کرنے کا پورا پورا معاوضہ لے گا اور یہ معاوضہ کیا تھا سوائے اس کے کہ وہ عمر بھر کے لئے لڑخ سے لڑخ کو مانگ لیتا اور اپنے دل کی تمام بے قراریاں اس کے سامنے کھول دیتا۔ اپنی پل پل چھپا کر رکھنے والے محبت کی داستان اُسے سناتا اور خوب تنگ کرتا۔ وہ لڑخ جس کی مصومیت کو دیکھتے ہی وہ دل دے بیٹھا تھا۔

مگر لڑخ کو اپنے جذبے کے بارے میں کبھی نہ بتا سکا تھا۔ اتنا عرصہ ساتھ رہنے کے باوجود اس کے سامنے کبھی اپنی محبت کا اظہار نہ کر سکا تھا۔ لیکن لڑخ یہ موقع آنے سے پہلے ہی منموڑ کر چل دی تھی۔ اُسامہ سے ہمیشہ کے لئے وہ روٹھ گئی تھی کہ اس کی جدائی اُسامہ کے لئے ناقابل برداشت تھی اس کے باوجود اس نے وعدہ پورا کیا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ پھر واپسی کے سفر میں وہ اُن سب کے ساتھ نہ آسکا تھا اور محض اس کی وجہ سے جبار اور شہزاد نے بھی واپسی کا پروگرام کینسل کر دیا تھا کہ وہ دونوں اس کو ایسی حالت میں تنہا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اُسامہ کے ساتھ بھٹکتے ہوئے انہیں کئی سال گزر گئے تھے۔ اگرچہ اُسامہ نے بہت بار ان سے کہا تھا کہ ”تم دونوں کیوں میرے ساتھ خوار ہو رہے ہو؟ واپس چلے جاؤ۔“ اُس کی بات پر جبار نے کہا تھا۔

”یار بکو اس نہ کیا کرو۔ کون کہتا ہے کہ ہم تمہاری وجہ سے واپس نہیں جا رہے۔ ارے ہم بھی تمہارے ساتھ شپ پر پوری دنیا گھوم رہے ہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنی جاب کا صرف تم ہی فائدہ اٹھاؤ؟ یہ ہمارا حق بھی تو ہے۔“

اُسامہ، جبار کی بات سے مطمئن نہیں ہوا تھا کیونکہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ دونوں تو محض اس کی وجہ سے سالانہ چھٹیاں بھی نہیں لے رہے تھے۔ کام، کام اور صرف کام۔ مگر اُسامہ بھی کیا کرتا وہ خود بھی مجبور تھا۔ واپسی کا پروگرام بنا تا تو فرخ اور شدت سے یاد آنے لگتی۔ مگر اب اچانک وہ وطن واپس جا رہا تھا کیونکہ بھائی جان نے اطلاع دی تھی، امی جان سخت بیمار ہیں اگر آخری بار ملنا چاہتے ہو تو چلے آؤ۔ دیر مت کرنا۔“

اور اپنی جنم دینے والی ماں کی ایسی حالت کا سن کر کون بیٹا برداشت کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے بھی واپسی کا پروگرام بنا لیا تھا اور یہ محض اتفاق ہی تھا کہ شپ کی واپسی اگلے روز تھی۔ پہلے تو یہی ہوتا تھا، وہ واپس جانے والا شپ دوسرے کیپٹن کے حوالے کر کے خود نئے سفر پر روانہ ہو جاتا مگر اس بار وہ خود ہی شپ لے کر وطن واپس جا رہا تھا۔ جبار اور شہزاد نے بھی واپسی کا سن کر طمینان کی گہری سانس لی تھی۔

اور پھر جہاز نے اپنے مخصوص وقت پر بندرگاہ کو چھوڑ دیا تھا۔

اگر نہیں چھوڑا تو اُسامہ کو اس کی اذیت ناک سوچوں نے دن رات کا احساس کئے بغیر۔۔۔ نیلگوں پانیوں کا سینہ چیرتا ہوا دیو کا مت شپ آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا اور اُسامہ خود کو سنبھال سنبھال کر تھک چکا تھا۔ وہ جانتا تھا راستے میں وہ مقام بھی آئے گا جہاں اُس کی زندگی کی ہر خوشی کھو گئی تھی۔ اور بالآخر شپ اُس مقام پر آ پہنچا جہاں اُسامہ کی زندگی کھو گئی تھی۔ اگرچہ آج سمندر رُسکون تھا مگر اس کے اپنے اندر ایک طوفان موجزن تھا اور اس طوفان کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی چند لمحوں کے لئے اس مقام پر اُس نے شپ روک دیا تھا اور خود اپنے کیبن سے نکل کر عرشے پر چلا آیا تھا۔

سامنے نیلگوں پانی کی وحشی موجیں ایک دوسرے کے تعاقب میں بھاگ رہی تھیں اور انہی گہرے پانیوں کے نیچے کیپٹن اُسامہ کی محبت ہمیشہ کے لئے کھو گئی تھی۔ ہزار کوششوں کے باوجود نہ ملتی تھی۔ اُسامہ نہیں جانتا تھا کہ اُس کے اس خوبصورت سفر کا انجام اس قدر بھیانک ہوگا۔ وہ ہونہ جانے کیسے کیسے رنگین اور سہانے خواب دیکھتے ہوئے اپنے اس سفر پر نکلا تھا مگر اپنی ہی ایک چھوٹی سی غلطی نے اُسے زندگی کے سب سے بڑے صدمے سے دوچار کر دیا تھا۔

”اُف۔۔۔ وہ سب کیسے ہو گیا؟“ بڑبڑاتے ہوئے سیلنگ کو مضبوطی سے تھام کر وہ جھک کر گہرے پانی کو غور سے دیکھنے لگا جیسے ابھی وہ سطح سمندر پر ابھر کر کہے گی۔

”ارے آپ آگے۔۔۔ دیکھئے تو میں نے کتنا انتظار کیا ہے آپ کی واپسی کا۔۔۔ آپ نے دیر کیوں کی؟ کیا آپ کو معلوم نہیں تھا میں انتظار میں ہوں؟“

درد میں لپٹی ہوئی ایک طویل سانس لے کر وہ پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اور ہاتھ کومٹھی کی شکل میں بند کرتے ہوئے آنکھوں پر رکھ لیا۔ ایک درد تھا جو پورے وجود میں سرایت کرنے لگا تھا۔ اچانک اُس کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے بہت قریب کھڑا سسکیاں بھر رہا ہے۔

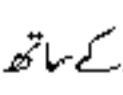
”ارے۔۔۔“ اُسامہ نے چونک کر آنکھیں کھول دیں مگر آس پاس کوئی نہیں تھا۔ البتہ سمندر کی بھگی ہوئی اس کے بالوں کو چھو کر سر کوشیاں کرتے ہوئے گزر رہی تھی۔

اُسامہ نے سر جھٹک کر ان سر کوشیوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی مگر اس کے اپنے ہی اندر نہ جانے کون دردناک آواز میں کہہ رہا تھا۔

خزاں کے پھول کی صورت بکھر گیا کوئی
تجھے خبر نہ ہوئی اور مر گیا کوئی !!
اُسے گماں ہی نہ تھا جیسے میرے ہونے کا
میرے قریب سے یوں بے خبر گیا کوئی

”یا خدا! میں کیا کروں؟“ وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے بڑبڑایا۔ اُسامہ کو نہیں معلوم تھا کہ اُس کی بے خبری، گمشدگی بن جائے گی۔ اگر اُسے معلوم ہوتا کہ یہ سانحہ رونما ہو گا تو وہ اُسے کبھی بے خبر نہ رکھتا۔ وہ تو اچانک سامنے آ کر اُسے خوشخبری دینا چاہتا تھا مگر اس خوشخبری سے پہلے ہی وہ اُسکوں کی چادر اوڑھ کر ابدی نیند سو گئی تھی۔

اُس کی موت کا تو اُسامہ نے تصور بھی نہ کیا تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟ کیا وقت کبھی واپس نہیں آتا اور اب اُسامہ بھی اپنی زندگی کی اس سب سے بڑی غلطی پر نہ صرف پچھتا سکتا تھا، رو سکتا تھا یا پھر ماضی کو یاد کر سکتا تھا اور سچ تو یہ تھا کہ اب سوائے یادوں کے اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ وہ بڑی حسرت سے جیتے ہوئے خوفناک دونوں کو یاد کرنے لگا۔



شہزاد کمرے میں بہت غصے میں داخل ہوا تھا۔ اُس کا خیال تھا وہ اُسامہ کی پٹائی تک کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ ایسی محبت بھی کس کام کی جو بجائے نفع کے نقصان دے۔ ایسی محبت سے تو بہ بھلی۔ وہ اُسامہ کو بہت برا بھلا کہنا چاہتا تھا لیکن اُسامہ کی حالت دیکھ کر سب کچھ بھول گیا بلکہ بوکھلا سا گیا۔

اُسامہ سینے پر دونوں ہاتھ باندھے بڑے دلکش انداز میں مسکرا رہا تھا اور یہ بڑی انہونی بات تھی۔ اُسامہ تو یار دوستوں سے بھی بات کر کے ہنسی میں کجوسی سے کام لیتا تھا چہ جائیکہ آج کیلئے ہی کیلئے مسکرا رہا تھا۔ شہزاد اُلٹے قدموں واپس بھاگا اور خالد کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے جبار کو پکڑ لایا۔ مگر اُسامہ کی پوزیشن میں کوئی فرق نہ آیا، وہ یونہی سینے پر ہاتھ باندھے مسکرائے جا رہا تھا جیسے شہزاد اور جبار کی آمد سے بے خبر ہو۔ اچانک اُس نے ”شٹ اپ“ کہا اور شہزاد و خوزہ نظروں سے جبار کو دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو، یار ہم نے تو ابھی کچھ بھی نہیں کہا پھر اُسامہ نے یہ شٹ اپ کیوں کہا ہے۔

”یار! کسی بھوت پریت کا سایہ تو نہیں ہو گیا؟“ جبار نے تشویش بھری نظروں سے اُسامہ کو دیکھا تھا۔ آخر کار وہ اُن کا عزیز ترین دوست تھا۔

”مجھے کیا پتہ؟“ شہزاد نے یوں پریشانی سے جواب دیا جیسے اُسامہ مسکرائے کی بجائے رو رہا ہو۔

”آخر یہ آتے ہی کہاں چلا گیا تھا اور واپسی کب ہوئی کچھ پتہ بھی ہے تمہیں؟“ جبار کا اتنا کہنا تھا کہ شہزاد کو سب کچھ یاد آ گیا اور وہ دانت چیتے ہوئے بولا۔

”ابھی پوچھتا ہوں۔“ پھر اس نے چیخ کر کہا۔ ”اُسامہ!۔۔۔ اُسامہ!“ مگر اُسامہ پر اُس کی بات کا کوئی اثر نہ ہوا تو وہ پلٹ کر جبار سے بولا۔

”یار! فلم میں تو یہ دیکھا تھا کہ ہیرو، ہیروئن میں سے ایک گانا گاتا ہے تو دوسرا پیچھے ہونے کی وجہ سے آگے والے کو نظر نہیں آتا۔ لیکن یہ تو حقیقت میں ہمیں نظر انداز کر رہا ہے۔ کہیں یہ اداکاری تو نہیں کر رہا؟ ہم چھ، چھ فٹ کے دونوں جوان اس کے سامنے کھڑے ہیں مگر وہ یوں بے خبر ہے جیسے اندھا ہو چکا ہے، واقعی ایسی بات تو نہیں؟“

”بکو اس بند کرو۔۔۔ خدا نے کان کس لئے دے رکھے ہیں؟“ جبار نے دانت تپیں کر کہا اور شہزاد فوراً اُسامہ کے پیچھے آیا پھر کان کے قریب منہ لا کر اُسے جھنجھوڑتے ہوئے چیخا۔

”مسٹر اُسامہ سعید! تم کرو یہ اداکاری اور ہوش کی دنیا میں آ جاؤ۔ ورنہ وہ حشر کروں گا کہ صدیوں بعد جو آج مسکرائے ہو، پھر کبھی نہ مسکرا سکے۔“

”اس۔۔۔“ اُسامہ نے چونک کر شہزاد کی طرف دیکھا پھر دروازے میں کھڑے جبار پر نظر پڑتے ہی نہ صرف سیدھا ہو کر بیٹھ گیا بلکہ پوچھنے لگا۔ ”کب آئے تم دونوں؟ اور مجھے یوں کیوں دیکھ رہے ہو؟۔۔۔ خیر تو ہے؟“ اُسامہ نے سنبھل کر کہا۔

”اللہ کی شان دیکھ رہے ہیں۔“ جبار مسکرایا۔

”کیا مطلب؟“ اُسامہ نے گھور کر پوچھا۔

”مطلب چھوڑو، پہلے یہ بتاؤ تم نے شٹ اپ کس سے کہا تھا؟“ جبار نے بھی آنکھیں نکال کر پوچھا۔

”کسی کو بھی نہیں۔“ اُسامہ نے بات نالکے کی کوشش کی۔ جبار کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن شہزاد نے روک دیا۔

”تم چپ رہو جبار! پہلے مجھے بات کرنے دو۔ ہاں بھئی، جیب میں سے اسٹیر یوکس نے نکالا؟“

”کیا مطلب؟“ اُسامہ اُسے گھورنے لگا۔

”مطلب بعد میں بتاؤں گا پہلے تم بتاؤ اسٹیر یوکھاں ہے؟“

”یار کیا بکواس کر رہے ہو۔۔۔ میں چور ہوں؟“ اُسامہ نے غصے سے پوچھا۔

”شکل سے تو ایسے ہی لگتے ہو۔“ جبار نے نکلز لگایا۔

”تم چپ رہو۔۔۔ اُسامہ نے اُسے ڈانٹ دیا پھر شہزاد سے مخاطب ہوا۔ ”ہاں بھئی کیسے چوری ہو اسٹیر یو؟“

”تمہارا سر۔ چوری تم کروا کر لائے ہو اور پوچھ مجھ سے رہے ہو۔۔۔ یار کتنی مشکلوں سے پاپا سے جیب ماگنی تھی اور آتے ہی تم اپنی مخوس شکل لے کر سامنے آگے۔ تم

نے کچھ ایسی مسکنی سے جیب ماگنی کہ میں انکار نہ کر سکا۔ اب میں پاپا کو کیا کہوں گا۔۔۔ تم میرے باپ کو اچھی طرح جانتے ہو، وہ کوئی عذر قبول نہیں کریں گے۔ مجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ آخر گئے کہاں تھے تم جیب لے کر، کچھ بتاؤ تو سہی۔“ شہزاد سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔

”گیا تو میں صرف کلنٹن تک تھا لیکن وہاں۔۔۔۔۔ اچانک خاموش ہو کر وہ کچھ سوچنے لگا بتائے کہ نہ بتائے۔ یہ دونوں تو بات کا ہتھیار بنا دیتے ہیں۔

”یو بھی اب۔۔۔ چپ کیوں ہو گئے؟“ شہزاد نے ڈانٹ میں کر کہا اور مجبوراً اُسامہ کو بتانا پڑا۔

”دراصل بات یہ ہے کہ۔۔۔۔۔ اُسامہ نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا جیسے تصور میں ایک بار پھر اُسے دیکھنا چاہتا ہو۔

⚡⚡⚡

جب چھٹیوں میں وہ گھر گیا تو بھیا جی نے اُسے ایک ضروری کام سے لاہور بھیج دیا تھا۔ اُسامہ کے لئے تو وہ کام اتنا ضروری نہیں تھا مگر بھیا اور بھانی کے سامنے اُس کی ایک نہ طلی تھی۔ پورا ایک ہفتہ لاہور میں گزار کر جب وہ کراچی آیا تو یوں لگا کو یا سمندر کو دیکھے زمانے بیت گئے ہوں۔ وہ گھر سے بائیک پر شہزاد کے پاس آیا اور اُس کے پاس جیب دیکھ کر مانگ لی۔ جیب لے کر وہ سیدھا سمندر پر ہی گیا تھا۔ بغیر کسی مقصد کے محض جیب چلانے کے شوق میں وہ شہزاد سے جیب مانگ لیا تھا اور ایسا اکثر ہوتا تھا۔ آج کوئی پہلی بار اُس نے جیب نہیں ماگنی تھی۔ وہ اور جبار دونوں اکثر شہزاد کے پاس جیب دیکھ کر جھین لیا کرتے تھے۔

جیب لے کر وہ سمندر پر چلا آیا۔ کراچی میں سمندر سے بڑھ کر کوئی مقام خوبصورت نہیں ہو سکتا۔ سمندر جہاں جا کر بندہ خدا کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ اُسامہ کو بھی سمندر سے عشق تھا۔ جب کبھی اُسے فراغت ملتی تو وہ سمندر کا ہی رخ کرتا۔ یہی وجہ تھی جیب لیتے ہی وہ سیدھا سمندر پر چلا آیا تھا اور اب کلنٹن سے کچھ پرے ایک پُرسکون جگہ دیکھ کر اُس نے کنارے پر جیب روکی اور سمندر کے نیلگوں پانی کو دیکھنے لگا۔ موسم ابر آلود اور اکا دکا لوگ نظر آرہے تھے جن میں بچے، بوڑھے، جوان سب ہی تھے۔ اُسامہ بغور ان کو دیکھنے لگا۔

اچانک اُس کی نظر لوگوں سے ہٹ کر ایک لڑکی پر پڑی۔ لڑکی یوں تو پانی سے کھیلتے ہوئے کبھی چار قدم آگے جاتی اور کبھی پیچھے آتی۔ اُسامہ دلچسپی سے اُسے دیکھنے لگا۔ تب اُس نے محسوس کیا وہ اگر چار قدم آگے جاتی تھی تو پیچھے دو قدم آتی تھی۔ اُسامہ نے کنارے پر کھڑے لڑکے سے دُور تین لے کر دیکھا۔ وہ کچھ پریشان لگ رہی تھی۔ اُسامہ کو محسوس ہوا جیسے وہ اپنا ریل ہو۔ وہ بغور اُسے دیکھنے لگا۔

لڑکی شاید اکیلی ہی تھی۔ اور اب بڑے غیر محسوس انداز میں گہرے پانی کی طرف آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ کیا یہ پاگل ہے؟ نہیں جانتی کہ آگے گہرا پانی ہے، کوئی حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔ اُسامہ نے سوچا۔ اچانک اُس کے ذہن میں ایک نیا خیال آیا۔ کہیں خودکشی کی کوشش؟۔۔۔ ہاں یہی ہو سکتا ہے۔ اُس کا ارادہ سمجھ کر وہ اُچھل کر جیب سے باہر آیا۔ دُور تین لڑکے کو پکڑائی اور خود لڑکی کی طرف بھاگا جواب تیزی سے گہرے پانی میں جا رہی تھی۔

لڑکی کے آس پاس کوئی بھی نہیں تھا جو اس کی طرف متوجہ ہوتا۔ اگر اُسامہ کو تھوڑی دیر اور ہو جاتی تو بلاشبہ وہ لہروں کے سنگ بہہ جاتی۔

اُسامہ نے دوڑ کر اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ شاید اپنے حواس میں نہیں تھی۔ اُسامہ اُس کو پکڑ کر پانی سے باہر لایا اور سیدھا کھڑا کرتے ہوئے تختی لہجے میں بولا۔

”سنو بے بی! زندگی خدا کی دی ہوئی نعمت ہے۔۔۔ اس کو یوں ضائع کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ کیونکہ بیوہ ہمارے پاس امانت۔۔۔۔۔“

”اوہ شٹ اپ۔۔۔“ وہ اُسامہ کی بات کاٹ کر غصے سے اس کا کالر دونوں ہاتھوں سے تھام کر چیخی اور پھر نفرت سے اُسامہ کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے ساحل کی طرف بھاگ گئی۔ اُسامہ وہیں کھڑا حیران نظروں سے اُس کو دیکھنے لگا۔ وہ کنارے پر چڑھ گئی۔ پھر اُس نے رُک کر نفرت سے اُسامہ کو دیکھا جیسے اُس نے اُسے بہت بڑی نیکی سے روک دیا ہو اور کنارے سے اُتر کر وہ دوسری طرف چلی گئی۔ کدھر، یہ اُسامہ نہ دیکھ سکا کیونکہ وہ فٹیب میں تھا۔

تاہم وہ خود بھی دل تھام کر رہ گیا تھا۔

’نہ جانے کون تھی؟‘ وہ سوچنے لگا۔ اور اُس کا حُسن، اُس کا چہرہ۔۔۔ ویسے تو بہت ساری لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی رنگت سرخ و سفید تھی مگر اُس لڑکی کی رنگت سنہری ہی تھی۔ گہری سیاہ آنکھیں، اُس کی ناک تلوار جیسی تو نہیں مگر خوبصورت تھی۔ بھرے بھرے بیازی ہونٹ اور ابھرے ابھرے گال جن میں کولڈن چمک نمایاں تھی۔ کھلے ہوئے سیاہ بال اُس کو اور بھی حسین بنا گئے تھے۔ دراز قد، اُس پر متناسب جسم۔ وہ قدرت کا ایک مکمل شاہکار تھی۔

اُس کی سنہری رنگت اُسامہ کی آنکھوں میں بس گئی تھی اور وہ سوچنے لگا تھا۔ ’شاید ایسی ہی رنگت کو سونے سے تھپیہ دی جاتی ہے۔‘ ایسا مکمل حُسن اُس نے آج پہلی بار دیکھا تھا اور بہت غور سے دیکھا تھا۔ بلکہ بہت قریب سے نہ صرف دیکھا تھا بلکہ اُس کو چھوا بھی تھا۔ وہ اُسکے حُسن میں کھو یا کھویا باہر آیا۔ جیب وہ یونہی کھلی چھوڑ گیا تھا۔ کنارے پر کھڑے ہو کر اُسامہ نے اپنے اطراف میں دیکھا مگر وہ کہیں بھی نظر نہ آئی۔ اُسامہ کنارے سے اُتر، پھر جیب اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر اُس لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا۔

’نہ جانے وہ کیوں خودکشی کر رہی تھی۔۔۔ اس عمر میں تو لڑکیاں صرف عشق و محبت میں ناکام ہونے کے بعد یا پھر محبوب سے ناراض ہو کر ایسی حرکتیں کرتی ہیں۔ اب پتہ نہیں اُس کے ساتھ ان دونوں میں سے کیا مجبوری تھی۔ وہ اُس کے تصور میں گم واپس آیا تھا۔

یوں اُس کو اسٹیر یوکا چوری کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ گیٹ پر کھڑے شہزاد کے حوالے چابی کر کے وہ اندر چلا آیا تھا۔ مگر اُس کولڈن چمک والی نے پیچھا نہ چھوڑا تھا۔

⚡⚡⚡

اُسامہ نے اُن دونوں کو پوری روداد کہہ سنائی دی۔

شہزاد نے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

”تمہیں کیا ضرورت تھی اُسے بچانے کی۔“

”تمہارا مطلب ہے میں اُسے مرنے دیتا؟“ اُسامہ نے غصے سے کہا۔

”اور کیا۔ وہ بھی بھلا ایک لڑکی کو۔۔۔ اور لڑکی بھی وہ جولا کھوں میں نہیں کروڑوں میں ایک تھی۔“ جبار نے نکلز لگایا۔

”شہزاد کی صحت میں رہ کر تمہیں بھی فضول بکواس کرنے کی عادت ہو گئی ہے۔ تمہارے خیال میں ایک انسانی جان کی کوئی اہمیت نہیں؟“ اُسامہ نے جبار کو ڈانٹتے ہوئے کہا تو وہ شہزاد کو آنکھ مار کر مسکرائے لگا۔

”ہے میرے بے وقوف دوست! انسانی جان کی بہت اہمیت ہے۔۔۔ مگر وہ اہمیت نہیں، ڈرامہ تھا۔“ شہزاد نے اُس کو بتایا۔

”ڈرامہ۔۔۔ کیسا ڈرامہ؟“ اُسامہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں ڈرامہ۔“ شہزاد دانت چیتے ہوئے بولا۔ ”وہ یقیناً اُس چور کی ساتھی ہوگی اور اپنے ساتھی کے کہنے پر اُس نے تمہیں متوجہ کیا ہوگا اور تم احمقوں کی طرح منہ اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔۔۔ حد ہوتی ہے بے وقوفی کی بھی۔“

”بکواس مت کرو۔۔۔ وہ ایسی نہیں۔ میرا مطلب ہے وہ ایسی تو نہیں لگتی تھی۔“ اُسامہ نے جلدی سے وضاحت کی۔ وہ ابھی تک اُس کے حُسن کے سحر میں گم تھا اور دل اُس کو چور ماننا تو دُور کی بات اس الزام کو اُس کے حُسن کی توہین سمجھ رہا تھا۔

”تو پھر کیسی تھی؟“ شہزاد نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

”میرا مطلب ہے، وہ تو بہت معصوم۔۔۔“ کہتے کہتے اُسامہ رک گیا۔

”مجھے تمہارے مطلب سے کوئی غرض نہیں۔۔۔ وہ ایسی نہیں ہو سکتی تو چلو تم مجھے اسٹیر یولے کر دو۔“

”میں۔۔۔؟“ اُسامہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں تم۔ کیونکہ میرے پاپا کو تم اچھی طرح جانتے ہو۔۔۔ اگر انہیں اسٹیر یوکا چوری کا پتہ چل گیا تو اب جو کبھی بکھار مجھے جیب دے دیتے ہیں تو پھر جیب کو ہاتھ لگانا

تو دور کی بات، دیکھتے تک کی اجازت نہیں دیں گے۔“

”ارے ایسے باپ کے ہونے سے تم یتیم ہی ہوتے تو اچھا تھا۔“ اُسامہ نے غصے سے کہا۔

”خیال تمہارا نہیں۔ مگر اب وہ ہیں تو مجھے اُن کی عادت ہوگئی ہے۔ ایسا نہ ہو اسٹیئر یوکی چوری کاسن کروہ صدے سے چل بسیں۔ چلو شاپاش، اٹھو اور مجھے اسٹیئر یو خرید کر دو۔“ شہزاد نے سنجیدگی سے کہا۔

”مگر یار میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔“ اُسامہ نے بڑھ نکالتے ہوئے کہا۔ ”آج ہی وہ لاہور سے آیا تھا۔ لاہور میں اُس کا قیام بھابی کے میکے میں تھا اور بھابی کی بہنیں روز کوئی نہ کوئی فرمائش کر کے اُس کا بڑھ ہلکا کرنے کے چکر میں رہتی تھیں۔ اُسامہ وہاں زیادہ دن رُکنا نہیں چاہتا تھا مگر بھابی نے کہا تھا۔“ جب وہ آنے کی اجازت دیں تب آنا۔“ اور یہ اجازت بڑی مشکل سے ملی تھی۔

”نہیں ہیں تو چلو، روڈ پر بیٹھ کر چندہ جمع کرو۔ کیونکہ مجھے ہر حال میں اسٹیئر یو چاہئے۔“ شہزاد نے بے زنجی سے کہا۔

”اور سنو۔۔۔“ جبار نے سنجیدہ شکل بناتے ہوئے مشورہ دیا۔ ”پہلے اپنا حلیہ گداگروں جیسا بناؤ۔ کیونکہ اس تھری پیس سوٹ میں تمہیں کوئی بھیک نہیں دے گا۔“

”کیا بکواس کر رہے ہو تم دونوں۔۔۔ جانتے ہو تمہاری زبان کے چسکوں کی وجہ سے ہمیشہ میری جیب وقت سے پہلے خالی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تاج کے علاوہ تم دونوں اور کہیں کھانا کھا ہی نہیں سکتے۔ اور اب تم مجھے بھیک مانگنے کا مشورہ دے رہے ہو۔ شرم آئی چاہئے تمہیں ایسا کہتے ہوئے۔“

”شرم۔۔۔ یار یہ کس چیز کا نام ہے؟“ شہزاد نے جبار سے پوچھا اور پھر دونوں ہنسنے لگے۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ میں تم کو اسٹیئر بولے دیتا ہوں مگر آئندہ ذرا سوچ سمجھ کر مجھ سے کوئی فرمائش کرنا۔“ اُسامہ نے غصے سے بھرے لہجے میں کہا۔ اُسے سچ مچ غصہ آ گیا تھا ان دونوں کی ڈھٹائی پر۔ ویسے بواہ اس بار اُن کی نہیں، لاہور والوں کی وجہ سے خالی ہوا تھا۔ مگر وہ بالکل خالی بھی نہ تھا۔

”ارے، ارے۔۔۔ تم خفا ہو گئے پیارے۔“ جبار نے اُسے ٹھنڈا کرتے ہوئے کہا، پھر شہزاد سے بولا۔ ”دیکھو یار! ہم تینوں دوست ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ چلو تینوں مل کر اسٹیئر یو خریدتے ہیں۔“

یوں وہ جبار اور شہزاد کے ساتھ طارق روڈ چلا آیا۔ مگر دل اب بھی اُس سنہری رنگت والی کو چور ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ پھر نیا اسٹیئر یو شہزاد کو دیتے ہوئے اُسامہ نے کہا۔

”اب تو خوش ہو، بے مروت انسان! اپنے مطلب کے لئے تم نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لی تھیں، اور دوست ہو۔“

”خوش کس بات پر۔۔۔ اسٹیئر یو مفت میں تو نہیں لے کر دیا۔ اسٹیئر یو کے بدلے اسٹیئر یولیا ہے۔“ شہزاد نے چڑانے والے لہجے میں کہا۔

”دفعہ کرو یار اُسامہ! یہ بڑے لوگ ہوتے ہی احسان فراموش ہیں۔“ جبار نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”میں احسان فراموش ہوں یا تم دونوں؟ جب بھی ڈیڑی سے جیب مانگ کر لاتا ہوں کبھی تم لے جاتے ہو اور کبھی اُسامہ۔ اس پر مجھے بڑا آدمی ہونے کا طعنہ دینا بھی نہیں بھولتے۔“ شہزاد نے آنکھیں نکال کر کہا تو جبار اُسامہ کو دیکھتے ہوئے مغموم لہجے میں بولا تو غصے کے باوجود اُسامہ ہنس دیا جب کہ جبار نے منہ بگاڑتے ہوئے کہا۔

”تم ہنس رہے ہو۔۔۔ ذرا سوچو، کتنی بار شہزاد نے ہمیں جیب دے کر ذلیل کیا ہے۔ اگر ہمارے پاس جیب ہوتی تو ہمیں مانگنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔“

”بکواس مت کرو۔۔۔“ شہزاد نے جبار کے ایک ہاتھ جھاڑ تو تینوں ہنستے ہوئے دکان سے باہر چلے آئے۔

وہ تینوں بہت گہرے دوست تھے اور اُن کی یہ دوستی آرمی ہاسٹل میں ہوئی تھی جہاں وہ تینوں تعلیم و تربیت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اگرچہ تینوں کی عادات میں فرق تھا مگر ایک عادت اُن میں مشترک تھی اور وہ تھی ’انسان دوستی‘ انسانیت اُن تینوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

اُسامہ ان دونوں سے ایک سال سینئر تھا۔ وہ صرف دو بھائی تھے۔ بڑے علی اور چھوٹا اُسامہ۔ باپ بچپن میں فوت ہو گیا تھا جب اُسامہ صرف دس سال کا تھا۔ اُن کا باپ ایک ایماندار آدمی تھا اس لئے وراثت میں بیوہ اور اولاد کے علاوہ اور کچھ نہ چھوڑا تھا۔ مگر بڑے بھائی نے پڑھائی کے ساتھ محنت کر کے معاشرے میں اپنے لئے ایک مقام بنا لیا تھا۔ اُسامہ کو سمندر سے عشق تھا اور محض اپنی اس عادت کی وجہ سے وہ شپ کا کپٹن بنا چاہتا تھا اور یہ اُس کی شدید ترین خواہش تھی کہ وہ شپ پانی میں دوڑانا رہے اور اُس کے اس شوق کو دیکھتے ہوئے علی بھائی نے اخراجات زیادہ ہونے کے باوجود اُسامہ کو اکیڑی بھیج دیا۔ حالانکہ بہت زیادہ محنت کے باوجود وہ زیادہ دولت نہ کما سکے تھے مگر اُسامہ پر کبھی کچھ ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ وہ اُس کی ہر خواہش کا احترام اپنا بیٹا سمجھ کر کرتے تھے۔

دوسرا نمبر جبار کا تھا۔ اُس کا باپ کے۔ ای۔ ایس۔ سی میں ایک اعلیٰ افسر تھا۔ تنخواہ ٹھیک ٹھاک تھی مگر پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا جبار، ان سب کے تعلیمی اخراجات۔ وہ تو شکر تھا کہ گاؤں میں کچھ زمین تھی جس کی وجہ سے تھوڑی بہت بچت ہو جاتی تھی مگر وہ بچت کسی نہ کسی بیٹی کی شادی پر خرچ ہو جاتی تھی۔ بہر حال گزارہ ٹھیک ہاک ہو رہا تھا۔ جبار انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ مطالعہ کرنا اُس کی خاص عادت تھی۔ جب دیکھو اُس کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی کتاب ہی نظر آتی۔

آخری نمبر شہزاد کا تھا جو اپنے کروڑ پتی باپ کی اکلوتی اولاد تھا مگر باپ حد سے زیادہ کنجوس تھا۔ ہر بات میں بچت کے طریقے بتانا اُس کی عادت تھی۔ شہزاد اگرچہ اُس کی ایک ہی اولاد تھا اور بہت لاڈلا بھی مگر وہ اسپر بھی بہت سوچ سمجھ کر خرچ کرتے تھے۔ وہ شہزاد کو اکیڑی ہاسٹل بھیجنے کے بالکل موڈ میں نہ تھے کہ یہ ان کے خیال میں پیسے ضائع کرنے والی بات تھی۔ آخر شہزاد نے اُن کا بزنس ہی سنبھالنا تھا۔ مگر شہزاد کو پڑھائی سے زیادہ کھیلنے اور باتیں کرنے کا شوق تھا۔ دوسرا اکیلا ہونے کی وجہ سے ماں کی محبت کا بہت غلط استعمال کرنے لگا تھا۔ اور جب وہ پڑھائی کی بجائے ادھر ادھر وقت ضائع کرنے لگا تو سینئر اشرف نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو باہر رہ کر وہ پڑھ لکھ کر اچھا آدمی بننے کی بجائے کھیل کود کر آوارہ بن جائے اور اُن کی محنت سے کمانی ہوئی دولت کو برباد کر دے۔ پھر انہوں نے یہی بہتر جانا کہ جبار کے ساتھ شہزاد کو بھی ہاسٹل بھیج دیں۔ جبار کا باپ اُن کا دوست تھا اور دونوں کے گھر بھی ساتھ ساتھ تھے۔ اگرچہ شہزاد کے ہاسٹل بھیجنے پر شہزاد کی امی نے بہت شور مچایا تھا کہ ’میرا ایک ہی بیٹا ہے اور تم نے اُس کو بھی مجھ سے جدا کر دیا۔‘ مگر سینئر اشرف مطمئن تھے کہ اب شہزاد صرف پڑھائی کرے گا، آوارگی نہیں۔

اس واقعہ کو گزرے ایک ہفتہ ہو چکا تھا مگر اُسامہ کوشش کے باوجود اُس کو بھول نہ سکا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ محبت جیسی حماقت کے چکر میں پڑ گیا تھا بلکہ اب خود اُس کو بھی محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ لڑکی اُس کو جان بوجھ کر بے وقوف بنا گئی ہو۔ اور اُسے حیرت تھی کہ وہ کتنی آسانی سے بے وقوف بن گیا تھا۔ اور یہ سوچتے ہی اُس کا خون کھولنے لگتا۔ مگر سوائے دانت پیسنے یا تنہائی میں غرآنے کے وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ سمندر سے تو اُسے ویسے بھی عشق تھا۔ اپنا فارغ وقت بھی وہ ہمیشہ سمندر پر گزارا پسند کرتا تھا۔ لیکن اب تو اُس سنہری رنگت والی چور لڑکی کے لئے وہ ہر دوسرے تیسرے دن جانے لگا تھا کہ اگرچہ چور ہے تو ضرور وہاں آتی ہوگی۔ مگر وہ تو اسٹیئر یوکی چوری کے بعد یوں غائب ہوئی تھی جیسے دنیا سے غائب ہو گئی ہو۔

اُس رات اُسامہ، بھیا، بھابی اور دوسرے گھر والوں کے ساتھ ایک سالگرہ پارٹی میں شامل تاج میں بیٹھا اپنے عزیزوں سے مصروف گفتگو تھا کہ اچانک وہ نظر آ گئی۔ وہ ہال کے دروازے سے بے چین سی باہر نکلی تھی۔ اُسامہ اُس کا ہنس دیکھ کر پھر دل تھام کر رہ گیا تھا۔ وہ گھر والوں سے کوئی بہانہ بنا کر اٹھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ ہال سے باہر آتے ہوئے ایک مرد نے اُس کا ہاتھ تھاما اور آگے بڑھ گیا۔ اُسامہ جو بھاگ کر اُس کو پکڑنا چاہتا تھا، بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا کہ بھائی جان اُس کی میز پر چلے آئے تھے۔ تاہم اُس کے باوجود اُس نے دیکھا کہ لڑکی کے چہرے پر بے چینی کے ساتھ خوف بھی شامل ہو گیا تھا۔ اُسامہ مرد کو صاف نہ دیکھ سکا تھا اور وہ لوگ تیزی سے باہر نکلنے چلے گئے اور اُسامہ مارے بے بسی کے ہاتھ متا رہ گیا۔

شہزاد اور جبار کو جب اس بات کا پتہ چلا تو دونوں ناراض ہو کر بولے۔

”یار! سیدھی طرح یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم عاشق بننے کی ناکام کوشش کر رہے ہو۔ مگر یا د رکھو اگر تم نے کوئی اس قسم کی حماقت کی تو ہم سے برا کوئی نہ ہوگا بلکہ ہمیں اپنا وہ سمجھنا۔ یعنی ظالم ساج۔“

”بکواس مت کرو۔۔۔“ اُسامہ بھی غریبا۔ ”جب دیکھو فضول باتیں کرتے ہو۔۔۔ اگر میرے دل میں کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو میں تم لوگوں سے اُس کا ذہنی نہ کرتا۔“

”یہ بات تو آپ کی بالکل ٹھیک ہے۔“ شہزاد نے کہا اور پھر نہ جانے کیا سوچ کر ہنس دیا۔ اُسامہ نے گھور کر اُسے دیکھا تو جبار نے اُسے باتوں میں لگا لیا۔ وہ ایک بار پھر اُسے تلاش کرنے کا پروگرام بنانے لگے۔

ایک بار پھر اُس کی تلاش زور و شور سے شروع ہوئی۔ کیونکہ اُس کے دو بارہ نظر آنے سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ وہ اسی شہر میں رہتی ہے۔ تاہم بہت مزگشت کے باوجود وہ ٹوٹی بٹی البتہ بس کی بکٹ سے شہر اونچھی ہو گیا تو جبار نے اُس کی تلاش کا پروگرام ختم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا۔

”بھائی! اگر وہ لڑکی ہمارے لئے فائدے مند ہوتی تو پہلی ہی ملاقات پر ہمارا نقصان کیوں ہوتا؟“

”اور کیا۔۔۔“ شہزاد نے دخل دینا ضروری سمجھا۔ ”مجھے تو لگتا ہے وہ اسٹیئر یو کے ساتھ ساتھ ہمارے یار کا دل بھی لے گئی۔ تم نے دیکھا نہیں اُس کے ذکر پر جناب اُسامہ صاحب بے چین نظر آنے لگتے ہیں۔“

”تم کبھی بکواس کرنے سے باز نہ آنا۔“ اُسامہ نے دانت پیستے ہوئے کہا، پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”ویسے مجھے جبار کا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ وہ لڑکی ہمارے لئے نقصان کا باعث ہے اور اب اس کی تلاش ختم کیونکہ ابھی تو تم صرف زنجی ہوئے ہو، کل کو تم ہلاک بھی ہو سکتے ہو۔“

”میں کیوں ہلاک ہونے لگا۔۔۔ میری بجائے تم بھی تو ہو سکتے ہو۔“ شہزاد نے مصنوعی غصے سے کہا اور اُسامہ ہنس دیا۔ بہر حال یہ طے ہو ہی گیا کہ اُس کی تلاش والی مہم ختم کر دی جائے۔

چند روز بعد اُسامہ کو اُس کے بھائی جان نے ایک ضروری کام سے اپنے ایک دوست کے پاس بھیجا۔ ابھی اُسامہ اُن سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ وہی سنہری رنگت والی اسٹیر یو چور اندر داخل ہوئی۔ اُس نے اُسامہ کو دیکھا مگر ظاہر یہی کیا جیسے آج پہلی بار دیکھا ہو۔ تاہم اُس کے چہرے پر ہلکا سا خوف کا سایہ نظر آنے لگا تھا۔

اُسامہ کا خون کھولنے لگا۔ وہ کچھ دیر تو ضبط کرنا رہا پھر بغور اس کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”محترمہ! لگتا ہے میں نے پہلے بھی کہیں آپ کو دیکھا ہے۔“

اُس کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔ سنہری رنگت، پہلی ہونے لگی۔ اُسامہ کے بھائی کے دوست نے ہنس کر پوچھا۔

”کہاں دیکھا تھا آپ نے مسٹر اُسامہ؟“

”شاید.....“ اُس نے زک کر اُس کے تاثرات جاننے کی کوشش کی۔ اُس کی سیاہ آنکھوں میں ہلکی سی نمی اتر آئی تھی جس کے ساتھ ایک التجا بھی تھی۔ اور اُسامہ کا دل اُس کے سوز و غم پر تڑپ گیا اور اُس نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

”شاید کسی بس اسٹاپ پر دیکھا ہو۔ کیا یہ آپ کے یہاں جاب کرتی ہیں؟“ یہ بات کہہ کر وہ اصل میں اُس کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرن چاہتا تھا اور اس وقت اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب بھائی جان کے دوست نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے اُسامہ! یہ میری سالی نرغ ہے۔ ارے بھئی ان کے پاس ایک چھوڑکئی گاڑیاں ہیں نرغ یہ آفس جہاں ہم اس وقت بیٹھے ہیں سب ان کا ہے۔ ہم تو غلام ہیں، نوکر ہیں ان کے۔ بہت امیر ترین باپ کی بیٹی ہیں یہ۔“ پتہ نہیں وہ حسرت سے کہہ رہا تھا یا پھر طنز کر رہا تھا۔

اُسامہ نے دونوں سے معذرت کی۔ اچانک ایک صاحب فائل لئے اندر آئی اور جمال اُس کی طرف متوجہ ہوا تو اُسامہ نے چپکے سے سرکوشی کی۔

”سنو نرغ! میں شام کو کلنگٹن میں فٹس ہاؤس کے داخلی دروازے پر تمہارا انتظار کروں گا۔ اور اگر تم نہ آئیں تو میں تمہارے بہنوئی کو سب کچھ صاف صاف بتا دوں گا۔ سمجھیں؟“ اُسامہ کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی سرد ہو گیا۔

نرغ نے گھور کر اُس کو دیکھا مگر بولی کچھ نہیں اور اُسامہ کچھ دیر بعد جمال سے اجازت لے کر چلا آیا۔

شام کو چونکہ وہ فارغ ہی تھا اس لئے سورج غروب ہونے سے پہلے ہی کلنگٹن چلا آیا۔ نرغ کے آنے میں ابھی کافی وقت تھا اس لئے وہ سیدھا فٹس ہاؤس جانے کی بجائے عبداللہ شاہ غازی کے سامنے سے ہوتا ہوا سمندر کے ذرا ویران مگر پرسکون حصے میں چلا آیا اور کنارے پر بیٹھ کر غروب آفتاب کا منظر دیکھنے لگا۔ سورج ڈوبنے کا وقت ہو اور سمندر ہو۔ اُس کا دل اکثر ایسا منظر دیکھنے کو چاہتا تھا۔

شام کا ملگجا اندھیرا جب گہرا ہونے لگا تو وہ سمندر کے کنارے کنارے چلتا ہوا نیچے سے ہی کلنگٹن میں داخل ہو گیا اور بائیک سائیز پر کھڑی کر کے وہ جلدی جلدی فٹس ہاؤس کی سیزھیاں طے کرنے لگا۔ اور پھر داخلی دروازے کے قریب کسی پولیس مین کی طرح ڈیوٹی سنبھال کر کھڑا ہو گیا نرغ کے انتظار میں.....

شام سے رات ہوئی، اُسامہ کھڑا رہا۔ مگر اُس کو نہ آنا تھا نہ آئی۔ مارے غصے اور تحکم کے اُسامہ کا ہر حال تھا۔ مگر پھر اُس کی معصومیت اور خوبصورتی کا سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔

”ایسی لڑکیوں کو تو سات خون معاف ہوتے ہیں نرغ اُس نے تو صرف اسٹیر یو چوری کیا ہے۔“

’مگر کیوں؟‘ اُسامہ کو پھر غصہ آ گیا۔ وہ اس قدر معزز اور امیر خاندان کی لڑکی ہے پھر اُس نے چوری کی تو کیوں؟ مگر آج کل بڑے گھروں کے بچے ایسی حرکتیں کرنا اپنا شغل سمجھتے ہیں۔ خیر ایک بار وہ آئے تو سہی، پھر دیکھوں گا۔ وہ دانت پیسنے لگا۔

دفعۃً اپنے قریب وہ ہلکی سی آواز سن کر چونک پڑا۔ سامنے دیکھا تو شہزاد ہنس رہا تھا جب کہ جبار بڑی تشویش بھری نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

”تم دونوں اور یہاں۔۔۔ وہ بھی اس وقت؟“ اُسامہ نے حیران ہو کر کہا۔

”کب سے یہ ڈیوٹی دے رہے ہو؟“ شہزاد نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”ڈیوٹی۔۔۔ کیسی ڈیوٹی؟“ اُسامہ نے حیرانی سے کہا۔

”اچھا تو پھر یہاں کس خوشی میں کھڑے ہو؟“ شہزاد نے پھر بات کی۔ جبار تو چپ چاپ کھڑا اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُسامہ نے بوکھلا کر بے ساختگی سے کہا۔

”وہاں! اُسے آنا تھا۔“

”کس کو؟“ شہزاد نے پوچھا۔

اُسامہ نے سوچا غلطی ہوگئی۔ یہ تو اب مجھے بہت تنگ کریں گے۔“

”ہاں بھئی، چپ کیوں ہو گئے؟ بتاؤ نا، کسے آنا تھا؟“ شہزاد نے پھر پوچھا۔

”بس یار! ایک دوست کو آنا تھا۔“ اُسامہ نے یہ کہہ کر آگے بڑھنا چاہا تو شہزاد نے کالم سے پکڑ لیا، پھر دانت پیتے ہوئے بولا۔

”بہت زیادہ دوست بنانا تمہیں پسند نہیں۔ ہمارے علاوہ تمہارا کوئی اور دوست بھی نہیں۔ یہ تم بھی جانتے ہو اور ہم بھی۔ اور پھر کسی دوست کے لئے تم یہاں ایک دو گھنٹے اس طرح کھڑے نہیں ہو سکتے۔ ویسے بھی انتظار کرنا تو ہاتھ بیٹھ جاتے۔ اور لوگ بھی تو سیزھیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ تم کھڑے کیوں رہے پوز بنا؟“

”تم لوگ بہت پہلے کے آئے ہوئے ہو؟“ اُسامہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ہاں۔۔۔ دو گھنٹے سے تمہیں یہاں کھڑا دیکھ رہے ہیں۔“ شہزاد نے جھوٹ بولا حالانکہ وہ آدھا گھنٹہ پہلے آئے تھے۔ ”اب سیدھی طرح بتا دو کہ کس کا انتظار تھا؟“

”یار! وہ لڑکی۔۔۔“ اُسامہ ہنسی بھرا کر چپ ہو گیا۔

”اسٹیر یو چور۔۔۔ ہے نا؟“ شہزاد نے فوراً کہا۔

”ہاں۔۔۔“ اُسامہ کھسیا کر بولا۔ ”اُس نے کہا تھا بلکہ میں نے اُس سے کہا تھا شام کو یہاں آنا۔“

”مگر اب تو رات ہو رہی ہے۔“ شہزاد نے سوچتے ہوئے کہا اور چپ کھڑے جبار نے سامنے کلنگٹن کی جھلمل کرتی حیر روشنیوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

”وہ مجھ کو آس ولا کر گیا ہے آئے گا“

”زمانہ ہیبت گیا اور میں انتظار میں ہوں“

”اُسامہ ایک لڑکی کے لئے تم دو گھنٹے سے یہاں اقصوں کی طرح کھڑے ہو۔“ شہزاد نے آنکھیں نکال کر اس کو دیکھا اور جبار نے کہا۔

”شہزاد! ملاقات کا نام طے کرنے کے بعد یہ یہاں آیا تھا۔ یعنی پہلے بھی ملاقات ہوتی رہی ہوگی جو یہاں ملنے کا وقت دیا۔ اور اس کی بے ایمانی دیکھو، ہمیں بتایا تک نہیں۔۔۔ وہ تو ہم اتفاق سے اس کو تلاش کرتے ہوئے ادھر آ نکلے تھے ورنہ یہ ایک لڑکی کے لئے دوستوں کو.....“ جبار بات ادھوری چھوڑ کر اُس کو گھورنے لگا۔

”کب سے ہو رہی ہیں یہ ملاقاتیں؟“ شہزاد نے کسی تھانیدار کی طرح گرج کر پوچھا۔

”اوہ غبیٹ! آہستہ بول۔ ابھی پہلی ملاقات طے ہوئی تھی۔ اور پھر کوئی سر، حیر ہاتھ آتا تو بتاتا۔“ اُسامہ نے دبے دبے لہجے میں کہا کیونکہ آس پاس بہت سارے لوگ آ جا رہے تھے۔

اچانک شہزاد نے غصے سے کہا۔ ”پہلی ملاقات تو وہ تھی جس میں تم نے اس دوسری ملاقات کا وقت طے کیا۔ اب بولو کب ہوئی پہلی ملاقات؟“

”اچھی بات ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو نہ سہی۔“ اُسامہ غصے سے دو، دو سیزھیاں پھلا لگتا ہوا چلا گیا مگر شہزاد کہاں چھوڑنے والا تھا۔ جبار کے ساتھ اُس کے پیچھے آتے ہوئے بولا۔

”ایک تو چوری اس پریسنڈ زوری۔۔۔ میں پوچھتا ہوں آخر وہ پہلے ملی تھی اور یہ ملاقات طے ہوئی تھی یا پھر آج کل تم روحانی طور پر اوپر اٹھ رہے ہو؟“

”بکو اس بند کرو گے تو کچھ بتاؤں گا۔“ اُسامہ نے جھلا کر کہا۔

”ہائیں، میں بکو اس کر رہا ہوں؟“ شہزاد نے اُس کا کالم پکڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا۔

”ارے، ارے۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو؟“ جبار بوکھلا گیا اور اُسامہ مارے غصے کے بائیک پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”اب کچھ نہیں بتاؤں گا۔۔۔ جھک مارتے رہو۔“

”یہ تو مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ تم کچھ نہیں بتاؤ گے۔ ارے جب میں نے کہا تھا کہ وہ اسٹیر یو کے ساتھ تمہارا دل بھی لے گئی تب بھی تم مجھے مجھے بکو اس بتاتی تھی۔ اور آج اپنی ان ٹیک آنکھوں سے ہم نے تمہیں یہاں اُس کا انتظار کرتے ہوئے پکڑا ہے اور تم بجائے ہتھیار جرم کے اڈ رہے ہو۔“ شہزاد نے عورتوں کے سے انداز میں کہا۔ اُسامہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ بائیک اسٹارٹ کی اور منہ بنا کر چلا گیا تھا۔ اُس کے جانے کے بعد جبار نے کہا۔

”شہزاد! تم زبان درازی کے ساتھ ساتھ اب ہتھ چھٹ بھی ہوتے جا رہے ہو اور یہ بہت بری عادت ہے۔“

”یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ میں کوئی لڑکی نہیں جو زبان درازی کی وجہ سے طلاق لے کر میکے واپس آ جاؤں گی۔ یہ بھی تو سوچو اس نے پہلی بار ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔ اگر میں آج اس بات پر اُسے سرزنش نہ کرتا تو وہ مزید بگڑ جاتا۔“ شہزاد نے اپنی صفائی میں کہا۔

”یار پہلی غلطی قابل معافی ہوتی ہے۔“

”اگر یہ بات تھی تو پہلے بتاتے۔“ شہزاد نے غصے سے کہا۔

”خیر، اب گھر چلتے ہیں۔“ جنبار نے کہا تو شہزاد مان گیا۔ مگر جب وہ گھر گئے تو بھائی نے بتایا۔

”ابھی تک وہ آیا ہی نہیں۔“ اور یہ دونوں مایوس لوٹ آئے۔



اُسامہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نَزخ سے دوبارہ ملے تو کیسے۔ جنبار اور شہزاد کی باتوں کا غصہ وہ اب نَزخ پر اتارنا چاہتا تھا اور اُسے جنبار اور شہزاد کے سامنے لے جانا چاہتا تھا۔ مگر مسئلہ پھر یہی تھا کہ ملا کیسے جائے ایک دو دن وہ ان کے آفس کے باہر بھی اُس کا منتظر رہا مگر شاید وہ کبھی بکھار ہی آتی تھی۔ مایوس ہو کر وہ ان کے رہائشی علاقے کی طرف جا نکلا۔ کچھ کچھ ایڈریس پتہ تھا۔ ذرا سی کوشش پر وہ ان کا گھر تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر کچھ سوچے سمجھے بغیر تیل، بجادی، جمال، بھائی جان کے بہت گہرے دوست تھے اس لئے اُسامہ نے سوچا وہ اُس کی آمد کا برا نہیں مان سکتے۔ اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اپنی آمد کے بارے میں اُن کو کہانی کیسا سنائے گا۔

ملازم آیا اور اُس کو اندر لے گیا۔۔۔ جمال، اُسامہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بولے۔

”یہاں کیسے بھٹک پڑے صاحبزادے؟“

”ادھر ایک دوست سے ملنے آیا تھا۔ باہر آپ کے نام کی نیم پلیٹ دیکھی تو سوچا آپ سے ملتا چلوں۔“ اُسامہ نے ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتے ہوئے جواب دیا۔

”بہت اچھا کیا۔“ جمال نے اپنی بیوی کو بلا دیا اور وہ اپنے بچے کے ساتھ چلی آئی۔ عمر پینتیس کے قریب ہو گئی مگر بہت زرد، زرد اور کمزور سی۔ ایک دو باتوں کے بعد وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ البتہ جمال، اُسامہ سے باتوں میں مصروف تھا۔ مگر کہیں بھی نَزخ نظر نہیں آ رہی تھی جبکہ وہ وہاں آیا ہی اُس کی خاطر تھا۔

کچھ دیر گزری۔ اُسامہ اس کے بارے میں پوچھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ وہ ملازمہ کے ساتھ چائے لے کر اندر داخل ہوئی۔

جمال نے نَزخ کے بارے میں کوئی بات نہ کی کیونکہ ان کا تعارف پہلے ہو چکا تھا۔ وہ بھی چائے پی رہی تھی۔ وہ بھی نَزخ کے بارے میں کچھ نہیں ہی ہو گئی کہ اُسامہ بھی اجازت لے کر کھڑا ہو گیا۔ پھر نَزخ کے قریب سے گزرتے ہوئے سفاک لہجے میں بولا۔

”محترمہ نَزخ صاحبہ! میں باہر گاڑی میں دس منٹ تک آپ کا انتظار کروں گا اور اگر آپ نہ آئیں تو میں آپ کے بہنوئی کو آپ کے بارے میں سب کچھ بتا دوں گا۔“ پھر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ فرخ پر اُس کی باتوں کا کیا رد عمل ہوا تھا، یہ دیکھنے کا نیا وقت تھا اور نہ موقع کہ جمال اندر بیٹھا تھا۔

گاڑی میں بیٹھا وہ ایک بار پھر اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ ایک ایک صدی لگ رہا تھا۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا وہ آئے تو اُسے گھینتا ہوا جنبار اور شہزاد کے پاس لے جائے مگر دس منٹ گزر گئے اور وہ نہ آئی۔ اُسامہ مارے غصے کے گاڑی سے باہر نکل آیا۔ اب اُس کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ اسٹیئر یوز نَزخ ہی نے چوری کیا ہے ورنہ وہ ملنے سے اس قدر خوف زدہ کیوں تھی؟

وہ ابھی چند قدم ہی چل پایا تھا کہ وہ بڑی غلٹ میں آتی ہوئی دکھائی دی۔ اُسامہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔

نَزخ نے قریب پہنچ کر بڑی کیٹیو نظروں سے اُس کو دیکھا اور غصے سے پھیری ہوئی آواز میں کہا۔

”آخر تم چاہتے کیا ہو۔۔۔ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟“

”خاموشی سے گاڑی میں بیٹھو ورنہ۔۔۔“ اُسامہ نے سرد لہجے میں کہا اور ہاتھ پکڑ کر کہینچتا ہوا فرنٹ سیٹ پر لے آیا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ تو گئی مگر غلٹی سے کہا۔

”مجھے بے بس نہ سمجھنا۔۔۔ اگر تم نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو میں اپنی جان سے جاؤں گی ہی مگر تمہیں بھی زندہ نہیں۔۔۔“

”خاموش رہو۔“ اُسامہ نے دانت پیستے ہوئے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ نَزخ نے گھور کر اُسے دیکھا اور غرا کر پوچھا۔

”تم آخر کس بات کا غصہ دکھا رہے ہو۔۔۔ مجھ سے تمہیں کیا دشمنی ہے؟ آخر مجھے بھی تو پتہ چلے، کیا حق سمجھ لیا ہے تم نے مجھ پر اپنا جو یوں۔۔۔“

”میں کہتا ہوں خاموش بیٹھو۔“ اُسامہ دھاڑ اور نَزخ چپ ہونے کی بجائے غرائی۔

”میں پوچھتی ہوں تم مجھے لے کر کہاں جا رہے ہو؟“

”جنم میں۔“ اُسامہ نے دانت پیس کر کہا۔ اور نَزخ منہ بنا کر باہر دیکھنے لگی۔ تاہم وہ ذرا سی بھی خوف زدہ نہیں لگ رہی تھی۔

چند منٹ بعد وہ ہر سکون سمندر کے کنارے رُک چکا تھا۔ گاڑی رکتے ہی نَزخ اُسے خشگیں نظروں سے دیکھنے لگی۔

”اُس دن تم نے خوب اچھا ڈرامہ کیا۔“ اُسامہ نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے زہر خند سے کہا۔

”کون سا ڈرامہ؟“ وہ انجان بن کر بولی اور اُسامہ کو غصہ آ گیا۔ نہ جانے کیوں آج اُس کا حُسن بھی اُس کو ایک آنکھ نہ بھار رہا تھا۔ اُس کا جی چاہا آج خود اُسے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر سمندر برد کر دے جس کی وجہ سے اس کو دوستوں میں شرمندہ ہونا پڑا تھا۔

”وہی مرنے کا۔۔۔ اور کون سا۔“ اُسامہ غرایا۔

”پتہ نہیں تم کیا بکواس کر رہے ہو؟“ وہ غصے سے بولی۔

”بہت بہادر بننے کی کوشش کر رہی ہو۔۔۔ میں کہتا ہوں خاموشی سے اپنے اُس ساتھی کا پتہ بتا دو جس نے اسٹیئر یو چوری کیا ہے۔ ورنہ تم مجھے نہیں جانتیں، میں بہت برا آدمی ہوں۔“

”کس کا ساتھی۔۔۔ کون سا اسٹیئر یو۔۔۔ تم ہوش میں تو ہو مسٹر؟“ وہ بھی خوفزدہ ہوئے بغیر غصے سے سرخ ہوتے ہوئے بولی۔

”زیادہ معصوم بننے کی کوشش مت کرو لڑکی ورنہ۔۔۔“ اُسامہ نے دانت پیستے ہوئے کہا اور وہ اُس کو گھورنے لگی۔ پھر کسی بھوک شیرنی کی طرح غرائی۔

”تم کون سی چال چل رہے ہو مسٹر! ذرا کھل کر کہو؟“

اُسامہ اُس کی بہادری پر حیران رہ گیا مگر دوستوں میں ہونے والی بے عزتی کا خیال آتے ہی کرخت لہجے میں بولا۔

”چال تو اُس دن تم چل گئی تھیں۔ تم نے مرنے کا ڈرامہ کیا اور میں سچ سمجھ کر تہی بچانے کو بھاگا اور جیب کھلی چھوڑ گیا۔ جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تمہارے ساتھی نے اسٹیئر یو نکال لیا۔۔۔ اب جلدی سے اپنے اُس ساتھی کا پتہ بتا دو ورنہ میں ایک ایک بات تمہارے بہنوئی کو بتا دوں گا کہ اُن کی معصوم سی سالی ایک تجربہ کار چور بھی ہے۔“ اُسامہ خونی نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔

”ارے تم یہ والی بات بتانے کا کہہ رہے تھے۔۔۔ اور میں پتہ نہیں کیا سمجھی تھی۔“ وہ پاگلوں کی طرح زور سے ہنس دی اور نضا میں جیسے نور کی بارش سی ہو گئی۔ اُسامہ سب کچھ بھول کر بے خود سا اُس کے معصوم چہرے کو دیکھنے لگا۔ وہ ہنستے ہوئے اور بھی بیاری لگ رہی تھی۔ مگر وہ صرف ایک لمحے کے لئے ہنسی تھی۔ دوسرے ہی لمحے اُس کے چہرے پر گہری بخید گئی تھی۔ پھر اُس نے غور سے اُسامہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا تم روز جیب میں یہاں آتے ہو؟“

”نہیں، پہلی بار جیب میں آیا تھا۔“ اُسامہ نے اُس کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

”اگر یہ بات ہے تو خود عقل سے سوچو، مجھے کیسے معلوم تھا کہ تم جیب کھلی چھوڑ آئے ہو؟ یہ کام کسی عادی چور کا ہے جو ہر موقع سے فائدہ اٹھانا جانتا ہے۔۔۔ تم شاید چوروں کی عادات نہیں جانتے۔“

”بنانے کی کوشش مت کرو۔۔۔ تمہیں اگر چوروں کی نفسیات کا علم ہے تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ تم خود بھی چور ہو اور اسٹیئر یو تم نے چوری کیا ہے۔“

”شٹ آپ۔۔۔“ وہ ایک بار پھر غرائی۔ ”اگر پھر تم نے یہ بات مجھ سے کہی تو میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔“ مگر اُس کی بات ادھوری رہی۔

”چوری اور سیدہ زوری۔۔۔ کب سے تمہاری بک بک سن رہا ہوں۔ اب سچ بتا دو، اسٹیئر یو کہاں ہے؟“

نَزخ نے حیران ہو کر اُس کو دیکھا۔ اب اُسامہ بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا کہ اب وہ سو زُہسن کو دیکھنے کا حوصلہ ہی خود میں نہ پا رہا تھا۔ چند ساعتیں بیت گئیں تو نَزخ نے آہستہ سے کہا۔

”تم چاہتے کیا ہو، یہ بتاؤ۔“

”اسٹیئر یو کی واپسی۔۔۔ پہلے تو میں تمہارے حُسن سے مرعوب ہو گیا تھا۔ مگر اب میں بہت سختی سے پیش آؤں گا۔“ اُسامہ نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”تم کتنی چھوٹی بات کر رہے ہو۔۔۔ دیکھو، اس وقت پانچ لاکھ کے ڈائمنڈ میں نے بہن رکھے ہیں اور تم ایک ہزار کے اسٹیئر یو کی بات کرتے ہو۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ اگر تم اقرار نہیں کرنا چاہتیں تو نہ سہی۔ مگر اب تم مجھ سے سچ کرنے جا سکو گی۔ میں تمہارا گلا دبا کر تمہیں سمندر میں پھینک دوں گا۔“ اُسامہ نے

لے چکی ہے۔ اُس کا دل اُسے چاہنے لگا ہے۔ اُس کی تمنا کرنے لگا ہے۔ اس کے بغیر جینا تو اب بیکار ہوگا۔ مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا، بس اُس کو رونے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب وہ دل بھر کر رو چکی تو خود ہی چپ ہو گئی۔ نہ صرف چپ ہو گئی بلکہ خوف زدہ نظروں سے اُسامہ کو دیکھنے لگی، پھر ایک دم کہا۔

”پلیز اب تم مجھے گھر ڈراپ کر دو۔ میں صرف آپا کو تیار کر آئی ہوں کہ سمندر پر جا رہی ہوں۔ اگر جمال بھائی کو پتہ چل گیا تو وہ ناراض ہوں گے۔ شاید ماریں بھی مجھے۔ اپنے بغیر وہ مجھے ایک قدم بھی گھر سے باہر نکالنے نہیں دیتے۔“

”کیا اب بھی وہ کمینہ تمہیں ماننا ہے؟“ اُسامہ نے غصے سے کہا اور وہ ایک بار پھر رونے لگی۔ اُسامہ کا دل چاہا ابھی جا کر جمال کو قسم کر دے۔ مگر کیسے؟ اچانک ایک خیال اُس کے ذہن میں آیا تو اُس نے پوچھا۔

”نزع! کیا تمہاری آپا بھی ان کے ساتھ اس پروگرام میں شامل ہیں؟“

”نہیں۔۔۔ آپا کچھ نہیں جانتیں۔ وہ خود بھی بیمار رہتی ہیں۔ اور پھر کوئی بہن اتنی ظالم نہیں ہو سکتی کہ اپنی آنکھوں کے سامنے بھائی کو مرتے ہوئے دیکھے۔ وہ بہت اچھی ہیں۔“

اور اُسامہ اُس کو سمجھا نہ سکا کہ جب شادی ہو جائے تو سارے رشتے اہمیت کھودیتے ہیں۔ انسان اپنے گھر کا سوچتا ہے یا پھر بچوں کا۔ مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا بلکہ اپنی محبت اور وفا کا یقین بھی نہ دلا سکا۔ اپنی محبت کی وہ شدتیں اُس کے اندر منتقل نہ کر سکا۔ اُس سے یہ بھی نہ کہہ سکا کہ آج سے وہ اُس کی زندگی کا لازمی جزو ہے۔ اُس کی حیات کا حاصل ہے۔ اور یہ کہ اگر وہ اُسے نہ لے تو شاید وہ جی نہ سکے۔ مگر وہ چپ چاپ اُس کے بارے میں سوچتا رہا، پھر بولا۔

”نزع۔۔۔ اگر تم ایک وعدہ کرو تو میں بھی تمہارے بھائی کی جان بچانے کا وعدہ کرتا ہوں۔“

اُس نے سوالیہ انداز میں اُسامہ کو دیکھا اور پوچھا۔

”کیسا وعدہ؟“

”بہی کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے، تم خود کٹی نہیں کرو گی۔“

”تم چاہتے ہو، میں بے غیرت بن کر زندہ رہوں۔ عزت چلی جائے مگر جان نہ جائے۔ کیا تم زندگی کو عزت سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہو؟“ نزع نے نا کواری سے پوچھا۔

”نہیں نزع! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک بات تمہاری عزت تک نہ پہنچے تم جان نہیں دو گی۔ پلیز، جہاں اتنا عرصہ اُس ذلیل انسان کو برداشت کیا ہے وہاں چند دن اور سہی۔۔۔ البتہ جب کوئی ایسا مقام آیا جب تم یہ سمجھ لو کہ جان دیے بغیر خود کو نہیں بچا سکتیں تو پھر بے شک جان دے دینا۔ اور میری کوشش ہو گی کہ تمہاری عزت اور جان جانے سے پہلے ہی تمہارے بھائی کی جان بچا لوں۔ میں اپنی پوری قوت استعمال کر کے ان کو موت کے منہ سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اس کے باوجود اگر تمہارے بھائی کی جان بچاتے ہوئے تمہاری جان چلی گئی تو یقین کرو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں جمال کو ایک کتے سے بھی زیادہ بدتر موت ماروں گا۔ اگر تم نہ رہیں تو پھر میری زندگی کا مقصد جمال کو اُس کے انجام تک پہنچانے کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ بس تم کوشش کرنا، ایسا نہ ہو۔ بات تمہاری عزت تک نہ پہنچے۔ باقی سب میں خود دیکھ لوں گا۔“

”تم یہ سب کرو گے؟“ نزع نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

”ہاں میری زندگی۔۔۔ میری جان! میں یہ سب کروں گا۔ اُسامہ نے دل میں کہا اور گہری سانس لے کر ٹھوس لہجے میں بولا۔ ”ہاں۔۔۔ تم دیکھنا، میں یہ سب کر گزروں گا۔“

”مگر تم یہ سب کس کے لئے کرو گے؟“ اُس کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

اور اُسامہ پھر نہ کہہ سکا کہ تمہارے لئے تمہاری محبت کے لئے، بلکہ اپنے لئے۔ کہا تو صرف یہ۔ ”نزع! انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ ایک انسان کی مشکل حل کرنا دوسرے کا فرض ہے۔ اور یہی ہمارا دین بھی کہتا ہے۔“

”تم کتنے اچھے ہو۔۔۔ اور میں خواہتا ہوں تمہیں اتنے دن برا بھلا کہتی رہی۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔“ اُس کی آنکھیں ایک بار پھر جھلک پڑیں۔

”روتی کیوں ہو۔۔۔ برے کے ساتھ بھلا بھی کہتی رہی ہو۔“ اُسامہ نے اُس کا دھیان بنانے کے خیال سے کہا تو وہ مسکرا دی۔ پھر کہا۔

”مگر تم اکیلے یہ سب کیسے کرو گے؟“ وہ ایک بار پھر پریشان ہو گئی۔

”یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو۔“ اُسامہ نے تسلی دی ”تمہارا بہنوئی بھی تو اکیلا یہ سب کر رہا ہے۔ میں بھی کر لوں گا۔“

تاہم خود وہ دل میں اب بھی سوچ رہا تھا کہ یہ سب کیسے کروں گا؟ خیر جیسے بھی ہو، اب کرنا تو ہوگا۔

”وہ گاڑی دیکھو۔۔۔ وہ چونک کر بولی۔ ”جمال بھائی آرہے ہیں شاید۔ اُن کو پتہ چل گیا ہوگا کہ میں گھر پر نہیں ہوں اور اب میری تلاش میں ادھر آئے ہوں گے۔ کیونکہ میں سمندر کے علاوہ تفریح کے لئے کہیں نہیں جاتی۔ مجھے سمندر کی بے قرار موجیں دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔“

”اچھا۔۔۔ اُسامہ نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔ ”پھر تو ہمارا ذوق ملتا جلتا ہے۔ مجھے بھی سمندر کے علاوہ اور کوئی جگہ پسند نہیں۔ اپنا فارغ وقت میں بھی یہیں گزارتا ہوں۔ خیر اب تم گاڑی سے نکل کر کنارے پر چلی جاؤ اور کہہ دینا دل گھبرارہا تھا، اس لئے چلی آئی تھی۔“ اُسامہ نے جلدی سے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

نزع نے آخری بار تشکر بھری نظروں سے اُسامہ کو دیکھا، پھر ”شکریہ“ کہتے ہوئے بھاگ کر کنارے پر چڑھ گئی۔

اُسامہ جمال کو دیکھنے لگا جس کی گاڑی ادھر ہی آرہی تھی۔ پھر وہ رُکی اور جمال باہر نکل کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جلد ہی اُس کی نگاہ نزع پر پڑ گئی۔ وہ تیزی سے اُس کی طرف لپکا تھا۔ پھر شاید اُس نے آواز دی تھی۔ نزع نے پلٹ کر دیکھا۔ پھر پتہ نہیں جمال نے اُس کو کیا کہا تھا۔ فاصلہ ہونے کی وجہ سے وہ سن نہ سکا۔ مگر نزع خوفزدہ سی کنارے سے اتر آئی۔ جمال نے کچھ کہتے ہوئے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور نزع کے چہرے پر پھیلی ہوئی اذیت دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ اُس نے ہاتھ کس انداز میں پکڑا ہوگا۔ پھر وہ اُس کے سامنے ہی نزع کو گاڑی میں بٹھا کر لے گیا اور وہ کچھ بھی نہ کر سکا کہ ابھی کچھ کہنے یا کرنے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھا۔ بس گاڑی میں بیٹھا دُور سے آتی سمندر کی چھوٹی بڑی بے چین لہروں کو دیکھتا رہا اور اس مسئلے کا حل سوچتا رہا۔

اُسے یقین نہیں آتا تھا کہ جمال اتنا ذلیل انسان ہو سکتا ہے۔ وہ اُس کے بھائی جان کا دوست تھا اور اُس کے بھائی جان بڑے لائق انسان تھے۔ ابو کے بعد وہی اُس کا سہارا بنے تھے۔ وہ سوچتا رہا۔ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اُس نے سوچا لوگ کہتے ہیں دیوار سے بھی مشورہ کر لینا چاہئے۔ میرے تو پھر دوست ہیں۔ بے شک وہ دونوں شیطان بہت ذہین تھے اور اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکال سکتے تھے۔

دوستوں کا خیال آتے ہی اُسامہ کو نہ صرف اُن کی باتیں یاد آئیں بلکہ اُس رات جو وہ یہاں نے اس کے ساتھ اختیار کیا تھا وہ بھی یاد آ گیا۔ مگر آج اُسے غصے کی بجائے ہنسی آرہی تھی۔ کیونکہ وہ باتیں اور شک بچ ثابت ہو چکا تھا۔ اُسے واقعی نزع سے محبت ہو گئی تھی۔ یعنی اُن کی غلط فہمی حقیقت کا روپ دھار چکی تھی۔ اُس رات کے بعد مارے غصے کہ وہ اُن سے نہیں ملا تھا حالانکہ جب وہ اُس کی تلاش میں گھر آئے تو اُس نے بھائی سے کہلوایا تھا کہ وہ گھر پر نہیں کیونکہ جس طرح انہوں نے اُسے بھرے مجمع میں ذلیل کیا تھا وہ کوئی بھولنے والی بات نہیں تھی۔ اور وہ چاہتا تھا اب ایک بار ہی نزع کو ساتھ لے کر اُن کے سامنے جائے تاکہ اُن کو پتہ چل سکے کہ حقیقت کیا تھی۔ مگر اب حالات بدل چکے تھے۔ اُس نے شہزاد کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ جبار کا گھر اُس کے بالکل ساتھ ہی تھا۔

مگر پھر اچانک شہزاد کی آواز سن کر حیران رہ گیا۔ وہ کھڑکی پر جھکا پوچھ رہا تھا۔

”مانا سمندر کے قریب پہنچ کر انسان خدا سے بھی قریب ہوتا ہے۔ مگر تم اتنے قریب کب سے ہو گے کہ چہلہ کشی بھی شروع کر دی۔ خدا خیر کرے۔ یہ آج کل تم کس پتھر میں ہو، کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے۔“

وہ اُسے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر شہزاد کے پیچھے کھڑے جبار پر نظر پڑ گئی جو مسکرا کر اُسے دیکھ رہا تھا۔ نظر ملنے ہی بولا۔

”باہر آنے کا پروگرام ہے یا ہم بھی پیچھے بیٹھ جائیں۔“

”ارے۔۔۔“ وہ جلدی سے باہر آیا اور بڑی احتیاط سے گاڑی لاک کی تو شہزاد جبار کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”دیکھ رہے ہو، وہ میری جیب تھی اور یہ اس کی کار ہے۔ ہاں، بھئی، اپنی چیز اپنی ہوتی ہے۔“

”کیو اس مت کرو شہزاد! دیکھ نہیں رہے، وہ پہلے ہی کتنا گم صم ہے۔ شاید ابھی تک ناراض ہے۔“ جبار نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا اور اُسامہ نے انہیں یہ بتانے کا ارادہ بالکل ملتوی کر دیا کہ وہ ابھی اُن کی تلاش میں جانے والا تھا۔

”ناراض ہے۔۔۔ مگر کس بات پر؟“ شہزاد نے حیران ہو کر پوچھا اور تینوں کنارے پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ جبار نے شہزاد کو گھور کر دیکھا مگر وہ باز آنے والی چیز نہیں تھا۔ جلدی سے بولا۔

”یار! تم کیا بیویوں کی طرح ہر وقت مجھے گھورتے رہتے ہو؟ کیا میں نے کبھی کوئی غلط بات کی ہے؟“

”خدا کے لئے چپ رہو مائی ڈیئر جبار! ویسے مجھ سے ایک سچ سنو۔“ وہ شرارت سے اُسامہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”جکتے رہو۔۔۔۔۔“ اُسامہ نے کوئی اثر لے کر بغیر کہا تو وہ جبار سے بولا۔

”یار! تمہیں یاد ہے وہ چور لڑکی جس نے فٹ ہاؤس کے دروازے پر جناب اُسامہ صاحب سے ملنے کا وعدہ کیا تھا؟“ جبار نے اس کو پھر گھورا مگر وہ لاپرواہی سے بولا۔

”آخر تم مانتے کیوں نہیں؟ وہ واقعی اسٹیریو کے ساتھ اُسامہ کا دل بھی لے گئی ہے۔“

”کرتے رہو بیکواس۔“ اُسامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہائیں۔۔۔۔۔ تم مسکرا رہے ہو؟“ شہزاد نے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا، پھر کہا۔ ”اچھا تو حقیقت کیا ہے، یہ تم بتا دو اور یہ بھی بتا دو یہاں کس خوشی میں بیٹھے تھے؟ کیا آج

پھر اُس نے ملنے کا وعدہ کیا تھا اور حسب معمول وہ نہیں آئی اور تم بیٹھے جھک مارتے رہے۔۔۔۔۔ کیوں، ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟“

”یہاں تم غلطی کر رہے ہو۔“ اُسامہ نے مسکراتے ہوئے ہی کہا۔

”مطلب؟“ شہزاد نے بے تابی سے پوچھا۔

”مطلب یہ کہ وہ مجھ سے مل کر جا چکی ہے۔“ اُسامہ ہنس دیا۔

”دیکھا تم نے۔۔۔۔۔“ شہزاد نے جبار سے کہا، پھر گھونسا تان کر اُسامہ کی طرف لپکا اور وہ ہنستے ہوئے کنارے پر پڑے پتھروں پر سنبھلتا ہوا نیچے سمندر کی نرم ریت پر

بھاگ آیا۔ مگر شہزاد بھی کہاں پیچھا چھوڑنے والا تھا۔۔۔۔۔ وہ بھی پیچھے بھاگا اور ساتھ ہی جبار۔ پھر شہزاد کی مزید کسی کارروائی سے پہلے ہی جبار نے اُس کو پکڑ لیا اور کہا۔

”وہ تمہیں ستانے کے لئے ایسا کہہ رہا ہے اور تم نے بے وقوفی کی۔“

”اچھا۔۔۔۔۔ تو یہ بات ہے۔“ شہزاد ہاتھ جھاڑتے ہوئے کھی کھی کر کے ہنسنے لگا تو اُسامہ نے کہا۔

”جبار! یہ سچ ہے۔۔۔۔۔ وہ مجھ سے ملنے آئی تھی۔“

”اچھا، پھر۔۔۔۔۔؟“ جبار نے سنجیدگی سے اُسے دیکھا اور اُسامہ نے شہزاد کی مزید بیکواس سے بچنے کے لئے وہ کہانی جو زرخ نے اُسے سنائی تھی اُن کو سنادی۔

”کو یا میری بات درست تھی۔ وہ سچ گج تمہارا دل بھی لے گئی۔“ اب کے شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ سنجیدہ ہو گیا۔ کچھ دیر وہ سمندر کے پانی کو گھورتا رہا،

پھر بولا۔

”یار! یہ تو کوئی بڑا ہی سنگین مسئلہ ہے۔۔۔۔۔ تمہارا کیا خیال ہے جبار؟“

”سب سے زیادہ یہ کسی کی عزت کا مسئلہ ہے۔“ جبار نے بھی سوچ میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

”سوچو، اب کیا کیا جائے؟“ اُسامہ نے کہا اور وہ دونوں واقعی سوچ میں ڈوب گئے۔ جب کہ خود وہ بھی سوچ رہا تھا۔ وعدہ تو کر لیا، اب یہ سب کرے گا کیسے۔

اچانک جبار نے سر اٹھایا اور اُسامہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”پہلے تم میری بات کا جواب دو۔ کیا وہ لڑکی تمہیں واقعی پسند ہے؟“

اور اُسامہ نے دل میں سوچا۔ وہ ہے ہی اتنی پیاری اور معصوم کہ میں تو کیا تم بھی اُسے پسند کر سکتے ہو۔ مگر کہا تو صرف اتنا۔

”معاف کرنا جبار! اگر میں کہوں نہیں۔۔۔۔۔“

شہزاد جلدی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ”تم ایسا کبھی کہہ ہی نہیں سکتے۔“ مگر وہ اُس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے جبار سے بولا۔

”سنو، اگر میں کہوں کہ نہیں تو کیا تم اُس کی مدد نہیں کرو گے؟ ایک بے بس معصوم لڑکی کو ایک ظالم مرد کے رحم و کرم پر چھوڑ دو گے؟ سوچو، اُس کی جگہ اگر ہماری بہن ہوتی۔“

”میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“ جبار نے اُسی لہجے میں کہا۔

”پھر۔۔۔۔۔؟“ اُسامہ نے پوچھا۔

”میں تو اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بات اگر تمہاری پسند کی ہے تو پھر ذرا پُر جوش ہو کر کام کریں گے۔ ورنہ یہ کام تو اب ہمیں کرنا ہی ہے۔“

اُسامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”یار! تم اُس کو اپنی ہونے والی بھائی سمجھ سکتے ہو۔“

”میں تو بہت پہلے ہی سمجھ چکا تھا۔ جبار کی سمجھ میں یہ بات اب آئی ہے۔“ شہزاد نے ہنس کر کہا تو جبار بھی مسکرائے لگا۔ پھر بولا۔

”مجھے تو یہی ایک راستہ نظر آتا ہے کہ سب سے پہلے جمال سے دوستی کی جائے تاکہ اُس کے پاس آیا جالیا جاسکے۔“

”مگر کیسے؟۔۔۔۔۔ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔۔۔۔۔ کہیں شک نہ ہو جائے اس کو۔“ اُسامہ نے کہا تو شہزاد بولا۔

”یہ رسک تو اب لینا ہی ہے۔۔۔۔۔ مگر بہت سوچ سمجھ کر ہر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ ویسے میرے خیال میں جمال جیسے آوارہ انسان کے ساتھ اسی جیسا روپ دھار

کر دوتی کرنا مناسب ہوگا۔ ارے مجھے ایک نیا خیال آیا ہے۔“

”وہ کیا۔۔۔۔۔؟“ اُسامہ اور جبار نے ایک ساتھ پوچھا اور شہزاد آہستہ آہستہ انہیں اپنا خیال بتانے لگا اور اُس کا خیال سن کر ان دونوں نے اتفاق سے سر ہلا دیا تھا۔

اگلے روز سے جمال کی باقاعدہ مگرانی شروع ہو گئی۔ اُسامہ نے بھی شہزاد کے خیال پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ شہزاد کا کہنا تھا کہ فرض کرو تم جمال کے ساتھ دوستی کرنے

میں کامیاب ہو چکی جاتے ہو تو اس کا فائدہ؟ کیونکہ دوست تو وہ تمہارے بھائی کا بھی ہے۔ مگر کیا تمہارے بھائی اُس کے اس روپ کے بارے میں جانتے ہیں؟“

”ہرگز نہیں۔۔۔۔۔ میرے بھائی ایسے نہیں۔“ اُسامہ نے فوراً کہا۔

”تو پھر جمال سے دوستی کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ پہلے کسی کال گرل سے دوستی کر لو۔“

”اور بھائی جان سے جوتے کھالوں۔“ اُسامہ نے غصے سے کہا۔ تب شہزاد نے پوری سنجیدگی سے جواب دیا۔

”اُسامہ! زرخ کے لئے ہم ہر گھٹیا کام کریں گے۔ یاد رکھو، ہم مرد ہیں۔ ہم لوگوں کو بے شک زمانہ جتنا مرضی برائے مگر ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔۔۔۔۔ مگر کسی بھی شریف

لڑکی کی عزت محض ہماری اپنی عزت نفس بچانے کے چکر میں چلی گئی تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کروں گا۔۔۔۔۔ اب تو اگر مجھے اپنی جان دے کر بھی اُس کی حفاظت کرنا

پڑی تو کروں گا۔“ شہزاد خاص طور پر پُر جوش تھا۔

”اچھا، ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ میں تمہاری بات مان لیتا ہوں۔ مگر کال گرل سے دوستی کیسے ہو؟“ اُسامہ نے پوچھا۔

”کال گرل سے دوستی کرنا کون سی مشکل بات ہے؟“ شہزاد نے ہنس کر کہا اور اُسامہ کچھ سوچنے لگا۔

پھر ایک ہفتہ اُسامہ نے خود کو جمال کے سامنے ایک عیش پسند انسان کے روپ میں پیش کیا تھا۔ شہزاد اور جبار اُسے اطلاع دیتے تھے کہ اس وقت جمال فلاں جگہ پر ہے

اور وہ اپنی کسی نئی ساتھی کے ساتھ وہاں پہنچ جاتا۔ مگر ایسے میں وہ جمال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا اور جمال کو دیکھنے کے باوجود اُسے مخاطب نہ کرتا۔

اور پھر اُسامہ کی آوارگی کا وہ اہم دن تھا کیونکہ اُس دن وہ کسی ال گرل کے ساتھ نہیں بلکہ اپنی ایک دوست جس کے ساتھ شپ پر پہلی ملاقات ہوئی تھی، ایک ہوٹل میں

موجود تھا جہاں جمال اپنی ایک بزنس پارٹی کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھا۔

جبار نے کہا تھا۔ ”یہ ایک اچھا اور آخری موقع ہے تمہارے پاس جمال کا اعتماد حاصل کرنے کا۔“ اور اُسامہ بغیر وقت ضائع کئے امبر کے پاس چلا آیا تھا جس نے اُس کی مدد کا

وعدہ کیا تھا۔ وہ ایک امیر اور آزاد خیال گھرانے کی لڑکی تھی اور اس وقت اُس کے ساتھ ایک اچھے ہوٹل میں پریشان انداز میں بیٹھی تھی۔ جمال کی میز دوسری طرف تھی مگر

اُسامہ اس انداز میں بیٹھا تھا کہ وہ اُسے دیکھ سکے اور خود تو وہ ہمیشہ جان بوجھ کر اُس کی طرف نہ دیکھتا تھا۔ چائے کے بعد اُسامہ نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

”میں تمہاری بات سمجھتا ہوں۔۔۔۔۔ مگر تم بھی میری مجبوری سمجھنے کی کوشش کرو۔ ابھی تو مجھے جاب بھی نہیں ملی۔ میرا یقین کرو، جاب ملنے ہی میں امی سے تمہارے لئے

بات کروں گا۔“

”مگر تب تک میں اُس کا کیا کروں جو ہماری غلطی سے قبل از وقت چلا آیا ہے؟“ امبر نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔

”اگر تم میرا ساتھ دو تو یہ مشکل دو منٹ میں حل ہو سکتی ہے۔“

”وہ کیسے؟“ امبر نے حیران ہو کر اُسے دیکھا۔

”تم میرے ساتھ لیڈی ڈاکٹر کے پاس چلو۔ وہ سارے قے کو منٹوں میں ختم کر دے گی۔“

”اُسامہ۔۔۔۔۔“ امبر نے غصے سے اُسے دیکھا۔ ”میں اپنے بچے کی موت نہیں چاہتی۔ تم فوراً کچھ کرو۔ ورنہ میں تمہارے بھائی کے پاس چلی جاؤں گی۔“ امبر نے

دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

”امبر! پلیز! بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ پہلے اس قے کو ختم کرو، پھر شادی بھی ہو جائے گی۔“

”مگر میں اس قے کو ختم کرنا نہیں چاہتی۔ تمہیں ہر حال میں مجھ سے شادی کرنا ہوگی۔ میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتی ہوں۔ اس کے بعد انجام کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔“

وہ دندنا تلی چلی گئی اور اُسامہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گیا اور جمال کا انتظار بھی کرنے لگا۔ ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ اُسامہ کو اپنے کاندھے پر ہاتھ کا دباؤ

محسوس ہوا۔ وہ سمجھا گیا جمال اُس کے جال میں آگرا ہے۔ تاہم اُس نے سرت سے بھر پور لہجے میں یہ کہتے ہوئے سر اٹھایا۔

”ارے امبر! تو کیا تم نے میری بات مان لی؟“

مگر اگلے ہی لمحے وہ نہ صرف چونک پڑنے کی اداکاری کرنے لگا بلکہ خاصا گھبرا کر کھڑا بھی ہو گیا اور سامنے کھڑے جمال کو خوف بھری نظروں سے دیکھنے لگا، پھر بولا۔

”جمال بھائی آپ..... آپ یہاں کیسے؟“

”بیٹھو۔۔۔۔۔“ جمال نے نرمی سے کہتے ہوئے اُسامہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ کچھ دیر اُسامہ کو دیکھتا رہا جو اُس کو اچانک سامنے پا کر نامور ہوا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

”یہ محض اتفاق ہے کہ میں نے تمہاری تمام باتیں سن لی ہیں۔“

’یہ باتیں یہاں کی ہی اس لئے گئی تھیں کہ تم سن سکو کیونکہ انسان! اُسامہ نے دل میں کہا اور جمال کو دکھانے کے لئے شرم سے اس طرح سر جھکا لیا جیسے حقیقت میں یہ غلطی اُس سے ہو چکی ہو۔

جمال کرسی کھینچ کر اُسامہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”پہلے بھی اس قسم کی حرکت کر چکے ہو یا یہ پہلی واردات ہے؟“

اُسامہ نے دل ہی دل میں لاجول ولاقوہ پڑھتے ہوئے ندامت بھرے لہجے میں کہا۔ ”اب کیا بتاؤں۔۔۔۔۔ پہلے کبھی ایسی صورت حال سے واسطہ ہی نہیں پڑا۔ اصل میں سب لڑکیاں امبر جیسی نہیں ہوتیں۔ یہ نہ جانے کیوں جذباتی ہو رہی ہے۔ مگر پلیز۔۔۔۔۔“ اُسامہ نے باتیں کرتے کرتے منت بھرے لہجے میں کہا۔

”کیا۔۔۔۔۔؟“ جمال نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے اُسے دیکھا۔

”آپ ان سب باتوں کا ذکر بھائی جان سے نہیں کریں گے۔“

”ارے نہیں، بے فکر رہو۔۔۔۔۔ ہم دوستوں کے دوست ہیں۔ تم میرے ساتھ آؤ۔“ وہ اچانک کھڑا ہوا تو اُسامہ بھی اٹھ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے جمال نے کہا۔

”دیکھو اُسامہ! میں سمجھتا ہوں جوانی میں جس نے شرارت نہیں کی، اُس کی جوانی کیا خاک جوانی ہے۔ پھر وہ مرد نہ ہوا۔ تم مرد ہو اور مرد ہی ایسی حرکتیں کرتے ہیں اور مجھے تم جیسے بہادر مرد ہی متاثر کرتے ہیں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے جمال بھائی! لیکن اگر یہ لڑکی گھر چلی گئی تو آپ میرے بھائی جان کو تو اچھی طرح جانتے ہیں۔“ اُسامہ نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

”یہ بات تو سوچنے کی ہے۔ تمہارے بھائی تو بہت نیک اور سادہ انسان ہیں۔ مگر تم۔۔۔۔۔“ انہوں نے اُسامہ کو دیکھا اور قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”کبھی کبھی فرشتوں کے ہاں شیطان بھی جنم لے لیتا ہے۔ مگر تم اپنے بھائی کی فکر مت کرو۔ وہ ایک مہذب دوست ہے۔ ہم نے کبھی اُس کے سامنے کوئی غیر ضروری بات نہیں کی۔ اصل میں ہر شخص ہر بات کے لئے مناسب نہیں ہوتا۔“

”بہت بہت شکریہ۔“ اُسامہ نے خوش ہو کر کہا مگر پھر فوراً سنجیدگی سے پوچھا۔ ”جمال بھائی! اب امبر کا کیا کروں؟ وہ شادی سے کم پرمانتی ہی نہیں۔ میں نے کہا بھی ہے کہ جاب ملتے ہی امی سے بات کروں گا۔ مگر وہ بچے کی وجہ سے۔۔۔۔۔“ اُسامہ چپ ہو گیا۔

”جاب تمہارا مسئلہ ہے جب کہ تمہارے بھائی کہتے ہیں تم شپ پر۔۔۔۔۔“ جمال نے ایک گہری نظر اُسامہ پر ڈالی۔

”اصل میں یہ سب تو میں امبر سے جان چھڑانے کے لئے کہتا ہوں ورنہ جاب تو میں بہت پہلے سے کر رہا ہوں۔“ اُسامہ نے بتا دیا۔

”ہوں۔۔۔۔۔ تو یہ بات ہے۔“ جمال نے ہنکارا بھرا پھر کہا۔ ”امبر کے لئے تمہیں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ پرسوں سمندر اُس کی لاش باہر پھینک دے گا۔“ اُس نے نہ جانے کیا سوچ کر یہ کہا تھا۔

”مگر کیسے؟“ اُسامہ نے حیرت سے پوچھا مگر دل میں وہ لرز کر رہ گیا۔

”تمہیں یہ سب جاننے یا اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم صرف اُسے گھر سے باہر لاؤ گے۔ باقی کام میرے آدمی کریں گے۔“ جمال نے اُس کو تسلی دی۔

”آپ کے آدمی۔۔۔۔۔؟“ اُسامہ نے ایک بار پھر حیران ہونے کی اداکاری کی۔

”ہاں۔۔۔۔۔ میرے آدمی۔“ جمال نے مسکرا کر اُسے دیکھا پھر کہا۔ ”مخوردار! ابھی اس میدان میں نئے ہو۔۔۔۔۔ آہستہ آہستہ سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔“ اور اُسامہ یوں سر ہلانے لگا جیسے واقعی سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ حالانکہ جمال کی باتیں سن کر اُس کی عقل نہ جانے کہاں چلی گئی تھی۔

”دیکھو، تم پرسوں کسی طرح اُسے ہا کس بے پر لے جانا۔۔۔۔۔ باقی کام میرے آدمی خود کر لیں گے۔ تمہیں ذرا سی بھی پریشانی نہیں ہوگی۔“ جمال نے اُسے اپنا پروگرام بتایا تو اُسامہ سشدر رہ گیا۔

”لیکن اگر اُس نے آنے سے انکار کر دیا تو؟“ اُسامہ سچ بول کھلا گیا۔

جمال نے طنز بی نظروں سے اُسے دیکھا اور کہا۔ ”وہ تمہارے ساتھ یہاں تک آگئی کہ تمہارے بچے کی ماں بن گئی۔ اب ہا کس بے آتے ہوئے اُسے کیا تکلیف ہوگی؟ بہر حال تم کوشش کر کے کسی بھی طرح اُسے لے آنا۔۔۔۔۔ باقی کام میرے آدمی دیکھ لیں گے۔ میں تو تمہاری مدد کے خیال سے کہہ رہا ہوں کہ مجھے بہادر لوگ پسند ہیں۔۔۔۔۔ آگے تمہاری مرضی۔“

”جی بہتر۔“ اُسامہ نے کہا اور جمال نے گاڑی روک دی۔ ان باتوں کی وجہ سے ہی جمال اُسے ہوٹل سے اٹھالایا تھا۔ گاڑی رکھتے ہی اُسامہ نیچے اتر گیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔ مگر اُسامہ وہیں سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پر ایک ٹیکسی پکڑ کر ساحل سمندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سمندر کے اس حصے میں اکاؤ کالوگ ہی آتے تھے۔ وہ بھی وہاں سے قریب رہنے والے۔ اور اُسامہ بھی اپنے دوستوں کے ساتھ اکثر وہاں جایا کرتا تھا۔ اب بھی انہوں نے ملنے کے لئے اسی جگہ کا انتخاب کیا تھا۔

جب اُسامہ وہاں پہنچا تو وہ دونوں پانی میں ناگلیں لٹکانے باتوں میں مصروف تھے۔ اُس نے کرایہ ادا کیا اور ان دونوں کے قریب چلا آیا۔

”بہت زیادہ پریشان لگ رہے ہو۔“ جبار نے اُسے دیکھتے ہی کہا اور شہزاد اپنی عادت کے مطابق بولا۔

”اور بہت گرم بھی لگ رہے ہو۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے پہلے سمندر میں ایک دوغو ملے گا۔“

”غو ملے اور اس سمندر میں؟“ اُسامہ نے منہ بنا کر کہا۔

”اب تمہارے لئے منوڑ ہیا ہا کس بے تو جانے سے رہے۔“ شہزاد نے کہا۔

ہا کس بے کے نام پر اُسامہ کو جمال سے ہونے والی گفتگو یاد آگئی اور وہ ان دونوں کے درمیان اپنے لئے جگہ بناتے ہوئے بولا۔

”یار غضب ہو گیا۔“

”یعنی سچ بول۔۔۔۔۔ شہزاد نے کہتے کہتے چپ کہہ کر منہ بند کر لیا۔

”تم کبھی اپنی فضول بکو اس سے باز نہیں آؤ گے۔“ اُسامہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ جبار نے بھی اُسے گھور کر دیکھا اور پھر دونوں شہزاد کو چھوڑ کر کنارے سے اتر کر ریت پر چلے گئے اور پھر ساحل کی نرم ریت پر چلے ہوئے اُسامہ نے ساری کہانی جبار کو سنادی۔

”اُس کی ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعی بر آدمی ہے اور ہمارا مقصد بھی یہی تھا کہ اُس کے بارے میں کچھ حقیقت معلوم کی جائے۔“ جبار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”یار! برے آدمی کو کوئی مارو۔ مسئلہ تو اس وقت امبر کا ہے۔“

”ہاں، یہ مسئلہ تو کافی سیریس ہے۔ تم نے خود کچھ سوچا ہے اس بارے میں؟“ جبار نے پوچھا اور اُسامہ چلتے چلتے رک گیا۔

”اگر مجھے اکیلے سوچنا ہوتا تو میں یہاں آتا ہی کیوں؟“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔۔۔۔۔“ جبار نے کہا۔ کافی دیر بعد وہ بولا۔ ”ویسے اُسامہ! وہ امبر کو ہلاک کیسے کریں گے؟ میرا مطلب ہے اس کے لئے اُن کا طریقہ کار کیا ہو گا؟ زندہ تو وہ سمندر میں چھینکنے سے رہے۔“

”تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو۔۔۔۔۔ ایک تو امبر نے ہماری مدد کی اور اب اس پر ہم ہی اُسے قتل کرادیں۔ ہرگز نہیں۔“

”میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ امبر کو ان کے حوالے کر دیں۔۔۔۔۔ میں نے تو یہ پوچھا ہے کہ جمال نے تمہیں بتایا نہیں وہ امبر کو مارے گا کیسے؟“ جبار نے وضاحت کی۔

”نہیں۔۔۔۔۔ اُس نے امبر کو ہا کس بے لے جانے کا کہا ہے اور پرسوں کا وقت دیا ہے۔“ اُسامہ نے ایک بار پھر کہا۔

”اور تم نے پوچھا بھی نہیں؟“

”نہیں۔۔۔۔۔ میں تو امبر کے قتل کا منصوبہ بن کر ویسے ہی گھبرا گیا تھا۔“

”یار! یہ مسئلہ تو بہت ٹیڑھا ہو گیا ہے۔ جمال کو پھنساتے پھنساتے ہم خود اُس کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ اب اس جال سے نکلنے کا طریقہ کیا ہو، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“ جبار نے کہا۔

”اگر اجازت ہو تو میں کچھ بولوں؟“ پیچھے سے شہزاد نے ہانک لگائی۔ جبار اور اُسامہ دونوں چونک کر مڑے پھر اُسامہ نے ہی کہا۔

”بولو، مگر سوچ سمجھ کر۔“

”اب صرف ایک حل ہے امبر کو بچانے کا ورنہ دوسری صورت میں یا تو امبر مار دی جائے گی یا پھر تمہیں جھوٹا سمجھ کر جمال ہلاک کر دے گا۔“ شہزاد نے اُن کے ساتھ ٹپلتے ہوئے کہا۔

”حل کیا ہے، پہلے وہ بتاؤ۔“ اُسامہ نے جھنجھلا کر کہا۔

”بھئی جمال سے کہہ دو کہ تم نے امبر سے شادی کر لی ہے۔“

”تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟“ جبار نے غصے سے کہا۔

”اچھا، وہ نہیں تو تم شادی کرو۔“ شہزاد پھر پٹری سے اتر گیا۔

”شہزاد پلینز! کبھی انسان بھی بن جایا کرو۔“ اُسامہ نے پریشانی سے کہا۔ ورنہ دل تو یہی چاہ رہا تھا اُسے کچھ کر پانی میں دو چار غوطے دے ہی ڈالے۔“

”صبر۔۔۔ صبر۔۔۔“ شہزاد نے دُور اندیشوں کے انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ”سنو، کل سے شیومت بنانا۔“

”کیا بے مکی بکواس کر رہے ہو؟“ اُسامہ نے مارے غصے کے چیخ کر کہا۔

”بکواس کرنے سے پہلے پوری بات سن لو۔“ شہزاد نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”یہ تین دن تم شیومت بنناؤ گے۔“

”پھر؟“ اب کے اُسامہ نے بھی سنجیدگی سے پوچھا جب کہ جبار خاموش کھڑا اُسے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور شہزاد نے پھر کہنا شروع کیا۔

”پرسوں جمال سے ملنے مت جانا۔۔۔ بلکہ دو چار دن بعد جانا۔ پھر رونی صورت بنا کر کہنا۔ جمال بھائی، بہت برا ہوا۔ امبر نے خودکشی کر لی۔“

”ارے واہ۔۔۔ بیٹو واقعی بڑا زبردست آئیڈیا ہے۔“ اُسامہ خوش ہو گیا۔

”جی جناب! ہم ایسے ہی آئیڈیے بناتے ہیں۔“ شہزاد نے اڑ کر کہا۔

جبار بولا۔ ”میرا خیال ہے یہی بات سب سے بہتر ہے۔۔۔ اس طرح امبر بھی بچ جائے گی اور اُسامہ بھی جھوٹا ثابت نہ ہوگا۔“

پھر وہ تینوں ہنستے مسکراتے کنارے کی طرف لو آئے اور پھر اُسامہ کو ڈراپ کرتے ہوئے شہزاد اور جبار بھی گھر چلے گئے۔

تین دن اگر چہ اپنی رفتار سے، اپنے مخصوص انداز میں گزرے تھے۔ مگر اُسامہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے تین صدیاں گزری ہوں۔ کیونکہ تین دن سے وہ اپنے کمرے میں بند تھا۔ اس دوران اُس نے شہزاد کی ہدایت کے مطابق شیومت بھی نہیں بنایا تھا اور کھانا بھی برائے نام ہی کھانا تھا۔ جب کہ جبار اور شہزاد وہی پرانی، جمال کے تعاقب والی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے اور رات کو گھر جاتے ہی اُسامہ کو فون پر سارے دن کی رپورٹ پیش کر دیتے تھے۔ ملنے وہ ایک دن بھی نہ آئے تھے۔ سارا دن تو جمال کے تعاقب میں گزرتا جب کہ ابھی تک کوئی خاص بات سامنے نہ آئی تھی بلکہ فزخ کو بھی وہ ابھی تک نہ دیکھ سکے تھے۔

اُسامہ کی نظر بندی کا آج آخری دن تھا اور کل اُسے جمال سے ملنے جانا تھا۔ یہ بتانے کے لئے کہ امبر نے خودکشی کر لی۔ ابھی تک تو سب کچھ پروگرام کے مطابق ہوا تھا اور اب اُسامہ بیڈ پر لیٹا فزخ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

پورا ایک ہفتہ وہ جمال کے سامنے نئی نئی لڑکیوں کے ساتھ جانا رہا تھا اور یہ اتفاق ہی تھا کہ اس ایک ہفتہ میں ہر جگہ جمال اُسے اکیلا ہی ملا تھا۔ نہ جانے کیا وجہ تھی۔ کیونکہ فزخ نے تو کہا تھا کہ وہ اب ہر جگہ اُسے اپنے ساتھ رکھتا ہے چاہے پارٹی ہو یا کوئی میٹنگ۔ وہ اُسے ایک لمحے کے لئے بھی خود سے جدا نہیں کرتا۔

اُسامہ نے سوچا۔ اگر یہ بات ہے تو پھر ایک ہفتہ فزخ، جمال کے ساتھ نظر کیوں نہیں آئی؟ شہزاد اور جبار کی رپورٹ بھی اکیلے جمال کے بارے میں تھی۔ آخر فزخ کے غائب رہنے کی کیا وجہ ہے؟

گھر کا فون نمبر اُسامہ کے پاس نہیں تھا اور آفس وہ آنے رہی تھی۔ تاہم اُس کے اس طرح غائب ہونے سے اُسامہ پریشان تھا اور اب سوچ رہا تھا کہ کم از کم فزخ سے گھر کا نمبر ہی لے لیا ہوتا تو یہ پریشانی تو نہ ہوتی۔ خیر کل کا دن ہے، پھر دیکھوں گا۔ یہ سوچ کر وہ مطمئن ہو گیا۔

”یہ دن بہ دن آپ کو کیا ہوتا جا رہا ہے مسٹر اُسامہ؟“ نہ جانے بھائی کب کمرے میں آئی تھیں اور اب اُسے سوچوں میں گم دیکھ کر پوچھ رہی تھیں۔

اُسامہ چونک کر اُن کو دیکھنے لگا۔

”میں پوچھ رہی ہوں یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟“ بھائی نے پھر کہا۔ ”یہ تم ہونے نہیں۔ پھر ایسی کیا بات ہے؟“ کس کے بھر میں یہ جوگ لے رہے ہو؟ کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے۔“

”ایسی کوئی بات نہیں بھائی جان!“ اُسامہ نے مسکرا کر کہا۔

”پھر کیا وجہ ہے؟“ کھانا بھی برائے نام کھاتے ہو۔ باہر بھی نہیں جاتے بلکہ اپنے کمرے سے باہر تک نہیں آتے۔ امی اور تمہارے بھائی تمہاری وجہ سے کتنے پریشان ہیں۔“ وہ رکس، پھر سرکوشی میں پوچھا۔ ”کہیں دل کا پکڑ تو نہیں؟“

”اگر کہوں ہاں ہے تو؟“ اُسامہ نے بھی شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

”تو جناب! پھر میں امی کو ساتھ لے کر ابھی وہاں جاؤں گی جہاں دل دے کر مجھوں بنے پھرتے ہو۔“ بھائی نے مسکرا کر کہا اور اُسامہ سنجیدہ ہو گیا۔ مگر اُس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بھائی، امی کی آواز پر باہر چلی گئیں اور اُسامہ نے پریشانی سے سوچا کہ اب اگر امی یا بھائی نے پوچھ لیا تو کیا جواب دوں گا؟ اچانک فون نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

”ہیلو۔۔۔“ اُسامہ نے ریسیور اٹھایا۔

”اب تمہارا ظاہری حلیہ کس اسٹیج پر ہے؟“ دوسری طرف شہزاد تھا۔

”فضول باتوں سے گریز کرو۔“ اُسامہ نے خشک لہجے میں کہا۔

”اوتے تم تو یوں مجھے ڈانت رہے ہو جیسے سچ گچ کے باس ہو۔۔۔ ایک تو تمہاری وجہ سے سارا دن خوار ہوتے ہیں اس پر تمہارے بیخڑے۔“

”میں کہتا ہوں پہلے رپورٹ دو۔“ اُسامہ دباؤا۔

”اچھی بات ہے۔۔۔ یہ لور پورٹ۔“ شہزاد نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اُسامہ مارے غصے کے دانت کچکچانے لگا۔ ریسیور ابھی تک اُس کے ہاتھ میں تھا۔ پھر جیسے ہی اُس نے ریسیور رکھا، بیل ہونے لگی۔

”ہیلو۔۔۔“ اُسامہ نے راکر کہا۔

”آخر اس قدر غصہ ہے کس بات کا؟“ دوسری طرف پھر شہزاد تھا۔

”ریسیور جبار کو دو۔ تم سے تو میں بعد میں سمجھوں گا۔“ اُسامہ نے غصے سے کہا۔

”ارے تو کیا واقعی ہمیں اپنا ملازم سمجھنے لگے ہو۔۔۔؟“ شہزاد نے ہنستے ہوئے کہا اور ریسیور جبار کو تھما دیا۔

”ہاں بھئی۔۔۔ کیسے ہو؟“ جبار نے پوچھا۔

”یار! میں بیمار تو نہیں جو تم لوگ پہلے میری مزاج پُرسی کرنا اپنا فرض سمجھتے ہو۔ اگر تم جمال کے بارے میں بتاؤ تو زیادہ بہتر ہے۔“ اُسامہ نے جھلا کر کہا۔

”تم شہزاد کے ساتھ ٹھیک رہتے ہو۔“ جبار نے اُسے چڑانے کے لئے کہا۔

”پھر وہی بکواس۔“ اُسامہ نے بگڑ کر کہا۔

”اچھا، اچھا۔۔۔ اب سنو۔“ جبار نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔ ”جمال آج سارا وقت اپنے آفس میں رہا۔ اس کے بعد گھر چلا گیا۔“

”بس۔۔۔؟“ اُسامہ نے یوں پوچھا جیسے فون بند کرنا چاہتا ہو۔

”ہاں، بس۔۔۔ ویسے آج کی خاص بات بھی بتا دوں کہ بہت دنوں بعد آج فزخ بھی اُس کے ساتھ تھی۔ یار واقعی بہت خوبصورت لڑکی ہے اور ہماری بھائی بننے کے قابل بھی۔“

”اچھا۔۔۔“ اُسامہ نے کہا، پھر کچھ سوچ کر پوچھا۔ ”کیا وہ بھی سارا دن آفس میں رہی؟“

”ہاں۔۔۔ وہ جمال کے ساتھ ہی آفس آئی تھی اور اُس کے ساتھ ہی گھر چلی گئی۔ تم یہ بتاؤ صبح پھر جمال سے مل رہے ہو؟“

”ظاہر ہے۔۔۔ وہ ملنا ہی پڑے گا۔ مگر یہاں میرے ساتھ ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔“ اُسامہ نے پریشانی سے کہا۔

”وہ کیا۔۔۔؟“ جبار نے حیران ہو کر پوچھا۔

”یار! سارے گھر والے میری اس حالت سے پریشان ہیں۔۔۔ ابھی ابھی بھائی مزاج پُرسی کر کے گئی ہیں اور اب امی، بھائی بھی پوچھنے آئیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں

”صرف انتظار۔۔۔ ابھی ایک ہفتہ جمال کے آفس کا رخ نہ کرنا۔ البتہ ایک ہفتے بعد تم جانا اور دیکھنا وہ کیا کہتا ہے۔۔۔ تب تک ہم بھی سنجیدگی سے کوئی پروگرام سوچتے ہیں۔“ جبار نے کہا۔ شہزاد زیادہ خاموش ہی رہا۔ پھر جبار کی چھوٹی بہن کوک لے کر آگئی اور بات ختم ہوگئی۔



جبار کے کہنے کے مطابق اُسامہ پورا ایک ہفتہ جمال کے سامنے نہیں گیا۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ یہ ہفتہ اُس نے اُس کیسے کا تعاقب کرتے ہوئے گزارا تھا۔ وہ جہاں بھی جاتا، فزخ ہمیشہ اُس کے ساتھ ہوتی تھی۔ ایسے میں جب وہ فزخ کا ہاتھ پکڑتا یا کمر میں بازو ڈالتا تو اُسامہ کا خون کھولنے لگتا۔ مگر فی الحال وہ مجبور تھا۔ کچھ کر نہیں سکتا تھا سوائے دانت پیسنے کے یا غرانے کے۔

خیر، جیسے تیسے ایک ہفتہ گزر گیا تو اُسامہ نے ایک بار پھر اُس کے آفس کا رخ کیا۔ اب یہ اتفاق ہی تھا کہ فزخ بھی وہاں موجود تھی۔ اُسے دیکھتے ہی بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ اُسامہ نے بغور اُسے دیکھا، وہ پہلے سے بہت کمزور ہوگئی تھی۔ شاید بیمار ہی تھی۔ اُسامہ کو دیکھتے ہی جمال نے اُس کو فائل دے کر باہر اپنی سیکرٹری کے پاس بھیج دیا اور اُسامہ کو کچھ کر مسکرا نے لگا۔ اُسامہ نے اُس کا حال پوچھا تو وہ بولا۔

”تم اپنی سناؤ۔۔۔ آج کل کیسے وقت گزر رہا ہے؟“

اُسامہ نے براسمانہ بتاتے ہوئے کہا۔ ”گزر گیا خاک رہا ہے، بس یہ سمجھیں ریگ رہا ہے۔“

”ہا، ہا.....“ وہ زور سے ہنسا۔ ”لگتا ہے ابھی ت کوئی دوسری نہیں ملی۔“ اور اُسامہ نے بڑے معصوم سے انداز میں سر ہلا دیا تو جمال نے سنجیدگی سے کہا۔

”اُس دن جب تم اندر وہ اندر وہ سے اُنٹھ کر گئے تھے تو میں سمجھا شاید اُس کو بھول نہ سکو گے۔ مگر اچھا ہوا جو تم نے ایک مرد ہونے کا ثبوت دیا۔“

”وقتی صدمہ تو بہر حال مجھے بہت شدید ہوا تھا۔۔۔ مگر اب تو ایک ہفتہ گزر چکا ہے۔ وہ بات میرے لئے بہت پرانی ہوگئی۔ ویسے بھی اب سوچتا ہوں کہ جو کچھ بھی ہوا میرے حق میں تو بہت اچھا ہوا۔ کیونکہ اگر وہ بھائی جان کے پاس جاتی تب بھی میری بدنامی تھی اور اگر آپ اُس کو مار دیتے تب بھی میرے ضمیر پر ایک بوجھ سا رہتا مگر اب۔۔۔“ اُسامہ چپ ہو گیا۔

”اچھا، یہ بتاؤ کیسے آنا ہوا؟“ جمال نے پوچھا۔

”کیوں۔۔۔ آپ سے ملنے پر پابندی ہے؟۔۔۔ ویسے کچھ خاص نہیں۔ یہاں سے گزر رہا تھا، آپ سے ملنے کو دل چاہتا تو یہاں چلا آیا۔“ اُس نے وضاحت کی۔

”اوہ۔۔۔ اچھا، اچھا۔“ جمال نے کہا اور اُسامہ اجازت لے کر اُنٹھ گیا کہ آج کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ ویسے بھی وہ بہت چالاک اور شاطر آدمی تھا۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کوئی بات اُس کو شک میں مبتلا کر دے۔ اگرچہ شہزاد اور جبار نے ایک اور پروگرام بنایا تھا اور اب اُسامہ اس کو پورا کرنا چاہتا تھا مگر خیال تھا کہیں جلد بازی کرنے پر جمال کو کوئی شک نہ ہو جائے۔ جبکہ دیر کرنے کی صورت میں فزخ کے بھائی کی جان جاتی تھی۔

اُسامہ کا خیال اب ہر وقت فزخ کی طرف ہی رہتا تھا۔ ایک پریشانی سی تھی جو ہر وقت اُس کے چہرے پر چھائی رہتی۔ جبار کو تو اب اُس سے ہمدردی ہونے لگی تھی البتہ شہزاد اپنی عادت کے مطابق طنز کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ ویسے بھی اُسے تو بات کرنے کا بہانہ چاہئے تھا۔

اُسامہ نے جلد ہی ایک بار پھر جمال کے آفس کا رخ کیا اور اس بار اُس کو یہ خوشخبری سنائی کہ وہ ایک لڑکی سے دوستی کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

”ویری گنڈ۔۔۔“ جمال نے مسکرا کر کہا پھر لڑکیوں سے دوستی کرنے کے نئے نئے گُر اُسے بتانے لگا۔ اُسامہ بظاہر توجہ سے سننے لگا مگر اُس کا دھیان فزخ کی طرف تھا۔ وہ آج پھر نظر نہیں آ رہی تھی مگر پھر اُس کے زیادہ سوچنے سے پہلے ہی وہ اندر داخل ہوئی تو جمال اُسے بھول کر اُسے گھورنے لگا۔ جب کہ اُسامہ خود بھی چوری چوری اُسے دیکھ رہا تھا۔ دوسری ملاقات کے بعد ابھی تک باقاعدہ فزخ سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اچانک وہ چونک پڑا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

”جمال بھائی! میرے سر میں بہت شدید درد ہے۔۔۔ میں گھر جانا چاہتی ہوں۔“

”مگر جاؤ گی کس کے ساتھ؟ ڈرائیور کو ابھی ابھی میں نے ایک ضروری کام سے بھیجا ہے۔“ جمال نے کرخت لہجے میں کہا۔

”تو پھر۔۔۔؟“ وہ خوفزدہ نظروں سے جمال کو دیکھنے لگی۔ کہاں معصوم لڑکی اور کہاں وہ چالیس سال کی پختہ عمر کا مکار مرد۔ اُسامہ کا خون کھول اٹھا مگر چپ رہا۔ جانتا تھا ابھی کھل جانا نہ صرف فزخ بلکہ اُس کے بھائی کے لئے بھی خطرناک ہو سکتا تھا۔ لیکن مزید اس صورت حال کو دیکھ بھی نہیں سکتا تھا اس لئے ضبط کرتے ہوئے اُنٹھ گیا۔

جمال نے چونک کر اُسامہ کو دیکھا تو وہ بولا۔ ”اب چلتا ہوں۔۔۔ ایک نئے دوست سے ملنے کا وقت طے ہے۔ پہلی ملاقات ہے، دیر ہونے کی صورت میں کہیں وہ غنا نہ ہو جائے۔“

جمال اُس کی بات کا مطلب سمجھ کر مسکرا دیا اور پھر شاید اُس پر اعتبار بھی کر لیا تھا۔ کیونکہ کچھ دیر سوچنے کے بعد اُس نے کہا تھا۔

”اچھا اُسامہ! میرا ابھی ایک کام کرتے جاؤ۔ فزخ کو گھر ڈراپ کر دینا۔“

”میں۔۔۔؟“ اُسامہ نے حیران ہو کر پوچھا اور کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھنے لگا۔

”تو کیا واقعی بہت جلدی میں ہو؟“ جمال نے پوچھا۔

”نہیں خیر، اب ایسی بھی کوئی جلدی نہیں۔۔۔“ اُسامہ نے اُس کا مطلب سمجھ کر کہا۔ ”اور پھر آپ کے لئے تو میری جان بھی حاضر ہے۔۔۔“ اُس نے مسکے لگاتے ہوئے کہا۔

”اچھا تو پھر فزخ کو گھر ڈراپ کر دینا۔۔۔“ جمال نے ایک بار پھر فزخ کو دیکھتے ہوئے کہا اور اُسامہ کے دل کی مراد برآئی۔ مگر اُس نے ہچکچا کر فزخ کو دیکھا اور بے دلی سے کہا۔

”او۔۔۔ کے سر!“ پھر باہر کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے فزخ سے کہا۔

”آئیے محترمہ!“ اور فزخ کی آواز اُس کی پشت پر ابھرنے لگی۔ تاہم اُس نے مُو کے اُسے نہیں دیکھا تھا۔ گاڑی کے قریب پہنچ کر اُسامہ نے فرنٹ ڈور کھول دیا اور پھر مُو کر اُس کو دیکھنے لگا۔ وہ اُس کے پیچھے کھڑی تھی اُداس، سہمی اور خوفزدہ سی۔

”بیٹھو۔“ اُسامہ کے لہجے میں خود بخود وزنی آت آئی اور وہ آگے بڑھ کر سیٹ پر بیٹھ گئی اور وہ گھوم کر اسٹیرنگ پر آ بیٹھا۔ پھر فزخ سے پوچھے بغیر اُس نے گاڑی کا رخ سمندر کے ایک پُرسکون حصے کی طرف موڑ دیا۔ فزخ نے اُسے روکا نہیں۔ خاموش بیٹھی گاڑی سے باہر دیکھتی رہی۔

چند منٹ بعد گاڑی سمندر کے سامنے روک کر اُس نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔ مگر وہ ایسی ہی سنجیدہ سی صورت بنائے گاڑی سے باہر دیکھتی رہی اور اُسامہ بھی پلٹ کر سمندر کے ساحل سے سرکراتی موجوں کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ ”کیا فزخ کو اپنی اب تک کی کارکردگی بتا دے؟۔۔۔ لیکن ابھی ہوا ہی کیا تھا۔ ابھی تو پہلی سیزم پر قدم رکھا تھا۔“

”آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟“ اُس کی آواز سن کر اُسامہ چونک پڑا۔ پلٹ کر اُسے دیکھا۔ وہ اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”اب تمہارے بھائی کی طبیعت کیسی ہے؟“ اُسامہ نے اُس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنائیت سے پوچھا۔

فزخ نے طنزینہ نظروں سے اُسے دیکھا اور خشک لہجے میں کہا۔

”کیا آپ نے اب تک ان کے لئے کچھ کیا ہے جو ان کی طبیعت کا پوچھ رہے ہیں۔۔۔ ویسے ہی ہیں جیسے تھے۔“ اُس کی آواز بھر گئی۔

”سوری فزخ۔!“ اُسامہ شرمندہ ہو گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی، پھر فزخ نے شاید اُس کی شرمندگی کو محسوس کر لیا اس لئے نرم لہجے میں بولی۔

”جانے دیجئے اس بات کو۔۔۔ آپ کیوں میرے لئے پریشان ہوتے ہیں؟ ہو گا وہی جو قسمت میں لکھا ہے۔ اور اب گھر واپس چلے۔ ورنہ دیر ہونے کی صورت میں۔۔۔“ اُس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔ شاید یہ سوچ کر کہ وہ زیادہ پریشان نہ ہو۔

اُس کے رویے سے اُسامہ کو تھوڑا حوصلہ ملا اور اُس نے گاڑی کا رخ ”خیابان شمیر“ کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

”فزخ! میں نے ابھی بہت زیادہ تو کچھ نہیں کیا جو تمہیں تفصیل سے بتا سکتا تاہم میں فارغ بھی نہیں بیٹھا۔ یقین کرو میرے دن رات تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کرنے کی کوششوں میں گزارتے ہیں۔“

”سوری! آپ کو برا لگا۔ مجھے آپ سے اس لہجے میں بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔ جب میں خود اپنے بھائی کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تو آپ سے شکوہ ہی فضول تھا۔“ اُس کی آواز میں کمی تھی۔ اُسامہ نے تڑپ کر اُسے دیکھا اور کہا۔

”فزخ! تمہارا ہونوئی بڑا کمینہ اور شاطر آدمی ہے۔ مجھے ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا پڑ رہا ہے۔۔۔ بس تم تھوڑا انتظار۔۔۔“

فزخ نے جلدی سے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔

”نہ جانے کیوں اُس دن میں نے آپ کی بات پر یقین کر لیا۔ مجھے یوں لگا جیسے آپ ایک دو دن میں جمال بھائی کو قابو کر لیں گے اور۔۔۔“

اس بار اُسامہ نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔

منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا رہتا ہے۔ بازو کھینچ کر سر پر رکھ لیتا ہے کبھی سینے پر۔“

”یار! اچانک جب وہ بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے تب اس کی بیوی کچھ محسوس نہیں کرتی؟“ شہزاد نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا تھا۔

”میرا تو خیال ہے کہ وہ اس سازش میں حصہ دار ہے۔ ورنہ جمال کبھی اتنا کھل کر یہ کھیل نہ کھیلتا۔“

”کچھ بھی ہو، تمہیں نزع سے پوچھنا چاہئے تھا کہ جب اُس کا بھائی اچانک ٹھیک ہو جاتا ہے تو اُس کی بھابی کے کیا تاثرات ہوتے ہیں۔ اب اگر نزع سے ملو تو یہ بات ضرور پوچھنا۔ اور ہاں، یہ بھی پوچھنا کہ اُس کی آپا کیا یہ سب جانتی ہے۔“ جبار نے تاکید سے لہجے میں کہا۔

”او۔۔۔۔۔ اب اگر ملاقات ہوئی تو یہ ضرور پوچھوں گا۔“ اُسامہ نے کہا اور چپ ہو کر پاس سے گزرتے ہوئے ایک خوبصورت جوڑے کو دیکھنے لگا۔

”یار! ادھر ادھر کی تانک جھانک بند کرو، اب یہ بتاؤ تم کیا کرنا چاہتے ہو اپنی محبوبہ کے لئے؟“ شہزاد نے مسکرا کر پوچھا اور اُسامہ نے کھسیا کر اس کی گردن پکڑتے ہوئے کہا۔

”اگر میری جگہ اس وقت تم ہوتے تو تم کیا کرتے؟“

”اپنی ایسی قسمت کہاں؟“ شہزاد نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا اور جبار ہنسنے لگا۔ پھر اُسامہ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

”اُسامہ! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اُس کی بکواس کرنے کی عادت ہے۔ پھر بھی خفا ہوتے ہو۔ یہ بتاؤ یہاں کس لئے بلایا ہے؟“

”جبار! اب دیر کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔“

”وضاحت بھی تو کرو بیارے۔“ جبار نے کہا۔

”دیکھو، کل جب میں جمال کے ساتھ ہوٹل جانے کے لئے اُس کے آفس سے باہر آؤں گا تو تم یا شہزاد میں سے کوئی ایک گاڑی کے سامنے آجائے۔“

”اور پھر پیرتو اور گھر بیٹھ جائے۔“ شہزاد نے طنز یہ لہجے میں کہا۔ ”یار! شپ تو نہ جانے کب غرق ہو گا تم پہلے ہی ہمیں تباہ کرنے کے منصوبے بنانے لگے ہو۔ آخر کب کی چھپی دشمنی نکالنے کا ارادہ ہے کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے۔“

”فضول بکواس کرنے سے پہلے اگر پوری بات سن لیتے تو بہتر تھا۔“ اُسامہ نے دانت پیتے ہوئے کہا۔

”چلو، کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔۔۔ اب سنا دو۔“ شہزاد نے لاپرواہی سے شانے جھٹکے۔

”دیکھو، میرا پروگرام یہ ہے کہ کل میں اُس کی گاڑی ڈرائیو کروں گا۔۔۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی بات کرنے میں ہی اُس کو ہوٹل لے جاؤں گا۔“

”کون سی بات؟“ شہزاد نے بے ساختہ پوچھا۔

”تم جاؤ جنہم میں۔۔۔۔۔ اور سنو جبار! گاڑی کے سامنے تم آؤ گے اور میں دروازہ کھول کر تم سے معذرت کروں گا اور میری شکل دیکھتے ہی تم کہو گے۔“ صاحب جی آپ۔۔۔“

”شکل دیکھی ہے صاحب جی نے اپنی۔“ شہزاد نے ہنستے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ جبار بھی بے ساختہ ہنس پڑا۔

”اچھی بات ہے۔۔۔۔۔ اُسامہ نے اٹھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ ”اب مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ میں اکیلا ہی سب کچھ کروں گا۔“ اُسے سخت ٹیش آ گیا تھا۔

”دیکھ رہے ہو اس کی حرکتیں اور سن رہے ہو اس کی باتیں؟“ شہزاد نے آنکھیں نکال کر اُسے دیکھتے ہوئے جبار سے کہا۔

”جو دل چاہے سمجھو۔ اب مجھے پروا نہیں۔“ وہ ایک جھٹکے سے مُڑا۔

”اُوئے یہ آکر کس کو دکھاتے ہو؟ تم اکیلے ہو اور ہم دو ہیں۔۔۔۔۔ ابھی زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ جائیں گے۔“

”کیا مطلب؟“ اُسامہ نے پاس سے گزرتے ہوئے کچھ لوگوں کو دیکھ کر کہا۔ شہزاد نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر پھر بٹھالیا اور وہ بھی یہ سوچ کر بیٹھ گیا کہ شہزاد جو کہہ رہا ہے کبھی گزرے گا۔ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لانا تھا۔

”ہاں، اب بتاؤ۔۔۔۔۔ گاڑی کے سامنے کس وقت آنا ہے۔ میں آجاؤں گا۔۔۔۔۔ تم صرف وقت صحیح صحیح بتاؤ تا کہ مجھے انتظار نہ کرنا پڑے۔ باقی سب میں خود کروں گا۔“

”ٹھیک چار بجے کے قریب میں اُس جگہ پہنچ جاؤں گا۔ وقت کچھ کم یا زیادہ ہو سکتا ہے۔ مگر وقت بہر حال چار بجے کے اندر یا باہر ہی ہو گا۔“ اُسامہ نے کہا اور پھر جبار کو اپنا دوسرا پرگرام بتاتے ہوئے بولا۔ ”تم مجھے ہوٹل میں ملو گے۔“

”او۔۔۔۔۔ کے۔“ جبار نے مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی اور وہ خود ہی اُسے اپنی ساری اسکیم بتانے لگا۔ اسکیم سمجھا کر وہ وہاں سے اُٹھا اور پھر سیدھا گھر چلا آیا۔

گھر والے کو یا پہلے ہی اُس کے منتظر بیٹھے تھے۔ اُسے دیکھتے ہی بھائی جان نے کہا۔

”اُسامہ! کہاں مارے مارے پھرتے ہو۔۔۔۔۔ سارا دن تمہاری شکل ہی نظر نمی آتی۔ پہلے تو چھینوں میں کبھی کبھی آفس آ جاتے تھے۔ اب گھر پر بھی نہیں رہتے۔“

”وہ بھائی جان! ایک بہت ضروری کام آن پڑا ہے۔ ورنہ آپ کو معلوم ہے میں بغیر ضرورت گھر سے کبھی باہر نہیں نکلا۔“ اُسامہ نے ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

”سنو۔۔۔۔۔ اب ضروری کام بھول جاؤ اور شادی کے لئے تیار ہو جاؤ۔“ بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”شاد۔۔۔۔۔ شادی۔۔۔۔۔؟“ اُسامہ نے بوکھلا کر بھائی کو دیکھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ تمہاری شادی۔“ بھائی جان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”مگر کہاں؟“ اُسامہ نے پریشانی سے کہا۔

”وہاں جہاں تمہیں بھیجا تھا۔“ ماں نے بیارے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کہاں بھیجا تھا آپ نے مجھے؟“ اُسامہ نے مدد کے لئے بھابی کو دیکھا کہ اُسے تو اس وقت کچھ بھی یاد نہیں تھا۔

”لاہور گئے نہیں تھے؟“ بھابی نے ہنس کر اُسے دیکھا۔ ”واہ۔۔۔۔۔ اتنی جلدی بھول گئے۔“

”تو۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔“ اُسامہ نے بوکھلا کر بھائی کو دیکھا، پھر کہا۔ ”تو کیا آپ نے مجھے وہاں رشتے کے لئے بھیجا تھا؟ اگر یہ بات تھی تو پہلے کیوں نہ بتائی مجھے؟“

”پہلے بتانے سے کیا ہوتا۔۔۔۔۔ اب جو بتا دی ہے۔ اُن لوگوں نے تمہیں پسند بھی کر لیا ہے۔“ ماں نے بتایا۔

”کن لوگوں نے۔۔۔۔۔؟“ اُس نے وحشت زدہ لہجے میں پوچھا۔

”ارے تمہاری بھابی کے گھر والوں نے۔۔۔۔۔ اب وہ منگنی کی رسم ادا کرنے کراچی آرہے ہیں۔ اصل میں یہ اتفاق ہی تھا کہ وہ لوگ آتے تھے تو تم پہلے ہاسٹل میں ہوتے تھے، پھر شپ پر۔ اس لئے میں نے تمہیں وہاں بھیجا تھا کہ وہ تمہیں اچھی طرح دیکھ لیں۔ ویسے تو اُن کی بیٹی بھی اسی گھر میں رہتی ہے۔ وہ اس کے کہنے پر بھی ہاں کر سکتے تھے مگر میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا تھا۔ ظاہر ہے وہ بیٹی والے ہیں، تسلی کرنا اُن کا حق ہے۔“ ماں نے تفصیل سے بتایا۔

”لیکن امی جان! میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا۔“ اُسامہ نے تصور میں نزع کے معصوم چہرے کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ بے شک اُس نے نزع سے اظہار محبت نہیں کیا تھا تاہم اُس کے دل میں اب صرف اُس کا خیال تھا۔ اور یہ بھابی بھی کتنی چالاک ہیں۔ پہلے بتایا تک نہیں۔ وہ سوچ رہا تھا۔

”کیوں نہیں کرنا چاہتے؟“ ماں کی بجائے بھائی جان نے پوچھا۔

”بھائی جان! آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں ابھی ہمارے حالات پوری طرح درست نہیں ہوئے۔۔۔۔۔ ابھی آپ کے سر پر بہت سارا قرض ہے۔ اور پھر ابھی میری جاب کو بھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ اور ویسے بھی شادی کے لئے ایک عمر پڑی ہے۔ میں ابھی آزادی کے چند اور سانس لینا چاہتا ہوں۔“

”یہ ٹھیک ہے کہ مجھ پر ابھی کچھ قرض ہے۔۔۔۔۔ مگر اب جمال کی فرم کے ساتھ میرا جونیئر کنٹریکٹ ہوا ہے اس سے مجھے کافی پرافٹ کی امید ہے۔ اور پھر حالات کی فکر مت کرو۔ جب میری شادی ہوئی تھی تب حالات کیا تھے، تم اچھی طرح جانتے ہو۔ مگر میں نے ماں کی خواہش کو دیکھتے ہوئے شادی سے انکار نہیں کیا تھا اور اب تم بھی انکار نہیں کرو گے کہ آنے والا خود اپنی قسمت لے کر آتا ہے اور پھر تمہاری تو جاب ہے۔ تمہاری تنخواہ اب اگر میں اپنی مجبوری کی وجہ سے لیتا ہوں تو کل تمہاری خوشی کے لئے نہیں لوں گا۔ اور پھر شادی کی ایک عمر ہوتی ہے۔ وہ گزر جائے تو۔۔۔۔۔ مطلب تمہیں شادی کرنا ہوگی۔ میرے قرض کی فکر نہ کرو۔ یہ کاروباری سلسلے ساری عمر چلیں گے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنا فرض بھول جائیں۔“ بھائی جان نے پیار سے سمجھایا۔

”یہ کیا بات ہوئی بھلا۔۔۔۔۔ آپ نے اس گھر کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ اب مجھے بھی کچھ کرنے دیں۔ شادی پھر سہی۔“ اُسامہ اب اپنے دل کی بات تو بتانے سے رہا۔ ہاں، اگر وہ لوگ نزع کے لئے بات کرتے تو اُسامہ کو کوئی پس و پیش نہ ہوتی۔ مگر اب تو ناممکن سی بات تھی۔

”شادی ابھی ہوگی، پھر نہیں۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“ ماں نے اپنا روایتی حق استعمال کرتے ہوئے کہا تو اُسامہ اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ فی الحال مزید بحث فضول ہی تھی۔ البتہ بعد میں کوئی راستہ نکل آتا تو یہ الگ بات تھی۔

”کمال ہے۔۔۔۔۔ ابھی نزع سے کیا ہوا وعدہ میرے لئے کیا کم پریشانی تھا کہ گھر والوں نے ایک نئی پریشانی کھڑی کر دی ہے۔۔۔۔۔ اور وہ موصوفہ ہے بھی بھابی کی بہن۔ انکار سے بھابی الگ خفا ہوں گی۔ تو کیا ہاں کر دوں؟“ نہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نزع کو بھول جاؤں؟ میری زندگی میں اگر کوئی لڑکی آسکتی ہے تو صرف نزع۔

کاش یہ لوگ مجھے لاہور جانے سے پہلے اپنا پروگرام بتا دیتے تو میں بجائے خود لائق فائق بنا کر پیش کرنے کے کچھ اور روپ اختیار کرتا۔۔۔۔۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟

وہ بیچا مسلسل سوچ رہا تھا۔ مگر کوئی حل مجھ میں نہ آ رہا تھا۔ جب کہ کل اُس کے مشن کا اہم دن تھا۔

”یہ اہم کچھ نہیں جانتے۔۔۔ ایسا کرو کسی روز گھر پر آنا پھر میں تمہیں ساری کہانی سناؤں گا کہ کیسے میں اس خاندان میں شامل ہوا تھا۔“

”مگر تب تک میں کیا کروں؟“ اُسامہ نے بے قراری سے کہا۔

”اگر کچھ کر سکتے ہو تو کر لو۔۔۔ میری طرف سے پوری اجازت ہے۔“

اور پھر یہ طے پا گیا کہ وہ خود کچھ کرے۔ کیونکہ حور کے لئے بے تاب بھی تو وہ ہی ہو رہا تھا۔ ویسے جمال نے اُس سے کہہ دیا تھا کہنا کامی کے سوا اُس کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ حور جیسی لڑکیاں شوہر کے لئے سستی تک ہو جاتی ہیں۔

”خیر۔۔۔ خیر دیکھی جائے گی۔“ اُسامہ نے لاپرواہی سے کہا اور دل میں سوچا کہ وہ اُس کو ساری کہانی سنانا چاہتا ہے۔ یعنی اُس پر اُس کو اعتبار آگیا ہے۔ ویسے وہ بہت کچھ پہلے ہی باتوں باتوں میں اُسامہ کو بتا چکا تھا۔

کافی دیر بیٹھے وہ آفتاب کے مسئلے کا حل سوچتے رہے پھر اچانک اپنے کاندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے اُسامہ چونک پڑا۔۔۔ پلٹ کر دیکھا تو جبار کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ اس وقت جدید تراش کے بہترین سوٹ میں ملبوس بہت گریس فُل لگ رہا تھا۔

”تم یہاں؟“ جبار نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔۔۔ یہ میرے دوست ہیں جمال صاحب۔ ان سے بات چیت کرنی تھی اس لئے ہوٹل چلے آئے۔“

اُسامہ نے جمال کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ جبار نے جمال سے مصافحہ کیا تو اُسامہ نے کہا۔

”یار! بہت دنوں بعد نظر آئے ہو۔۔۔ کہاں رہتے ہو آج کل؟ آؤ بیٹھو، کھڑے کیوں ہو؟“ اُسامہ نے کرسی اُس کی جانب کھسکائی۔

”بیٹھے کا وقت نہیں ہے۔۔۔ دراصل میں ذرا جلدی میں ہوں۔ باتیں پھر کبھی سہی۔“ جبار نے کلائی پر بندھی گھڑی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”ایسی بھی کیا جلدی؟ بیٹھو۔“ اُسامہ نے پروگرام کے مطابق اُس کو بیٹھنے کی دعوت دی۔

”نہیں بھئی، شکر یہ۔۔۔ دراصل میری وائف کی طبیعت ذرا ٹھیک نہیں۔ مجھے اُسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے اس لئے معذرت۔ میں بیٹھ نہیں سکتا۔“ جبار نے فکر مندی سے کہا۔

جواب سن کر اُسامہ کا دماغ ماؤف ہو گیا۔ کمبخت کیسی بیوی اور کیسی بیماری۔۔۔ دل چاہا اٹھ کر دو چار ہاتھ جمادے کیسے کے مگر جمال کے سامنے ایسا نہیں کر سکتا تھا اس لئے ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

”کیا واقعی بھابی بیمار ہیں جبار؟“

”اور کیا یار! میں بکواس کر رہا ہوں؟“ جبار نے کچھ جھلا کر کہا جیسے واقعی بیوی کی بیماری سے پریشان ہو۔ پھر وہ فوراً چلا گیا اور اُسامہ دانت پیس کر رہ گیا یوں پروگرام خراب ہونے پر۔ اگر اس وقت جمال اُس کے سامنے نہ ہوتا تو وہیں اُس کی پٹائی کرتا۔ مگر مجبوری تھی۔ وہ بیضا دانت پیتار ہا اور بالآخر جمال سے ایک ضروری کام کا بہانہ کر کے اٹھ گیا کہ اب وہ مزید جمال کے ساتھ بھی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

اُسے جبار کی حرکت بری لگی تھی۔ یہ بھلا مذاق کا کون سا موقع تھا۔ وہ جلد اُس کے پاس پہنچنا چاہتا تھا مگر جمال نے بھی بڑی مشکل سے اجازت دی تھی۔

اُسامہ جب اُس مخصوص جگہ پر پہنچا جہاں ملنے کا پروگرام طے تھا تو وہاں بھی دو دو رنگ ان دونوں میں سے کوئی بھی نہ تھا۔

کافی دیر بیٹھا وہ اُن کا انتظار کرتا رہا اور آخر اُن دونوں کو برا بھلا کہتے ہوئے گھر چلا آیا۔

اب گھر آنے کو بھی جی نہیں چاہتا تھا۔ وہ سب اُس کی رضامندی کے بغیر ہی شادی کی یا منگنی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اُس کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ بیٹے کے کساتے ہی ماں کو شادی کا شوق کیوں چڑھ جاتا ہے؟ حالانکہ دنیا میں شادی کے علاوہ بہت سارے کام ہیں اگر انسان سوچتو۔

وہ دبے پاؤں گھر میں داخل ہوا اور جب اپنے کمرے میں پہنچا تو دروازے پر ہی رُک جانا پڑا۔ وہ دونوں شیطان یعنی جبار بدمعاش اور اُس کے کمرے میں موجود تھے اور بڑے آرام سے بیڈ پر لیٹے مطالعے میں مگن تھے گویا مطالعے سے بڑھ کر اس وقت کوئی اہم کام نہ تھا۔ اُن کو دیکھ کر اُس کا خون کھولنے لگا۔۔۔ کتنی ہی دیر وہ دروازے

میں کھڑا اُن دونوں کو گھورتا رہا مگر وہ یوں بنے رہے جیسے اُس کی آمد سے بے خبر ہوں۔ مارے غصے کے اُس نے تپائی کو ٹھوکر مار کر گر لیا اور اپنی موجودگی کا احساس دلایا اور وہ دونوں بھی چونک پڑنے کی اداکاری کرنے لگے اور اُسامہ دانت پیس کر رہ گیا۔

”ارے۔۔۔ تم کب آئے؟“ شہزاد نے دانت نکالتے ہوئے پوچھا۔

وہ جانتا تھا کہ وہ اُسے اندر داخل ہوتے ہی دیکھ چکے تھے۔ وہ شہزاد کی بات کا جواب دیے بغیر چپ چاپ بیٹھ کر بوٹ اتارنے لگا۔

”گلتا ہے بہت سخت ناراض ہے۔“ شہزاد نے خلاف معمول سنجیدہ لہجے میں کہا تو جواب میں جبار نے ہنس کر کہا۔

”بھئی بھابی سے ملاقات نہیں ہو سکی ہوگی۔ کیوں اُسامہ! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟“ اُس کے لہجے میں شرارت ہی شرارت تھی۔ اُسامہ سلگ اٹھا مگر چپ رہا۔

”کیا بات ہے یار۔۔۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟“ جبار نے پھر مسکرا کر پوچھا۔

اُسامہ نے پینٹ میں سے شرٹ نکالتے ہوئے اُن کو دیکھا پھر اٹھ کر ہاتھ میں چلا گیا۔ واپس آیا تو وہ دونوں مسکرا رہے تھے۔ وہ ان کی پرواہ کئے بغیر کرسی درپے کے قریب کھینچ کر بیٹھ گیا اور باہر لگی بوگن ویلیا کی ٹیل کے خوبصورت سفید پھولوں کو دیکھنے لگا۔

”ضروری نہیں کہ کسی بڑے ادیب کو ہی پڑھا جائے۔ کبھی کبھی نیا اور عام لکھنے والا بھی بہت اچھا لکھ دیتا ہے۔“ جبار نے جب دیکھا اُس نے کتاب مارنے پر بھی کوئی اثر نہیں لیا تو شہزاد سے کتاب کے بارے میں رائے زنی کرنے لگا۔

”بھئی شہزاد! یہ رضیہ بٹ نی نسل کو کیا پڑھانا چاہتی ہے؟“

”وہی جو نئی نسل خود پڑھنا چاہتی ہے۔“ شہزاد نے جواب دیا۔

”بکواس مت کرو یار! لکھنے والوں پر قوم کے سدھار کی کچھ ذمہ داری ہوتی ہے۔ مگر یہ لکھنے والے۔۔۔ ان کو عشقیہ کہانیوں کے سوا کچھ لکھنا ہی نہیں آتا۔ اور یہ رضیہ بٹ، اس نے تو وحشی اور اُسہ میں حد ہی کر دی ہے بے بشری کی۔“

”تم نے شاید بشری رحمان کا ’بیاسی‘ نہیں پڑھا۔“ شہزاد نے طنز یہ لہجے میں کہا۔

”اگر میں نے نہیں پڑھا تو تم نے کیسے پڑھا لیا جبکہ تمہیں پڑھنے سے کچھ زیادہ دلچسپی بھی نہیں۔“

وہ دونوں آپس میں یوں باتیں کر رہے تھے جیسے اس کی موجودگی کو بھول گئے ہوں اور اُس کو مارے غصے کے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

وہ دونوں بہت دیر تک آپس میں بے سرو پا باتیں کرتے رہے، پھر چپ ہو گئے۔ کچھ وقت خاموشی کی نظر ہوا پھر جبار اٹھ کر اس کے سامنے آیا۔ کچھ دیر کھڑا اُسے دیکھتا رہا، پھر بڑی معصومیت سے پوچھا۔

”کیا ہم لوگ چلے جائیں؟“

اُسامہ نے کوئی جواب نہ دیا تو شہزاد نے ہانک لگائی۔ ”آؤ بھئی۔۔۔ صاحب جی کا وقت ضائع مت کرو۔“ پھر وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے۔ اور جب اُسامہ کو یقین ہو گیا کہ وہ شیطان اب رُکنے والے نہیں تو اُس نے دانت چیتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا۔

”یہ خیر سے تم بیوی والے کب سے ہو گئے؟“

جبار جہاں تھا، وہیں رُک گیا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس کے قریب آیا اور اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مدغم لہجے میں پوچھا۔

”تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تمہارا یہ سارا غصہ اس لئے ہے کہ میں بیوی والا ہو گیا اور تو ابھی تک کنوارا ہے۔“

”بکواس مت کرو۔۔۔“ وہ حلق پھاڑ کر چیخا اور شہزاد وقفہ لگاتے ہوئے بولا۔

”ہائیں، ہائیں۔۔۔ وہ محبوب والا ہو گیا اور تم بیوی والے۔ تو کیا میں بیوہ والا بھی نہیں ہو سکتا؟ ارے باپ رے، میرا مطلب ہے۔۔۔“ وہ اپنی عادت کے مطابق کھی، کھی کرنے لگا۔

”چلو یار انداق ختم۔“ جبار نے اُسامہ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

”دیکھو بھئی، تم جمال کے ساتھ ہوٹل آئے تھے تو میں تو اُس کو دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ تو شکل سے ہی بڑا غبیث شیطان نظر آتا ہے۔ اسے دیکھ کر میں نے اپنا پروگرام بدل دیا کہ کہیں اُس کو شک نہ ہو جائے کہ آج ہی پہلے شہزاد ملا اور بعد میں، میں مل گیا۔ آخر یہ اتفاق ایک ہی دن اور تمہاری موجودگی میں ہی کیوں ہوا؟“ وہ اتنا کہہ کر کچھ سوچنے لگا۔

”رُک کیوں گئے۔۔۔ آگے بکواس؟“ اُسامہ نے تلخی سے کہا۔

”آگے کا پروگرام بتانے سے پہلے یہ سننا چاہتا ہوں کہ جمال نے شہزاد کے بارے میں کیا کہا؟“ اور اُسامہ کو غصہ ختم کر کے بتانا پڑا۔

”میں نے تو سوچا تھا اُس کے آفس میں شہزاد کے لئے جا ب حاصل کروں گا۔ مگر لگتا ہے قسمت کچھ زیادہ ہی مہربان ہے۔ اُس نے آفتاب کی دیکھ بھال کے لئے شہزاد کا انتخاب کیا ہے۔“

”ویری گنڈ۔۔۔ تو اب میرا پروگرام سنو۔“ شہزاد کے جوائن کرنے کے چند روز بعد تم جمال سے میرا ذکر ان الفاظ میں کرو گے کہ جمال صاحب آپ نے اُس دن میرے دوست جبار کو دیکھا تھا۔۔۔ بے چارے کی بیوی سخت بیمار ہے اور گھر میں علاج کے لئے ایک پیسہ تک نہیں۔ دن رات جا ب کے لئے مارا مارا پھرتا ہے۔ اگر آپ کے یہاں کوئی جگہ خالی ہو تو پلیز اُس کو۔۔۔“

”ارے واہ۔۔۔ اُسامہ اچھل کر بیٹھے ہوئے بولا۔“ آخر یہ خیال میرے دماغ میں کیوں نہ آیا؟“

”دماغ ہوتا تو آتا۔“ شہزاد پھر شرارت میں آگیا جبکہ جبار سنجیدگی سے کہنے لگا۔

”اب سمجھ میں آئی بات پارا، وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ تم اگر آفتاب کی جان اور نرزخ کی عزت بچانا چاہتے ہو تو تمہیں ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہوگا۔ کسی بھی کام میں بخلت نہیں کرو گے ورنہ سارا بتا بنا بنا کھیل بگڑ جائے گا۔ میں ابن صفی کو پڑھتا رہا ہوں۔ مجھے مجرموں کی نفسیات کا اچھی طرح علم ہے۔ اب میں چلتا ہوں اور اُس وقت تک خدا حافظ جب تک تم میری جا ب کا انتظام نہیں کرتے۔ لیکن یہ سب کرتے ہوئے بھی یہ خیال رکھنا کہ دو ماہ بعد ہمیں شپ پرواہس جانا ہے۔ اوکے۔“ وہ دروازے کی طرف بڑھتا اُسامہ ذہن میں آئے ہوئے پریشان کن خیال کے تحت لپک کر جبار کا بازو پکڑتے ہوئے بولا۔

”پارڈرائز کو۔“

”کیوں۔۔۔ اب کیا ہوا؟“ جبار نے پوچھا۔ جب کہ شہزاد وہیں دروازے میں کھڑا اُس کو گھورتا رہا۔

”وہی راکھ والے میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔“

”واقعی؟“ شہزاد نے چپک کر پوچھا۔ مگر جبار نے سنجیدگی سے کہا۔

”اُسامہ! فی الحال اس پروگرام کو ملتوی رکھو۔۔۔ جمال تمہیں نرزخ کے ساتھ شادی تو کیا اُسے نظر بھر کر دیکھنے کی بھی اجازت نہ دے گا اور پھر تم نرزخ کے حقدار صرف آفتاب کی جان بچا کر ہی بن سکتے ہو۔ گھر والوں سے کہہ دو کہ تم ابھی شادی کرنا نہیں چاہتے۔ فی الحال یہی تمہارے حق میں بہتر بھی ہے۔“

”پارا تم نے پوری بات سنے بغیر ہی مجھے لپکھردے دیا ہے۔“ اُسامہ نے جھلا کر کہا۔

”پھر؟“ جبار نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

”بھابی اپنی بہن سے میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔“

”خبردار۔۔۔“ شہزاد نے مصنوعی غصے سے کہا۔ ”شادی تم صرف میری بہن سے کرو گے۔ ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔“

”تمہاری بہن؟“ اُسامہ اور جبار نے بیک وقت پوچھا۔

”ہاں، میری بہن۔“ شہزاد نے شرمندہ ہونے کی اداکاری کی پھر حلق پھاڑ کر چلا یا۔ ”بے ڈوٹو! کیا میں نے تم دونوں کے سامنے نرزخ کو بہن نہیں کہا تھا؟“

اُس کی بات سن کر اُسامہ اور جبار کی ہنسی نکل گئی جبکہ وہ لا پرواہی سے دروازے سے باہر دیکھنے لگا۔ تب اُسامہ نے اُس کو اور جبار کو پوری بات بتا دی۔

”پارا تم کیوں ہماری چھشیاں غارت کرنے پر تامل گئے ہو۔۔۔ تمہارا ایک مسئلہ ابھی ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔“ شہزاد نے اُسے گھورتے ہوئے کہا اور جبار مسکرانے لگا۔

”تم مسکرا رہے ہو؟“ وہ شکایتی انداز میں جبار سے مخاطب ہوا۔

”واقعی، بات تو رونے کی ہے۔“ جبار غصہ دیکھنے کے لئے لگا اور شہزاد نے کہا۔

”چلو جبار! ہماری چھشیاں تو یہ غارت کر ہی چکا ہے۔ اب اس نئے مسئلے کا حل بھی ہمیں ہی سوچنا ہے۔“

”مگر اس کا حل ہو گا کیا؟“

”اتنی جلدی کیا ہے۔۔۔ گھر جا کر اطمینان سے سوچیں گے۔“ جبار نے کہا اور پھر اُسامہ کے روکنے کے باوجود وہ دونوں اُسے خدا حافظ کہہ کر چلے گئے اور وہ بھابی کی آواز سن کر کھانے کی میز پر آیا تو وہاں صرف بھائی جان، بھابی اور امی تھیں۔ بچے غائب تھے۔ اُس نے بیٹھے ہوئے پوچھا۔

”بھابی! بچے کہاں ہیں؟“

”ابن کو میں نے پہلے کھلا کر سلا دیا۔ کیونکہ شہزاد اور جبار نے کہا تھا وہ دونوں ہمارے ساتھ کھائیں گے۔“ بھابی نے بتایا تو اُسے دکھ ہوا کہ وہ اُس کا نیا مسئلہ سن کر فوراً چلے گئے تھے۔ اُس نے چند نوالے زہر مار کئے، پھر بھابی اور امی کی باتوں سے بچنے کے لئے جلدی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور آنے والے کل کے بارے میں سوچنے لگا جب اُسے شہزاد کو لے کر جمال کے پاس نرزخ کے گھر جانا تھا اور پھر جمال نے اپنی کہانی سنانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ وہ کہانی کیا ہوگی؟ سوچتے سوچتے نیند کی گہری وادی میں اتر گیا۔

صبح دس بجے کے قریب وہ شہزاد کے پاس آیا تو ملازم نے بتایا وہ ابھی تک سو رہے ہیں۔ اُسامہ اُس کے کمرے کی طرف بڑھتا اپنے کمرے سے باہر آتی بیگم اشرف سے ملاقات ہو گئی۔ اُسامہ نے سلام کیا تو بیگم اشرف نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”ارے لڑکوا! یہ کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو۔۔۔ سارا وقت بھاگے بھاگے پھرتے ہو۔ ہمارے پاس بیٹھے کا وقت نہیں رہا کیا تم لوگوں کے پاس؟“ اب دیکھو، شہزاد سارا دن تو خیر گھر سے باہر رہتا ہے، اب رات کو بھی دیر سے آنا شروع کر دیا ہے۔“

”سوری آئی! اصل میں مجھے تو خود شہزاد نہیں ملتا۔ اسی لئے تو آیا ہوں۔“ اُسامہ نے دل ہی دل میں خود پر لعنت بھیجتے ہوئے جھوٹ بولا۔ اور کہتا بھی تو کیا۔

”تم سے بھی نہیں ملتا تو سارا وقت رہتا کہاں ہے؟“ انہوں نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”چھوڑیے آئی! ان باتوں کو۔ آپ سنائیں، کیا حال ہے؟“ اگلے کیسے ہیں؟“ اُسامہ نے موضوع بدلنے کے لئے کہا۔

”سب ٹھیک ہے۔ اور اب تم بھی تو نہیں آتے۔ ورنہ پہلے ہر دوسرے تیسرے دن آ جاتے تھے۔ اب کیا ہوا؟“

”جی وہ بھائی جان کے ساتھ آفس جاتا ہوں۔“ اُسامہ نے دوسرا جھوٹ بولا کہ شہزاد کی می کسی طرح مطمئن نہ ہو رہی تھیں۔

”تم بھائی کے ساتھ آفس جاتے ہو۔۔۔ بیٹو بڑی خوشی کی بات ہے۔ ذرا شہزاد کو بھی سمجھانا، اُس کے بابا بہت چاہتے ہیں کہ وہ اُن کا ہاتھ بٹائے۔ مگر وہ سنتا ہی نہیں۔“

”جی، میں کوشش کروں گا۔“ اُسامہ نے جواب دیا اور سوچا یہ میں کس مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ اچانک شہزاد نے اُس کی مشکل آسان کر دی۔

”مئی! ناشتہ۔“ وہ تھوڑے فاصلے پر کھڑا کہہ رہا تھا۔

”اوہ اچھا، میں کہتی ہوں ملازمہ سے۔“ وہ چلی گئیں تو شہزاد، اُسامہ کے قریب آیا۔ پھر سر سے لے کر پاؤں تک اُسے دیکھا اور دانت پیستے ہوئے بولا۔

”ہوں۔۔۔ تم بھائی جان کے آفس جاتے ہو اور میں آوارگی کرتا ہوں۔ یہی مطلب تھا تمہارا؟“ وہ گھونسا تان کر اُس پر چھٹا۔

”ارے، ارے۔۔۔ سنو تو سہی۔۔۔ پھر اور کیا کہتا؟“ اُسامہ نے پوچھا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”کوئی ماروا اس مسئلے کو۔۔۔ وہاں جمال ناراض ہو رہا ہوگا۔ چلو جلدی سے کپڑے نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

”ابھی می آتی ہیں تو پوچھتا ہوں۔“ شہزاد نے کہا۔

”ارے یہ غصہ نہ کرنا۔“ اُسامہ نے بوکھلا کر کہا پھر اُس کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔ ”اتنی دیر تک سونے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے گیارہ بجے کا جمال کو نام دے رکھا ہے۔“

”رات دیر سے سوئے تھے۔“ شہزاد نے دوبارہ بستر پر لیٹتے ہوئے جواب دیا۔

”دیر تک کیا کرتے رہے تھے جبکہ تمہیں معلوم تھا آج۔۔۔“

”دیر تک تمہارے نئے مسئلے کے بارے میں سوچتے رہے تھے۔“

”اوہ، ہاں۔۔۔ کیا بتا اُس کا؟“ اُسامہ نے پوچھا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”کوئی ماروا اس مسئلے کو۔۔۔ وہاں جمال ناراض ہو رہا ہوگا۔ چلو جلدی سے کپڑے بدلوا اور میرے ساتھ چلو۔“

شہزاد نے کوئی جواب نہ دیا، لباس اٹھایا اور باتھ روم سے ملحقہ ڈریسنگ روم میں چل گیا اور جب باہر آیا تو اُسامہ نے ایک نظر اُس کے لباس پر ڈالی پھر کہا۔

”یہ سوٹ بہن کر جاؤ گے تم جمال کے پاس؟“

”پھر اور کون سے پہنوں؟“ شہزاد نے ناشتے والی ٹرے اپنی طرف کرتے ہوئے کہا جو اُس کی غیر موجودگی میں آچکا تھا۔

”پارا! اُس دن والا لباس پہنو۔ وہ کہاں رکھا ہے؟“

”رکھنا تو کہیں ہے۔ مگر پارا! شلوار تھیں پہننے میں کیا حرج ہے؟ یہ لباس تو سب ہی پہننے ہیں۔“ شہزاد نے ناشتہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ اُس نے اُسامہ کو رسمی دعوت بھی نہ دی تھی ناشتہ کرنے کی۔

”اگر حرج نہیں تھا تو اُس دن جمال کے سامنے اُس لباس میں کیوں آئے تھے؟ اب اُٹھو اور وہی لباس پہنو۔“

”پارہتم کرو۔۔۔ یہاں ممانے دیکھ لیا تو پھر؟“

”تو پھر ساتھ لے لو۔ راستے میں کسی.....“

”ارے چلو بابا! وہ لباس میں نے مالی بابا کے پاس رکھوایا تھا۔ وہاں سے لیتے ہوئے باہر نکل جائیں گے۔“ پھر وہ دونوں سرفٹ کو اثر میں آئے اور کپڑے لے کر باہر چلے آئے۔

اُسامہ کو دیکھتے ہی چوکیدار نے اندر جانے کا کہتے ہوئے بتایا۔ ”صاحب بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“

اُسامہ ملازم کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آیا تو جمال بے زار سا بیٹھا تھا۔ اُسامہ کو دیکھتے ہی براسامندہ بتاتے ہوئے بولا۔

”کیا نام دیا تھا تم نے مجھے؟“

”سوری جمال صاحب! بس ذرا دیر ہوگئی۔“ اُسامہ نے معذرت کی۔

”تھوڑی دیر؟ پورا ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ ہو۔“

”سوری۔۔۔“ اُسامہ نے پھر کہا۔

”بیٹھو۔۔۔“ جمال نے اشارے سے کہا پھر شہزاد کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”سب سے پہلے تم اپنا حلیہ بدلو، تہ بند باندھ کر تمہیں یہاں کام کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا میں۔ اور بالوں میں تیل اتنا ڈالو جتنا بالوں میں رہے۔ بہہ کر منہ پر نہ آئے۔“ جمال نے ناکواری سے شہزاد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی، میں اُسامہ صاحب سے کپڑے مانگ لوں گا۔“ شہزاد نے سر جھکا کر کہا تو جمال بولا۔

”اُسامہ سے کیوں۔۔۔ آفتاب کے کچھ سوٹ میں حور سے کہہ دوں گا کہ تمہیں دے دے۔۔۔ آؤ، اب تمہیں آفتاب سے ملو اؤں۔“ پھر وہ دونوں کو ساتھ لے کر آفتاب کے کمرے میں آیا تو وہاں حور بھی موجود تھی۔ جمال کو دیکھتے ہی اُس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

”میری سچ میں نہیں آتا کہ یہ کیسی بیماری ہے جو نہ کم ہوتی ہے نہ بڑھتی ہے۔۔۔ پہلے دن سے ہی یہی حال دیکھ رہا ہوں۔“

”اس میں میرا کیا قصور ہے؟ یہ بیماری تو خود ڈاکٹر کی سچ میں نہیں آ رہی۔“ جمال نے خشک لہجے میں کہا۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر اس کو مزید یہاں رکھنے کا فائدہ؟۔۔۔ آخر یہ بزنس، جائیداد وغیرہ آفتاب کی ہی تو ہے۔ سنو، میں آفتاب کو علاج کے لئے باہر لے کر جانا چاہتی ہوں۔ تم اس ماہ کے اندر اندر سارے کاغذات وغیرہ تیار کرواؤ اور پوزہ بھی حاصل کرو۔“ حور نے حکم دینے والے لہجے میں کہا۔

”جی بہتر۔“ جمال نے آہستگی سے کہا، پھر شہزاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”یہ آفتاب کا نیا خدمت گار ہے۔۔۔ پہلے نے جواب دے دیا تھا۔“

حور نے ایک اُچھٹی نظر شہزاد پر ڈالی پھر باہر نکلتے ہوئے بولیں۔ ”جو جی میں آتا ہے کرو مگر جو میں نے کہا ہے اس پر بھی عمل کرنا۔ ایک ماہ کے اندر ساری تیاری مکمل ہونی چاہئے۔“ اور وہ باہر چلی گئی۔

”گندی گتیا۔“ جمال نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”بہت جلد تمہیں بھی دیکھ لوں گا۔“ وہ جو حور کے سامنے جی اچھا کہہ رہا تھا اب مارے غصے کے کھول رہا تھا۔ پھر اُس نے سخت لہجے میں شہزاد سے کہا۔

”میرا خیال ہے تمہیں تمہارے کام کے بارے میں بتانے کی ضرورت تو نہیں۔ یہ ہے آفتاب، جسے تم کو سنبھالنا ہے۔ اور کان کھول کر سن لو، تم صرف میرے ملازم ہو، حور کے نہیں۔ اس لئے وہ تم سے کچھ بھی پوچھے تم اپنی زبان بند رکھو گے۔ اُسامہ! وہ اچانک اُس کی طرف مڑا۔ ”تم ذرا اس کو اچھی طرح سمجھا دو۔۔۔ میں ذرا آفس ایک فون کروں، پھر باتیں کریں گے۔ وہیں ڈرائنگ روم میں آجانا۔“

”جی اچھا۔“ اُسامہ نے کہا اور جمال آخری نظر جس میں نہ جانے کیا کیا تھا، آفتاب پر ڈالتے ہوئے باہر نکل گیا۔ اُس کے جانے کے بعد شہزاد نے اُسامہ کو دیکھا اور اُسامہ نے اُس کو چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے تنبیہی لہجے میں کہا۔

”اکبر! جمال صاحب نے جو کچھ تم سے کہا ہے اس کا خیال رکھنا۔“ اور خود بھی کمرے سے باہر نکل آیا۔ حور کو ریڈور میں ٹہل رہی تھی۔ اُسامہ کے باہر آتے ہی وہ پھر آفتاب کے کمرے میں چلی گئی۔

اُسامہ ڈرائنگ روم میں آیا تو جمال فون پر کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔ اُسامہ کو دیکھتے ہی اُس نے ریسیور رکھا پھر کہا۔

”آؤ چلیں۔۔۔ یہاں تو کوئی بات نہیں ہو سکتی آج۔“

”کیوں۔۔۔ آج کچھ خاص بات ہوگئی؟“ اُسامہ نے اُس کے ساتھ باہر آتے ہوئے ہنس کر پوچھا۔

”خاص۔۔۔“ جمال نے غرا کر کہا۔ ”تم نے دیکھا نہیں وہ کتیا بھونک کیسے رہی تھی۔ مجھے حکم دے رہی تھی ذلیل عورت۔ میری پاور کو نہیں جانتی۔“ وہ رُکا، پھر گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ ”بیٹھو۔“

”اب کیا آفس چل رہے ہیں؟“ اُسامہ نے اُس کے برابر بیٹھے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔ تم نے دیکھا نہیں ہاں کیا بات ہو سکتی تھی اُس کتیا کی موجودگی میں۔“ جمال نے پھر دانت پیسے۔

”بہت خفا لگتے ہیں آپ حور سے؟“ اُسامہ نے پوچھا۔

”تم نے خود نہیں دیکھا وہ مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہی تھی۔۔۔ کچھ دنوں سے میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ مجھ پر شک کرنے لگی ہے جیسے میں ہی اُس کے شوہر کی بیماری کا ذمہ دار ہوں۔“

”تو کیا آپ نہیں ہیں؟“ اُسامہ نے حیرت سے پوچھا۔

”قطعاً نہیں۔“ جمال براسامندہ بتاتے ہوئے بولا۔ ”جو خود ہی مر رہا ہو اُس کو مارنے کی مجھے کیا ضرورت ہے؟“

”آپ کا مطلب ہے آفتاب کی یہ حالت اپنی ہی کسی بیماری کی وجہ سے ہے؟“ اُسامہ نے حیرت سے پوچھا۔

”کیوں، تمہیں بھی شک ہے؟“ جمال نے گھور کر اُسامہ کو دیکھا۔

”میرا مطلب یہ نہیں تھا۔۔۔ میں تو یہ پوچھنا چاہتا تھا آخر بیماری کیا ہے اُس کو جس نے اُس کی یہ حالت بنا دی ہے؟“

”اُس کی یہ بیماری تو خود ڈاکٹر تو کیا پروفیسر تک کی سچ میں نہیں آ رہی پھر میں تمہیں کیا بتاؤں۔“ جمال نے گاڑی روک دی۔ آفس آچکا تھا۔

پھر اپنے آفس میں آنے تک جمال تو چپ رہا جب کہ اُسامہ سوچ رہا تھا۔ ”ابھی تھوڑا عرصہ پہلے ہی تو جمال نے کہا تھا کہ ابھی میں آفتاب کو ختم نہیں کر سکتا کہ لوگ کہیں گے پہلے والدین چل بے اور اب بیٹا۔“

اُسامہ کی سچ میں نہیں آ رہا تھا کہ جمال اب یہ بات کیوں چھپانا چاہتا ہے کہ وہ آفتاب کو خود ختم کر رہا ہے۔۔۔ اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ جمال سچ کہہ رہا ہے تو پھر نزع سے زس سے کیوں کہا تھا کہ تمہارے بھائی کو جمال آہستہ آہستہ زہر دے کر ختم کر رہا ہے۔ دونوں میں سے کون سچا تھا؟ اوہ۔۔۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسے مجھ پر شک ہو گیا ہو اور اب وہ اس بات کو چھپانا چاہتا ہو۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر اُس کو مجھ پر شک ہوتا تو وہ کبھی شہزاد کو آفتاب کے خدمت گار کی حیثیت سے قبول نہ کرتا۔

”تم کس سوچ میں پڑ گئے ہو؟ بیٹھو۔“ جمال نے اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے اُسامہ سے کہا اور اُسامہ بدستور سوچ میں گم بیٹھ گیا۔ جمال نے بغور اُس کو دیکھا پھر پوچھا۔

”بہت گہری سوچ میں ہو۔۔۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیا سوچ رہے ہو تم؟“

”جی، میں سوچ رہا تھا ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی تو آپ نے کہا تھا کہ میں آفتاب کو اتنی جلدی ختم نہیں کر سکتا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ پہلے۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ بہت اچھی طرح یاد رہی تمہیں یہ بات۔“ جمال نے ہلکی سی ناکواری سے کہا۔

”خیر، اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔۔۔ بس آپ کی بات سے اتفاقاً یہ بات یاد آگئی مجھے۔“ اُسامہ نے اپنی صفائی پیش کی۔

جمال چند لمحوں اُس کو گھورنے والے انداز میں دیکھتا رہا، پھر طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

”کیا نام تھا اُس لڑکی کا جس نے تمہاری وجہ سے خودکشی کی تھی؟“

اُسامہ نے چونک کر جمال کی طرف دیکھا تو اُس نے کہا۔ ”اب یہی دیکھو، میرے پاس امبر کا وہ خط ہے جو تمہیں چھانی نہ سہی، کم از کم عمر قید تو کروا ہی سکتا ہے۔۔۔ مگر مجھے کبھی بھول کر بھی اس کا خیال نہیں آیا حالانکہ وہ آج بھی میرے پاس ہے۔“ جمال کے لہجے میں کمیٹنگی ہی کمیٹنگی تھی۔ کوکہ اُسامہ کے لئے اس خط کی کوئی اہمیت نہ

تھی کہ امبر تو زندہ تھی مگر جمال نے جس لہجے میں بات کی تھی اس نے اُسامہ کو چونکنے پر مجبور کر دیا تھا اور اُسامہ نہایت پریشانی سے سوچ رہا تھا۔

’آخر مجھے یہ بات کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟۔۔۔ جمال کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے میں کتنا گر گیا تھا۔ اور اب جب پہلا مرحلہ کامیابی سے طے ہونے والا تھا، میری ہی حماقت سے کہیں بگڑ نہ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو شہزاد اور جبار میری جان عذاب میں کر دیں گے۔‘

جمال جو غور اُس کا جائزہ لے رہا تھا، اُسامہ کو پریشان دیکھ کر اس نے سوچا شاید اس کی دھمکی سے ڈر گیا ہے اس لئے نرم لہجے میں بولا۔

’اب کیوں پریشان ہو رہے ہو۔۔۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا ہم یاروں کے یار ہیں۔ تمہارا یہ راز ہمیشہ میرے سینے میں رہے گا مگر تم نے مجھ پر شک کر کے کیا میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی؟‘

’سوری جمال صاحب! میرا مقصد یہ نہیں تھا۔۔۔ میں نے تو محض اتفاق سے وہ بات کی تھی جس کا آپ نے اتنا برامانا کہ امبر کے خط کی دھمکی بھی دے ڈالی۔‘ اُسامہ نے بھی شکوہ کیا۔

’خیر اب چھوڑو اس بات کو۔۔۔ یہ بتاؤ کیا ہو گے؟‘ جمال نے موڈ خوشگوار بناتے ہوئے پوچھا۔

’جی شکر یہ۔۔۔ اب تو مجھے اجازت دیں۔‘ اُسامہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

’بہت زیادہ ناراض ہو گئے ہو؟‘ جمال نے مسکرا کر پوچھا۔

’کیا نہیں ہونا چاہئے؟‘ اُسامہ نے بھی منہ پھلا کر جواب دیا۔

’سوری بھئی، مجھے معاف کر دو۔‘ جمال نے کہا۔ پھر انٹرکام پر سیکرٹری کو چائے کا کہتے ہوئے اُسامہ کی طرف دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد ہی چائے آگئی۔ سیکرٹری نے دونوں کو چائے بنا کر دی اور پھر چلی گئی۔ جمال نے چائے کا سہ لیا، پھر کہنے لگا۔

’اُسامہ! ایک تو تمہارے انتظار سے میرا موڈ آف ہو رہا تھا کہ میں وقت کا بہت پابند ہوں۔ اُس پر وہ کٹیا فالٹو کو اس کرنے لگی۔‘

’اب جانے دیجئے۔۔۔ اور مجھے بھی اجازت دیجئے۔‘ اُسامہ نے خالی کپ پرچ میں رکھتے ہوئے ایک بار پھر جانے کی اجازت چاہی۔

’ابھی تک ناراض ہو؟‘

’ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ دراصل اکبر نے کہا تھا میرے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسرے کے کپڑے نہیں پہنے گا۔ اب اُسے اپنے کچھ سوٹ دینے جاؤں گا۔‘ اُسامہ نے کہا۔ حالانکہ اٹھنا وہ اس لئے چاہ رہا تھا کہ کہیں کوئی مزید نا کو اربا بات نہ ہو جائے۔ جمال اُس کو روکنا چاہتا تھا مگر سیکرٹری کی طرف سے آنے والے فون کو سن کر بولا۔

’اوکے۔۔۔ پھر ایسا کرنا، رات کو میرے گھر آ جانا۔۔۔ پھر بات چیت کریں گے۔ اصل میں اب میں بھی مصروف ہو جاؤں گا کیونکہ ایک صاحب مجھ سے ملنے آ رہے ہیں۔‘

’جی بہتر۔‘ اُسامہ نے جلدی سے کہا اور باہر نکل آیا۔

شہزاد نے کہا تھا۔ ’میں کسی بیمار کے سوٹ استعمال نہیں کروں گا۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ تم گھر سے میرے ہی دو چار سوٹ اپنے نام سے لا دو۔‘ کیونکہ قدر و قامت ان تینوں دوستوں کا ایک سا تھا۔

وہاں چونکہ اُسامہ، جمال کے ساتھ جانے کی جلدی میں تھا اس لئے ’’اچھا‘‘ کہہ کر نکل آیا تھا۔ مگر اب سوچ رہا تھا کیا شہزاد کے گھر جانا مناسب ہوگا؟ اُس کی امی کے سوالوں کا جواب دینے سے بہتر ہے کہ بازار سے سوٹ لے لئے جائیں۔ یہ سوچتے ہوئے وہ سیدھا صدر آیا اور چند سوٹ خرید کر شہزاد کی طرف روانہ ہو گیا۔

ویسے اُسے حیرت تھی کہ آج نزع، جمال کے ساتھ نظر نہ آئی تھی۔ کوکہ اُس کا جمال کے ساتھ نظر نہ آنا ایک اچھی بات تھی کہ جمال کے ساتھ اُسے دیکھ کر اُسامہ کا خون کھولنے لگتا تھا مگر یہ جاننا بھی ضروری تھا کہ وہ کیوں نہیں آئی؟ کیونکہ اُسامہ تو آج یہ سوچ کر گھر سے نکلا تھا کہ بات چیت نہ سہی، نزع سے ملاقات تو ہوگی۔ وہ ایک نظر اُس کو دیکھ سکے گا۔ مگر نہ جانے کیوں جمال اُس کو ساتھ نہ لایا تھا۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ کہیں اُسامہ سے باتیں کرنے میں دقت نہ ہو یا پھر کہیں نزع وہ باتیں نہ سن لے

حالانکہ نزع سے وہ کمینہ انسان ڈرتا ہی کب تھا۔

اُسامہ کٹھی پہنچا اور گیٹ پر گاڑی روکتے ہوئے پیکٹ چوکیدار کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

’اے اکبر تک پہنچا دینا۔ وہ جو تمہارے صاحب کا نیا خدمت گار ہے۔‘ اُسامہ نے بات ختم کی ہی تھی کہ ایک دوسری کار اُس کے قریب آ کر رکی۔ اُسامہ نے دیکھا اور چونک پڑا۔ وہ نزع تھی۔ اپنی باجی کے ساتھ بیٹھی وہ بھی حیرت سے اُسامہ کو دیکھ رہی تھی۔ اُسامہ نے گاڑی سائیڈ پر کر کے انجن بند کیا اور وہ بھی باہر نکل آیا۔

نزع نے بھی باہر ہی گاڑی روک دی تھی اور اب باجی کے ساتھ چپ چاپ اُسامہ کے سامنے کھڑی تھی۔ اُسامہ نے اُس کی باجی کو سلام کیا تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

’تم یہاں کیسے۔۔۔ کیا جمال اندر ہے؟‘

’جمال صاحب تو اپنے آفس میں ہیں۔۔۔ میں دراصل ایک ضروری کام سے آیا تھا۔‘

’اوہ اچھا۔۔۔‘ کہتے ہوئے نزع کی آپ گیٹ پار کر گئیں اور جب نزع نے بھی جانے کے لئے قدم اٹھایا تو اُسامہ نے چونک کر کہا۔

’تم تو رکو۔ ذرا دیر کو ہی سہی۔‘

’جی۔۔۔‘ نزع اُس اُس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

اُسامہ نے ایک بیابھری نظر اُس پر ڈالی اور سوچا، کیا اس کو شہزاد کے بارے میں سب کچھ بتا دے؟۔۔۔ مگر اچانک ہی چوکیدار کی موجودگی کا خیال کر کے بولا۔

’نزع! کیا تم تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ چل سکتی ہو؟‘

’نہیں، اتنا وقت تو نہیں ہے میرے پاس۔ اصل میں آج جمال بھائی مجھے ساتھ لے کر نہیں گئے۔ وجہ نہ جانے کیا تھی۔ میں نے سوچا چلو آپ کے ساتھ جا کر بھائی جان کو ہی دیکھ لوں۔‘ نزع نے آہستہ سے بتایا جب کہ اُسامہ ایک ٹک اُس کے کولڈن چہرے پر نظر جمائے کھڑا تھا۔ بہت دنوں بعد اُسے دیکھا تھا اور دل بھر کر دیکھنا چاہتا تھا۔

’آپ کو کیا کہتا تھا؟‘ نزع نے پوچھا تو وہ چونک پڑا۔ پھر ہلکا سا مسکرا کر بولا۔

’یہی کہ میں تمہارے ہی سلسلے میں مسلسل کام کر رہا ہوں۔۔۔ تم کوئی فکر نہ کرنا۔‘

’مسلط؟‘ نزع نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا، پھر کہا۔ ’’مگر نتیجہ تو ابھی تک زیرو ہی ہے۔‘‘

’ہاں۔۔۔ ٹھیک کہا ہے تم نے نزع! کہ نتیجہ تو ابھی زیرو ہے۔ مگر ایسے کاموں میں نتیجہ ذرا دیر ہی سے آیا کرتا ہے۔ بہر حال تم اگر میرے ساتھ چلو تو میں تمہیں تفصیل سے بتا سکتا ہوں۔‘ اُسامہ نے اُس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

’آج تو نہیں، مگر جلد ہی۔ دراصل آج بھائی جان کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔‘ نزع نے کہا اور مزید کوئی بات کہے بغیر اندر چلی گئی۔ اُسامہ بھی کار میں آ بیٹھا۔ اب وہ جبار کے پاس جانا چاہتا تھا کہ شہزاد سے تو شادی والے مسئلے پر بات کرنے کا وقت ہی نہ ملا تھا اور وہ جانا چاہتا تھا کہ ان دونوں نے کیا حل نکالا تھا اس مسئلے کا۔

تیل پُوش کرنے کے بعد اُسامہ سائیڈ میں کھڑا ہو گیا۔ جبار کے گیٹ پر چوکیدار نہیں تھا کیونکہ اُس کے والد چوکیدار کو فیشن یا پھر عیاشی سمجھتے تھے۔ کچھ دیر بعد ہی گیٹ کی کھڑکی کھلی اور جبار کی چھوٹی بہن فرحیہ نے باہر جھانکتے ہوئے پوچھا۔

’کون ہے؟‘

’میں۔‘ اُسامہ مسکراتا ہوا سامنے چلا آیا، پھر پوچھا۔ ’’جبار ہے فرحیہ؟‘‘

’جی، اندر ہیں۔‘ فرحیہ نے بھی مسکرا کر کہا اور اُسامہ کو راستہ دینے کے لئے الگ ہٹ گئی۔

’تم کالج نہیں گئیں؟‘ اُسامہ نے اُس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

’آج مینا بازار ہے اس لئے نہیں گئی۔‘

’مینا بازار میں تو لوکیاں بڑے شوق سے جاتی ہیں۔‘ اُسامہ نے حیران ہو کر اُس کو دیکھا۔ ’’اور تم؟‘‘

’دراصل آج امی کی طبیعت ٹھیک نہیں اور آپ کو معلوم ہے ہمارے گھر میں کوئی نوکر بھی نہیں اس لئے۔‘ فرحیہ نے بچھے لہجے میں کہا۔

’اوہ، کیا ہوا آئی کو؟‘ اُسامہ نے پوچھنا اپنا فرض سمجھا۔

’بخار ہے تین دن سے۔‘ فرحیہ نے بتایا۔

’میں دیکھ لوں؟‘ اُسامہ نے پوچھا۔

’ابھی تو آرام کر رہی ہیں۔‘ وہ اُس کو جبار کے کمرے تک چھوڑ کر چلی گئی اور اُسامہ بغیر دستک دیئے اندر چلا آیا۔ جبار حسب معمول مطالعہ میں مصروف تھا مگر کسی کتاب کے نہیں بلکہ اخبار کا۔ شاید وہ بھی دیر سے سوکراٹھا تھا۔

”ہیلو۔۔۔۔۔“ اُسامہ نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

”اوہ تم۔۔۔۔۔ آؤ۔۔۔۔۔ آؤ۔۔۔۔۔“ جبار نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔“

”یار! ایک بیج رہا ہے اور تم ابھی تک بستر میں ہو۔۔۔۔۔ بڑے شرم کی بات ہے۔ اور پھر اگر تم گھر پر ہی تھے تو فریضہ کو بیٹا بازار جانے دیا ہوتا۔“

”بس ویسے ہی۔۔۔۔۔ کرنے کو چونکہ کوئی خاص کام نہیں اس لئے اب تک بستر میں ہوں۔ ہاں، تم سناؤ، شہزاد کو چھوڑ آئے؟ اور فریضہ اگر بیٹا بازار نہیں جائے گی تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔ ہاں پھر بتایا نہیں، تم چھوڑ آئے شہزاد کو؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ اور سیدھا اُدھر سے ہی آ رہا ہوں۔ سوچا تم سے معلوم کرنا جاؤں، شادی کا کیا کروں۔ شہزاد سے تو کچھ پوچھنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ وہ دیر تک سوتا رہا تھا۔“

”میرا اور شہزاد کا خیال ہے کہ ابھی تو لاہور فون کر دو کہ اُسامہ ذرا مصروف ہے اس لئے فی الحال وہ لوگ منگنی کے لئے نہ آئیں۔ یہ بات تم علی بھائی کی آواز میں کہو گے۔“

”اور گھر والوں سے کیا کہوں گا؟ ظاہر ہے وہ نہیں آئیں گے تو بھائی فون کر کے ان سے پوچھیں گی۔“

”یہ تو ہے۔ اسی لئے شہزاد کہتا تھا کچھ عرصہ کے لئے گھر کے فون کو خراب رہنا چاہئے۔“

”بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔۔۔۔۔ گھر کا فون خراب ہوگا تو وہ بھائی جان کے دفتر والے نمبر پر رنگ کر لیں گے۔“ اُسامہ نے جھلا کر کہا۔ ”کیا یہی حقائقہ باتیں رات دیر تک سوچتے رہے تھے؟“

”یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں۔ تاہم اگر یہ نہیں کر سکتے تو پھر شادی سے صاف انکار کر دو کہ فی الحال اور کوئی راستہ نظر ہی نہیں آتا۔“

”اگر میں یہ کر سکتا تو پھر تم سے مدد مانگنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟“ اُسامہ کھڑا ہو گیا۔

”ارے بیٹھو۔۔۔۔۔ کھڑے کیوں ہو گئے؟“

”چلتا ہوں۔ اب مجھے خود ہی کچھ سوچنا پڑے گا۔“

”اتنی جلدی کیا ہے۔۔۔۔۔ مجھے بتاؤ، اب شہزاد کا کیا پروگرام ہے؟“ جبار نے اُسامہ کا ہاتھ پکڑ کر پھر بٹھالیا۔

”کچھ خاص نہیں۔۔۔۔۔ آج کا دن تو وہ صرف حالات کا مشاہدہ کرے گا۔ پھر کل اپنا نام ٹیبل طے کرے گا اور فون پر مجھے یا تمہیں بتا دے گا۔ ویسے وہ بتا رہا تھا کہ اُس نے اپنے ابو کے دوست پروفیسر رحمان سے بات کر لی ہے۔۔۔۔۔ جب بھی شہزاد اُسے فون کرے گا وہ اسی وقت مریض کو دیکھنے چلے آئیں گے۔ باقی پھر ان کی رپورٹ آنے کے بعد طے کریں گے۔“

”ہوں۔۔۔۔۔ اور جمال نے جو تمہیں کہانی سنانے کا کہا تھا۔“ جبار کچھ بھی نہ بھولا تھا۔

”ارے وہ کہانی۔۔۔۔۔“ اُسامہ ہنس پڑا، پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔ ”آج جمال نے مجھے امیر کے خط کی دھمکی دی ہے۔“

”مطلب؟“ جبار نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

”یار! کہتا تھا امیر کا خط مجھے پھانسی نہ سی عمر قید کروا سکتا ہے۔“

”مگر کہا کیوں تھا، یہ تو بتاؤ۔“ جبار نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ اس پر اُسامہ نے تمام روداد سناتے ہوئے کہا۔

”یار! پتہ نہیں، یہ ڈرامہ ہے یا حقیقت مگر جو آج بہت سخت لہجے میں جمال سے علاج کے بارے میں باز پرس کر رہی تھی۔“

”ڈرامہ۔۔۔۔۔ پیارے صاف ڈرامہ۔ اگر وہ یہ بات تم سے چھپا گیا ہے کہ وہ آفتاب کو قسم نہیں کر رہا تو پھر یہ کیسے بتاتا کہ جو اُس کی ساتھی ہے۔“

”یار! یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو کچھ بھی نہ جانتی ہو۔“ اُسامہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

”وہ سب جانتی ہے۔۔۔۔۔ آفتاب اُس کا شوہر ہے۔ سارا وقت وہ گھر پر رہتی ہے۔ پھر نہ جانے کا کیا سوال ہے۔ خیر اور کیا بتایا جمال نے؟“

”بتایا تو کچھ خاص نہیں۔ میری بات پر اُس کا موڈ خراب ہو گیا اور پھر میں اجازت لے کر چلا آیا۔ ویسے رات کو بلایا ہے اُس نے۔“

”یہ تو پوچھا ہوتا کہ جمال رہنے والا کا ہے تا کہ اُس کے بارے میں تفصیل سے سب معلوم کیا جاسکے۔“ جبار نے کہا۔

”پوچھوں گا۔۔۔۔۔ ویسے یار آج تو میں ڈر ہی گیا کہ میری ہی ذرا سی غلطی سے سارے کئے پر پانی پھرنے والا ہے۔ مگر صد شکر بیچ گیا۔“

”اسی لئے کہتا ہوں ہر بات، ہر کام احتیاط سے کیا کرو۔“ پھر وہ دونوں آئینہ کا پروگرام میٹ کرنے لگے اور باتوں ہی باتوں میں اُن کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ چونکہ تو اس وقت جب فریضہ نے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔

کھانے کے بعد اُسامہ گھر جانے کی بجائے جبار کے کمرے میں آرام کے لئے لیٹ گیا تھا۔ گھر کا خیال آتے ہی غصہ سا آنے لگتا تھا اور اب یہاں لیٹ کر بھی وہ جمال کی بجائے بھابی کی بہن کا سوچ رہا تھا۔

بھابی اُس کی ماموں زاد تھیں اور اپنے گھر میں سب سے بڑی تھیں۔ اُن سے چھوٹا بھائی لیاقت تھا۔ لیاقت کے بعد دو چھوٹی بہنیں تھیں، شاہانہ اور ریحانہ۔ ایک کالج میں تھی اور دوسری یونیورسٹی میں۔ اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اُسامہ نے ابھی تک یہ بھی نہ پوچھا تھا کہ اُس کی منگنی کس کے ساتھ ہو رہی ہے۔ کیونکہ بھابی کے بعد سب سے چھوٹی ریحانہ ہی کچھ سلیجی لڑکی لگتی تھی۔ شاہانہ کا تو مزاج بھی شاہانہ تھا اور اب نمبر اُس کی شادی کا تھا۔

’اوہ، کہیں شاہانہ۔۔۔۔۔‘ اُسامہ گھبرا کر اٹھ گیا۔ مگر کیا فرق پڑتا ہے اگر شاہانہ کی بجائے ریحانہ بھی ہو کہ مجھے تو دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی شادی نہیں کرنا۔ مجھے تو۔۔۔۔۔ اچانک تصور میں نزع کا سنہری چہرہ آ گیا اور اس کو دیکھتے دیکھتے وہ نیند کی گہری وادیوں میں اتر گیا۔

آنکھ کھلی تو کمرے میں ملگیا اندھیرا چھرا رہا تھا۔ اُسامہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں وہ اکیلا ہی تھا۔ جبار شاید کھانے کے بعد کمرے میں آیا ہی نہ تھا۔ اُسامہ نے جلدی سے حلیہ ٹھیک کر کے جوتے پہنے اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ لان میں جبار کے والد اکیلے ہی بیٹھے تھے۔ اُسامہ نے سلام کرتے ہوئے جبار کا پوچھا تو پتہ چلا وہ گھر میں نہیں۔ یہ سنتے ہی اُسامہ نے جانے کی اجازت مانگی۔

”اتنی جلدی کیا ہے۔۔۔۔۔ بیٹھو، چائے پی کر جانا۔“ جبار کے والد نے کہا۔

”شکریہ! نکل! میں ویسے ہی بہت لیٹ ہو چکا ہوں۔ اب چلتا ہوں۔“ کہتے ہوئے وہ جلدی سے باہر نکل آیا۔ اب اس کا پروگرام گھر جانے کا تھا تا کہ فریضہ ہو کر جمال سے ملنے جاسکے۔

گھر سے باہر گاڑی روک کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا۔ کمرے میں جانے تک اُس کا کسی سے سامنا نہ ہوا۔ اُسامہ نے وارڈ روپ کھول کر لباس نکالا اور نہانے کے لئے ہاتھ روم میں چلا گیا۔ تیار ہو کر وہ کمرے سے باہر آیا۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ جمال اور شہزاد دونوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ نہ جانے شہزاد نے آج کیا کیا، کیا ہوگا اور جمال کا موڈ کیسا ہوگا؟

گاڑی جمال کے بنگلے کے باہر روک کر اُسامہ نیچے اتر اور چوکیدار کو اندر اطلاع کرنے کا کہا۔

”صاحب! اندر چلے جائیں۔“ کچھ دیر بعد چوکیدار نے واپس آ کر کہا۔ اُسامہ اندر چلا گیا۔ ابھی وہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ اچانک ساتھ کے کمرے کا دروازہ کھلا اور اگلے ہی لمحے نزع اُس کے سامنے تھی۔ اُسامہ کو دیکھتے ہی ہلکی سی مسکراہٹ اُس کے چہرے پر بکھر گئی۔

اُسامہ خوشگوار حیرت سے اُسے دیکھنے لگا اور سوچنے لگا اُس کے مسکرانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ خیر وہ جو کوئی بھی ہو، مسکرائی تو سہی۔

”جمال بانی تو گھر پر نہیں ہیں۔“ اُس کی مسکرائی آواز آئی۔

’بہت خوش نظر آرہی ہے۔۔۔۔۔ نہ جانے کیا بات ہے۔“ اُسامہ نے دل میں سوچا۔

”کھڑے کیوں ہیں۔۔۔۔۔ آئیے نا؟“ اُس نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا اور اُسامہ حیرت زدہ اس کے پیچھے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

”بیٹھے۔“ اُس نے اپنی مترنم آواز میں کہا۔

”جی شکریہ۔۔۔۔۔“ بیٹھے ہوئے اُسامہ نے نزع کو دیکھا۔ اُس کے چہرے پر ابھی تک مسکراہٹ تھی اور نورا اُسامہ کو دکھ رہی تھی اور اُسامہ نے پہلی بار اُس کو یوں مسکراتے دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج ضرور کوئی خاص بات ہی ہے جو نزع مسکرائی ہے۔ مگر وہ اس خاص وجہ کے بارے میں پوچھ نہیں سکتا تھا۔

”کیا پیچھے گا؟“ نزع نے بیٹھے ہوئے پوچھا۔

”جو تم پلا دو۔“ اُس کے اُسامہ نے بھی مسکرا کر کہا اور نزع اُٹھ گئی۔

اُس کے جانے کے بعد اُسامہ سوچنے لگا، نزع بہت خوش ہے اور جمال بھی گھر پہ نہیں۔ آفس تو بند ہو چکا ہوگا جب کہ آنے کا بھی اس نے مجھے خود کہا تھا اور نام کا وہ بہت پابند ہے۔ پھر اب تک آیا کیوں نہیں۔

”لیجئے۔۔۔۔۔“ نزع کی آواز سن کر وہ چونک پڑا۔ وہ اُس کے لئے ایک گلاس جوس لائی تھی۔

”تم نہیں چوگی؟“

”موڈ نہیں۔ آپ سنائیں، کیا کر رہے ہیں آج کل آپ؟“ وہ بڑے اعتماد سے بات کر رہی تھی اور اُسامہ کو حیرت ہو رہی تھی اُس کے رویے پر۔

”جمال صاحب کب تک آئیں گے؟“ اُسامہ نے نزع کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ پتہ نہیں۔ آپ کو نام دے رکھا تھا کیا انہوں نے؟“ نزع نے پوچھا۔

”ہاں۔ اسی لئے تو آیا ہوں۔“ اُسامہ نے خالی گلاس تپائی پر رکھ دیا۔

”بہت گہری دوستی ہو رہی ہے آپ کی اُن سے۔“

”کیا مطلب؟“ اُسامہ نے چونک کر اُس کو دیکھا۔ کیا وہ اُس پر شک کر رہی تھی؟ مگر نہیں، وہ تو مسکرا رہی تھی۔

”مطلب وہی ہے جو آپ سمجھتے ہیں۔“ نزع نے مسکرا کر کہا۔ اُسامہ نے شکوہ بھری نظروں سے اپنی محبت سے بے خبر اُس معصوم اور خوبصورت لڑکی کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

”تمہارے لئے تو نہ جانے میں نے کتنے برے اور بھلے کام کئے ہیں اور تم ہی شک کرنے لگی ہو۔ یہ تو بہت بری بات ہے نزع جی۔“

”کیا سوچ رہے ہیں؟“ نزع اُس کو چونکنے پر مجبور کر دیتی۔

”یہی کہ بہت خوش نظر آ رہی ہو اور.....“

”اور؟“ نزع نے بات کاٹ کر پوچھا۔

”اور یہ کہ.....“ اُسامہ کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی اور نزع کے چہرے سے مسکراہٹ یوں غائب ہوئی جیسے موت کا فرشتہ دیکھ لیا ہو۔

”میں چلتی ہوں۔“ اُس نے گھبرا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ ”سنئے، جمال بھائی سے یہ مت کہئے گا کہ میں یہاں آپ کے پاس بیٹھی تھی۔“ وہ دروازے سے باہر نکلتے ہوئے

رُک کر بولی اور پھر تیزی سے دروازہ بند کرتے ہوئے باہر چلی گئی اور اُسامہ حسرت بھری سانس لے کر رہ گیا کہ وہ اس کے لئے فی الحال کچھ نہ کر سکتا تھا۔ حالانکہ اُس کا

جی چاہ رہا تھا وہ پونی اُس کے سامنے بیٹھی مسکراتی رہے کہ اُس کا مسکرانا اُسامہ کو بہت اچھا لگ رہا تھا مگر۔

”ہیلو جیک مین!“ جمال نے اندر داخل ہوتے ہی مسکرا کر کہا۔

”ہیلو۔“ جواباً اُسامہ نے بھی مسکرا کر کہا۔

”کہو، کیسے وقت گزرا۔۔۔ کچھ معلوم ہوا کہ انتظار کرنا کتنا مشکل کام ہے۔“

”کو کیا آپ نے صبح کا بدلہ چکایا ہے۔“ اُسامہ نے ہنس کر کہا اور دل میں سوچا۔ ”مجھے تو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ کاش تم مزید لیٹ ہوتے۔“

”بدلہ۔۔۔ اچھا لفظ کہا ہے تم نے۔ ہاں، بدلہ ہی سمجھ لو۔ مگر یہ سب جان بوجھ کر ہرگز نہیں ہوا۔ بس ایک کام میں الجھ گیا اور پھر اکبر سے ملنے چلا گیا کہ اُس نے کیسے ڈیل

کیا آفتاب کو۔“

”اوہ۔۔۔ پھر کیا معلوم ہوا؟“ اُسامہ نے پوچھا۔

”بہت اچھا آدی ہے۔ اُس نے آج آفتاب کو غسل بھی کروایا ہے اور پہلے مساج بھی کیا تھا۔ حور بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اُسے بھی اکبر کا انتخاب اچھا لگا ہے اور اب میں

بھی مطمئن ہوں۔“

”چلیں۔۔۔ آپ کی کوئی بات اُس نے پسند تو کی۔“

”اُس کے پسند کرنے یا نہ کرنے سے مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔ مگر بس میں ابھی اس کو کچھ کہنا نہیں چاہتا۔“ جمال نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

اچانک ملازم نے کھاگ لگنے کی اطلاع دی اور جمال اٹھتے ہوئے بولا۔

”آؤ۔۔۔ پہلے کھانا کھاتے ہیں، پھر باتیں کریں گے۔“

اُسامہ بھی اٹھ گیا۔

کھانے کی میز پر نزع کی باجی، اُن کا بچہ اور نزع تھی۔ اُسامہ نے نزع کی باجی کو سلام کیا اور جمال کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کھانا خاموشی سے شروع ہوا اور خاموشی سے ہی ختم

ہو گیا۔ اس دوران اگر کسی نے بات کی تو وہ صرف جمال کا بیٹا تھا جو کھانا کھاتے کھاتے اچانک نزع سے نہ جانے کیا پوچھنے لگتا تھا۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی جمال نے نزع سے کہا، وہ چائے ڈرائنگ روم میں ہی بیٹیں گے۔ اس لئے وہیں دے جائے۔ اور اُسامہ کو ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

”اب سناؤ، کب آئے تھے؟“ جمال نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اُسامہ کو دیکھا اور پھر نزع کو دیکھنے لگا جو چائے لے کر خود آئی تھی۔ بات کئے بغیر اس نے دونوں کپ ان

کے سامنے رکھے اور اپنے کام سے فارغ ہو کر کسی رو بوٹ کی طرح چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

”تم نے دیکھا ہے نزع کے سنجیدہ چہرے کو؟“ اُس کے جاتے ہی جمال بولا۔

”جی۔۔۔“ اُسامہ نے چائے کا ہلکا سا پلٹے لیتے ہوئے کہا۔

”جب یہ مسکراتی تھی اُسامہ! تو ہر فنسے مسکرا نے لگتی تھی۔ مگر جب سے آفتاب بیمار ہوا ہے تب سے ایسی رُوکھی شکل بنائی ہے کہ.....“ جمال نے لہجے میں کہا۔

لئے ترس سا گیا ہوں۔“ جمال نے صوفے کی پشت سے سرٹکا دیا اور اُسامہ نے سوچا۔

’ذلیل انسان! تم نے خود اس کے چہرے کی مسکراہٹ نوچی ہے۔ اس کو ہر لمحہ ایک عذاب اور خوب میں مبتلا رکھتے ہو۔ ایک طرف وہ جوان اکلوتے بھائی کی زندگی کا

سوچ کر ڈکھی ہے تو دوسری طرف اپنی عزت کے لئے پریشان ہے۔“

”کاش بزع کا مسکرانا میرے بس میں ہوتا تو میں ہر لمحے اُس کو مسکرانے پر مجبور کرتا۔“ جمال حسرت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”آپ بڑی عجیب بات کر رہے ہیں۔۔۔ آپ کا ہر حکم وہ مانتی ہے تو یہ حکم بھی اُس کے ذمے لگا دیجئے کہ وہ ہر وقت مسکراتی رہا کرے۔“ اُسامہ نے نظریہ لہجے میں کہا۔

جمال نہ جانے کس خیال میں تھا۔ اُسامہ کے طنز کو محسوس نہ کر سکا، بوجھل لہجے میں بولا۔

”بہت کہتا ہوں مسکرایا کرو، خاص کر رات کو جب مجھے چائے دینے آتی ہے۔ مگر اُس پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا۔ زیادہ ڈانٹ کر کہتا ہوں تو اس کی خوبصورت آنکھوں سے

آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگتے ہیں۔۔۔ اُسے خود پر ضبط نہیں رہتا۔ روئے چلی جاتی ہے۔“

’عورت..... بے چاری مجبور عورت ظالم مرد کے سامنے رونے کے علاوہ کئی کیا سکتی ہے۔“ اُسامہ نے پھر دل میں سوچا۔ جمال سے کچھ نہ کہا۔ کچھ دیر سکوت رہا۔ پھر

اُسامہ نے ہی پوچھا۔

”جمال صاحب! آپ رہنے والے کہاں کے ہیں؟“

”اسی شہر کراچی کا پرانا باسی ہوں۔“ جمال نے زیادہ وضاحت ضروری نہ سمجھی۔

”آپ اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتے تھے۔“ اُسامہ نے بات جاری رکھتے ہوئے پوچھا کہ وہ جمال کے منہ سے مزید رومانی انداز میں نزع کے بارے میں کوئی بات

نہ سن سکتا تھا۔

”کیا بتاؤں، میں اس بھری دنیا میں بالکل اکیلا ہوں۔ نہ ماں، نہ بہن، نہ بھائی۔“ جمال کا لہجہ اندر دہ ہو گیا۔

”اور والد۔۔۔؟“ اُسامہ چائے سے فارغ ہو کر پوری طرح اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”والد۔۔۔ اُوہہ والد۔۔۔“ کہتے ہوئے جمال نے آنکھیں بند کر لیں اور اُس کے لب آہستہ آہستہ پلٹے لگے۔

’غلام محمد ایک سکول ٹیچر تھے۔ اُن کی صرف دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی رقیہ اور چھوٹی بشری۔ بیوی بہت عرصہ پہلے ساتھ چھوڑ گئی تھی مگر بیٹیوں کی وجہ سے غلام محمد نے شادی نہ

کی تھی۔ بڑی بیٹی میٹرک کرنے کے بعد باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سکول میں بچوں کو پڑھانے لگی تھی جبکہ چھوٹی ابھی پڑھ رہی تھی۔ رقیہ کو نوکری کرتے ابھی چند ماہ

ہی ہوئے تھے کہ بس اسٹاپ پر اُس کی ملاقات عباس نامی ایک شخص سے ہوئی جو رفتہ رفتہ دوستی اور پھر محبت میں بدل گئی۔ رقیہ نے شادی کے لئے بابا سے بات کی تو انہوں

نے صاف انکار کر دیا۔

”وہ شخص جس کو میں ٹھیک سے جانتا بھی نہیں اس کے ساتھ تمہاری شادی نہیں کر سکتا۔“

رقیہ کو بہت غصہ آیا، بولی۔

”بابا! سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے ہو کہ تم میری شادی کرنا ہی نہیں چاہتے کہ اب میری ہی کسائی سے گھر چلتا ہے اور اگر میں نے شادی کر لی تو آپ کو فاقوں کا ڈر ہو

گا۔ مگر میں آپ کو بتا دیتی ہوں کہ شادی کے بعد بھی میں آپ کا خیر چاہتی.....“

”رقیہ بیٹا! غلط بات مت کرو۔“ بابا نے بات کاٹ کر کہا۔

”غلط نہیں، صحیح بات کر رہی ہوں۔“ رقیہ نے زہر خند سے کہا۔

”دیکھو، تم اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔“

”کیوں بھئی۔۔۔ وقت کو کیا ہوا؟“ جمال نے دروازہ بند کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

”ابھی کچھ ہوا ہی نہیں۔“ کنیر نے غصے سے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

”تو اور کیا۔۔۔ اگر کچھ ہوا ہوتا تو نظر بھی تو آتا۔“ جمال نے اُس کے غصے سے لطف لیتے ہوئے کہا۔ غصے میں وہ اور بھی حسین لگ رہی تھی۔

”تمہیں معلوم ہے میں نوبے سو جاتی ہوں۔“ کنیر نے منہ بنا کر کہا۔

”پھر۔۔۔؟“ جمال نے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے مسکراہٹ دبا کر کہا۔ حالانکہ وہ اس کا مطلب اور اشارہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

”پھر یہ کہ میں نے تمہیں نان اور نہاری لانے کا کہا تھا۔“ کنیر کو آفر کھانا پڑا اور جمال نے ہنس کر کہا۔

”تو یہ کہنا کہ تم اب تک نان، نہاری کے لئے جاگے ہو اور ناراض مجھ سے ہو رہی ہو۔ یہ دیکھو، تمہارے لئے نان، نہاری لے کر آیا ہوں۔“ جمال نے جیکٹ کے اندر رکھا ہوا لفافہ اُس کی طرف بڑھایا تو کنیر کو غصہ آ گیا۔

”تم یہ سمجھتے ہو مجھے تمہارا نہیں صرف ان کا انتظار تھا۔۔۔ اب یہ تم ہی کھاؤ گے، میں نہیں۔“ پھر وہ آگے بڑھنے لگی تو جمال نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

”ارے بھئی میں تو مذاق کر رہا تھا۔۔۔ آج اگر میرے لئے جاگنا پڑ گیا تو کیا ہوا۔ آخر تم میری ہونے والی بیوی ہو۔“ جمال نے آخری بات اُسے خوش کرنے کے لئے کہی تھی مگر اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

”کچھ بھی کہہ لو مگر کھاؤ گے اسے خود ہی۔ میں کھانے والی نہیں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ پھر رُخے میں لگا کر میرے کمرے میں لے آنا۔ میں تب تک کپڑے بدل لوں۔“ لفافہ اس کے ہاتھ میں تھا کہ وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

کنیر نے دانت پیستے ہوئے کھانا رُخے میں لگایا۔ آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو اندر روکا اور رُخے پکڑ کر جمال کے کمرے میں آئی تو وہ لباس بدل کر بستر پر لیٹا تھا۔ اس کو دیکھتے ہی اٹھ بیٹھا۔ کنیر کھانا رکھ کر جانے لگی تو جمال نے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”یار اب تو غصہ تھوک دو۔“

”نہیں۔۔۔“ کنیر نے بشکل آنسو روکتے ہوئے سخت لہجے میں کہا تو جمال نے کھینچ کر اپنے قریب بٹھالیا اور نوالہ توڑ کر اس کے منہ میں ڈالتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”اب تو معاف کر دو۔۔۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔“ اور کنیر مسکرا دی۔ پھر دونوں نے مل کر کھانا کھایا اور باتیں کرتے رہے۔

اگلے روز بینک سے چھٹی کے بعد جمال نے سوچا کیوں نہ ایک نظر کل والی لڑکی کو دیکھتا چلوں۔ یہی سوچ کر اس نے پھول وغیرہ لئے۔ لیکن جب ہاسٹل پہنچا تو معلوم ہوا وہ رات ہی اپنے گھر چلی گئی تھی۔ جمال کو غم ہوا کہ اس نے خواہ مخواہ پھولوں پر پیسے ضائع کئے۔ وہ بے دلی سے مڑا تو نرس نے کہا۔

”سنئے۔۔۔ کیا آپ مسٹر جمال ہیں؟“

”جی ہاں۔“ جمال نے چونکتے ہوئے جواب دیا کہ بھلا نرس کو اس کا نام کیسے معلوم ہوا۔

”یہ لیجئے کارڈ۔۔۔ گل رُخ صاحبہ آپ کے لئے دے گئی تھیں اور کہا تھا فون ضرور کریں۔“ نرس نے کارڈ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

جمال نے خاموشی سے کارڈ لے کر جیب میں رکھا اور سوچا کارڈ دینے کا مطلب؟ ویسے یہ بات تو وہ رات ہی محسوس کر چکا تھا کہ لڑکی اس سے متاثر ہو چکی تھی۔ مگر وہ ایک ابھی اور بڑے گھر کی لڑکی تھی اس لئے جمال نے کچھ محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی اوقات اچھی طرح جانتا تھا۔ اس لڑکی کے بارے میں سوچتا ہوا آیا اور پھول کنیر کو دینے تو وہ پوچھنے لگی۔

”یہ کیوں لائے ہو؟“

”تمہارے لئے۔“ جمال نے محبت بھری نظر اس پر ڈالی۔

”مگر کیوں؟“ اس نے پھر پوچھا۔

”ارے بھئی کیوں کا کیا مطلب؟۔۔۔ ایک تو تم نے بیوی بننے سے پہلے ہی بیوی والی حرکتیں شروع کر دی ہیں۔“ جمال نے شرارت سے کہا اور پھر اصل واقعہ بھی بتا دیا تو کنیر نے کہا۔

”جان بچا دی، ٹھیک ہے۔ آج جانے کی کیا ضرورت تھی؟“ اُس کے لہجے میں شک تھا۔ وہی جو ہر عورت اپنے مرد پر کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔

”یار! مزاج پرسی کے لئے گیا تھا۔“ جمال نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے ناکواری سے کہا پھر خالد کی طرف بڑھ گیا۔

دل میں گل کا خیال ہونے کے باوجود وہ بہت دنوں تک اسے فون کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ پھر جانے کیسے ایک دن اس نے یہ ہمت کر لی اور یہ اتفاق ہی تھا کہ فون گل نے ریسیو کیا۔

”ہیلو۔۔۔“

جمال نے نمبر بتایا پھر کہا۔ ”مجھے گل رُخ صاحبہ سے بات کرنی ہے۔ پلیز ان کو بلا دیں۔“

”آپ کون ہیں؟“ پوچھا گیا۔

”جمال۔۔۔“ اُس نے نام بتایا تو دوسری طرف سے کہا گیا۔

”ارے وہی جمال جس نے میری جان بچائی تھی؟“

”آپ گل رُخ ہیں؟“ جمال سے چونکہ اس کی زیادہ بات نہ ہوئی تھی اس لئے وہ آواز نہ پہچان سکا اور پوچھ لیا۔

”جی۔۔۔ گل ہی بول رہی ہوں۔ یہ آپ نے اتنے دنوں بعد کیوں فون کیا ہے؟ میں تو سمجھتی تھی آپ کو میرا ایڈریس نہیں ملا شاید۔“

اس کی بے تابی دیکھ کر اور بات سن کر جمال کے اندر ایک عجیب سا احساس پھیل گیا۔ اس نے دل میں سوچا کیا وہ شکوہ کر رہی ہے؟۔۔۔ مگر ہمارے درمیان ایسا کون سا تعلق ہے؟

”کیا بات ہے۔۔۔ آپ چپ کیوں ہو گئے؟“ گل نے پوچھا۔

اصل میں گل ان لوگوں میں سے تھی جو زندگی کو انسانی انداز میں گزارتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات کا اثر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں جان اُس کی ہو جاتی ہے جو بچتا ہے۔ یعنی جان پر پہلا حق جان بچانے والے کا ہوتا ہے۔ دوسرے جمال کی شخصیت بھی اس کو بے حد پسند آتی تھی۔ پہلی نظر ہی آخری بن گئی تھی اور اُس نے جمال کے فون کا انتظار اسی دن سے ہی شروع کر دیا تھا۔

اور اب جمال وضاحت کر رہا تھا کہ چونکہ وہ اتنے دن مصروف رہا اس لئے چاہنے کے باوجود فون نہ کر سکا۔

”اچھا جانے دیجئے۔۔۔ یہ بتائیں آپ مل کہاں سکتے ہیں؟“ گل نے نہایت پیار سے پوچھا اور جمال نے بینک کا ایڈریس بتا دیا تو گل نے خدا حافظ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

رسیوررکھ کر جمال نے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ صاف کیا اور گل کے بارے میں سوچنے لگا۔ گل کا انداز، اس کی بات یہ بتانے کے لئے کیا کافی نہیں تھی کہ وہ ملنے کے لئے بے تاب ہے۔ مگر نہیں۔۔۔ وہ اپنی اوقات کا سوچنے لگا تو خیال آیا ہو سکتا ہے وہ امیر زادی مل کر اس کے احسان کا بدلہ دینا چاہتی ہو۔ اور یہ بدلہ کیا ہو سکتا ہے؟ اونہم چند سو روپے۔۔۔ ہاں، یہی ہو سکتا ہے۔ شاید خود ملنے آئے گی یا پھر کسی ملازم کے ہاتھ روپے بھجوا دے گی۔ یہ بڑے لوگ کسی کا احسان لینا پسند نہیں کرتے نا۔ مجھے فون ہی نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مگر اب تو ہو چکا تھا۔

’اونہم، کیا فرق پڑتا ہے۔ خود آئے یا کسی کے ہاتھ بھجوائے۔ البتہ فرق یہ ہوگا کہ میں انکار کرنے کی بجائے وہ روپے رکھ لوں گا۔ پھر پتہ چلے گا محترمہ کو۔ یہ لڑکیاں خود کو سمجھتی کیا ہیں؟‘

گھر آ کر بھی وہ گل ہی کا سوچتا رہا۔ مگر جب کنیر اُس کے کمرے میں آئی تو وہ سب کچھ بھول کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

رات کے کھانے کے بعد وہ سونے کی تیاری کر رہا تھا جب خالد اُس کے کمرے میں آئیں۔ جمال نے حیران ہو کر ان کو دیکھا۔ خالد نے بیٹھتے ہی بغیر کسی تمہید کے کہا۔

”جمال! اب کنیر میٹرک کر چکی ہے اور خیر سے تم بھی کمار ہے ہو اور اب میں چاہتی ہوں تم دونوں کے فرض سے فارغ ہو جاؤں تمہارا کیا خیال ہے؟“

جمال کے اندر بارہا ایک سرست پھیل گئی بلکہ چہرے سے بھی خوشی کا اظہار ہونے لگا۔ وہ تو بہت پہلے ہی ایسا چاہتا تھا اس وقت جب جا ب ملتی تھی۔ مگر تب خالد کہتی تھیں وہ میٹرک کر لے۔ اور اب وہ میٹرک کا امتحان دے چکی تھی اور جمال سوچتا تھا آخر خالد اب چپ کیوں ہیں؟ وہ اب کیوں نہیں شادی کا کہتیں؟

”اب تمہارا کیا خیال ہے؟“ خالد نے کہا تو وہ چونک پڑا۔

”میرے خیال کا کیا پوچھتی ہیں خالد! جیسے آپ کی مرضی۔ جو آپ مناسب سمجھیں۔ ہم تو حکم کے غلام ہیں۔“

خالد نے مسکرا کر اُسے دیکھا اور کہا۔ ”بیٹا! ڈھوم دھام میں کیا رکھا ہے۔۔۔ میرا خیال ہے اس جمعہ کو نکاح رکھ لیتے ہیں۔ آج ہفتہ ہے۔ یعنی آج سے چھ دن بعد۔“ وہ

گل نے اس کی بات پر خداحافظ کہا اور گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی جب کہ وہ حیرت میں گم بہت دیر تک وہاں کھڑا حیران ہوتا رہا۔ اور آخر جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو سر جھٹک کر بس اسٹاپ کی طرف چل دیا۔

دوسرے دن وہ پھر موجود تھی۔ چھٹی کے بعد جمال باہر آیا تو وہ اس کو دیکھ کر مسکرائی پھر دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

”آپ بھی کیا سوچیں گے، آج پھر بور کرنے آگئی ہے۔“

”آپ بھی کمال کرتی ہیں۔۔۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آج پھر میرا وقت بہت اچھا کئے گا۔“ جمال نے بیٹھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا تو گل مسکرا دی۔ پھر گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

”آپ نے میرے دل کی بات کی ہے۔ گل مجھے بھی وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا کہ اچھا وقت جلدی گزر جاتا ہے۔۔۔ جی چاہا آج پھر آپ سے مل لوں۔۔۔ آپ نے براتو نہیں مانا؟“

”ہرگز نہیں۔۔۔“ جمال نے یہ بات منہ سے ہی نہیں دل سے کہی تھی۔ پھر وہ وہیں آئے جہاں گل برگر اور کوک پی تھی۔ بہت دیر بیٹھے وہ باتیں کرتے رہے مگر صرف گل اور اس کے متعلقین کے متعلق۔ اپنے بارے میں جمال پھر نال گیا تھا۔ فی الحال وہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اپنے بارے میں کیا بتائے اور کیا نہ بتائے۔

جب وہ اٹھے تو گل نے پرس کھول کر بل کی رقم دینا چاہی تو جمال نے کہا۔

”اب یہ نہیں ہوگا۔۔۔ کل پینہیں کسی حیرت میں تھا کہ مجھے احساس نہ ہوا۔ شاید یہ آپ کی قربت کا اثر تھا۔“ اس نے ڈرتے ڈرتے یہ بات کہی تھی مگر گل کے چہرے پر شفق پھیل گئی۔

جمال نے بغور اس کے سرخ چہرے کو دیکھا پھر بل کی رقم ٹرے میں رکھ کر اس کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے کہا۔

”ہاں جی، اب کیا پروگرام ہے؟“

”اب۔۔۔“ گل مسکرائی۔ ”آپ کو ڈراپ کرتے ہوئے گھر چلوں گی۔“

”مجھے ڈراپ کرنے کا خیال مؤخر کر دیں کہ مجھے آج پھر یہاں کام ہے۔“

”اچھا۔۔۔“ وہ کچھ دیر سوچتی رہی، پھر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ”ایک بات کہوں، براتو نہیں ماننے گا؟“

”جی نہیں۔۔۔ فرمائیے۔“ جمال نے اپنائیت سے کہا۔

”کیا میں آپ سے ملنے کبھی بکھارا سکتی ہوں؟“

جمال نے چونک کر دیکھا اور شوخی سے کہا۔ ”کبھی بکھاری کیوں۔۔۔ آپ چاہیں تو روز ملنے آسکتی ہیں۔“

”اوہ، شکریہ۔۔۔“ کہتے ہوئے اس نے گاڑی آگے بڑھا دی جب کہ جمال آج پھر سوچتا رہ گیا۔

وہ گھر آیا تو خالد بیٹھی ہائے۔ ہائے کر رہی تھیں اور کنیر بیٹھی ان کے پاؤں دبا رہی تھی۔ جمال کو دیکھتے ہی اٹھ کر اندر بھاگ گئی۔

”کیا ہوا خالد؟“ جمال نے خالد کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”ارے بیٹا! کیا بتاؤں۔۔۔ آج شاپنگ کے لئے اس لڑکی کے ساتھ صبح دس بجے گھر سے گئی تھی۔ مغرب ہو رہی تھی جب پھر پھر کرواپس آئے۔ اور چیزیں اب بھی پوری نہیں خریدیں۔ حالانکہ سارا دن گائے کی طرح بازار میں پھرتی رہی ہے۔“

”ان کاموں میں تھکن تو ہو ہی جاتی ہے۔“ جمال نے بے دلی سے کہا اور اٹھ گیا۔

جمال کی یہ عادت تھی کہ باہر وہ چاہے کتنی ہی لڑکیوں سے ملتا مگر جب گھر آتا تو صرف کنیر یا درہتی باقی سب کو بھول جاتا۔ مگر آج اس کے دل و دماغ پر گل سوار تھی اور وہ گل کے رویے کو سمجھنے کی اور اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ حیران ہو کر سوچتا۔

’کیا ایسا تو نہیں کہ وہ واقعی مجھے پیار کرنے لگی ہے؟۔۔۔ آخر کی کیا ہے مجھ میں سوائے غریبی کے۔۔۔ خیر اس بات کو چھوڑو، سوچنے والی بات یہ ہے کہ اگر وہ واقعی مجھ سے محبت کرتی ہے تو مجھے کیا کرنا ہوگا ایسے حالات میں جب کہ پانچ دن بعد میری شادی ہے۔۔۔ اونہ، شادی ہے یا صرف خانہ پُری۔‘

پھر وہ سوچنے لگا اگر گل بخیدہ ہے تو پھر شادی کرنے کا اصل مزہ تو گل کے ساتھ ہے کہ قسمت روز روز تھوڑی مہربان ہوتی ہے۔

مگر وہ کھل کر کچھ کہتی بھی تو نہیں۔

ارے وہ لڑکی ہے، شرماتی ہوگی۔۔۔ یہ بات مجھے خود کرنی ہوگی۔ مجھے یقین ہے وہ یہ بات سن کر ناراض نہیں ہوگی۔ اور اگر ناراض ہو بھی گئی تو کیا فرق پڑتا ہے، پھر کنیر سے شادی کر لوں گا۔ اور اگر وہ ناراض نہ ہوئی تو۔۔۔

یہ بات سوچنے کی تھی۔۔۔ پھر مجھے کیا کرنا ہوگا؟ کیا پھر میں کنیر کو چھوڑ دوں گا؟ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ اچھا پہلے گل سے بات کر لوں، پھر بعد کی بعد دیکھی جائے گی۔ اس نے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

اسی وقت عروسی جوڑے کا دوپٹہ اوڑھے کنیر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ جمال اس کو دیکھنے لگا جب کہ ذہنی طور پر وہ گل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

’کیسی لگتی ہوں؟‘ کنیر نے شرماتے ہوئے پوچھا۔

’اچھی۔‘ جمال نے صرف اتنا کہا۔

’صرف اچھی؟‘

جمال چپ رہا تو کنیر نے کہا۔

’ہاں دیکھنا، بہت اچھی تو شادی والے دن لگوں گی۔‘ پھر وہ مڑی۔ جمال نے اس کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ خود ہی رُکی، حیرت سے پلٹ کر جمال کو دیکھا اور باہر نکل گئی۔

اگلے دن جمال چھٹی سے پہلے ہی اٹھ اٹھ کر باہر دیکھتا رہا۔ مگر پہلے تو کیا وہ چھٹی کے بعد بھی نہ آئی۔ جمال کا دل چاہا تو اس کے لئے مگر پھر نجانے کیا سوچ کر یہ ارادہ ملتوی کیا اور سیدھا گھر چلا آیا۔

تاہم تیسرے دن وہ پھر چلی آئی۔ جمال اُسے دیکھتے ہی کھل اٹھا اور وقت سے کچھ دیر پہلے ہی نکل آیا۔۔۔ جب وہ اپنے مخصوص ریٹورنٹ میں پہنچے تو جمال، گل سے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کچھ کھانے پینے سے پہلے ہی اس نے کہا۔

’گل! کیا تمہارے گھر والوں کو معلوم ہے تم مجھ سے ملتی ہو؟‘

’نہیں۔۔۔ میں نے ابھی ان کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔‘ گل نے صاف صاف بتا دیا۔

’اس کی ابھی نے جمال کو حوصلہ دیا تو اس نے پھر کہا۔

’گل! ہم ملنے کیوں ہیں؟۔۔۔ میرا مطلب ہے اس معاشرے میں تو مرد و عورت کی دوستی کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ تمہارے اور میرے ملنے کا مطلب لوگ کچھ اور ہی لیں گے۔‘

’لیتے رہیں۔۔۔ ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔‘ گل نے لاپرواہی سے کہا۔

’سمجھنے کی کوشش کرو گل! وہ سوچیں گے شاید ہم ایک دوسرے۔۔۔‘ اس کا رد عمل دیکھنے کے لئے جمال نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

گل نے یہ بات سن کر نظریں جھکا لیں۔ کچھ دیر خاموش رہی، پھر کہا۔

’اگر وہ ایسا سمجھیں گے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ میں۔۔۔۔۔۔ وہ چپ ہو کر سوچنے لگی۔ یہی موقع تھا جب جمال نے سوچا کہ مجھے کچھ کہنا چاہئے۔

’گل! میں تو سمجھا تھا صرف میں ہی تمہیں دیکھنے کے بعد محبت کی اس آگ میں جل رہا ہوں۔ کسی پل مجھے قرار نہیں تھا مگر۔۔۔۔۔۔ مگر یہاں تو تم بھی۔۔۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ قسمت یوں بھی مہربان ہوتی ہے۔‘

گل چپ چاپ برگر کھانے کی بجائے اُسے دیکھتی رہی۔ جمال نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ گل نے اس کا ہاتھ ہٹانے کی ضرورت نہ سمجھی تھی۔ بس ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی تھی اور جمال نے دل ہی دل میں بات فائل ہو جانے پر اطمینان کا سانس لیا، پھر وہ باتیں شروع کر دیں جن کو سن کر وہ سمجھتا تھا کہ کوئی بے وقوف لڑکی ہی اعتراض کر سکتی ہے۔

رات وہ گھر آیا تو ذہن ہلکا پھلکا تھا۔ کیونکہ یہ طے ہونے کے بعد کہ گل اُسے پسند کرتی ہے، اس سے محبت کرتی ہے، یہ ٹھیک ہے کہ اس نے بھی گل کو اپنی محبت کا یقین دلایا تھا جب کہ حقیقت تو یہی تھی کہ اُسے گل سے محبت نہ تھی۔

اور یہ انکشاف تو ابھی ابھی اس پر ہوا تھا کہ محبت تو وہ کنیر سے بھی نہیں کرتا تھا۔ اگر اُسے کنیر سے محبت ہوتی تو پھر گل کی طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اُسے نہ تو

”مئی! آپ بعد میں مجھے شکوہ کرتے نہ پائیں گی۔ مجھے صرف جمال سے محبت ہے۔ میں صرف اُسی کو پانا چاہتی ہوں۔“

”یہ صرف احتقانہ باتیں ہیں جو اس عمر کا تقاضا ہوتی ہیں۔ اچھا وہی ہوتا ہے جو بڑے سوچتے ہیں۔“

”جو کچھ بھی ہے، مجھے پسند ہے۔ اور میں نے بہت سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔ آپ مجھے بچی نہ سمجھیں۔ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔“

”ہوں۔۔۔“ وہ کچھ دیر سوچتی رہی، پھر کہا۔ ”اچھا بلاؤ اُس کو کسی دن۔۔۔ دیکھ کر سوچیں گے۔“

”مئی! دیکھیں ضرور اور سوچیں بھی۔ مگر فیصلہ انصاف سے کیجئے گا۔ وہ بہت اچھا ہے۔ غریبی کے سوا اُس میں کوئی خرابی نہیں۔“ گل نے جمال کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا بھئی۔۔۔ دیکھی جائے گی۔“ انہوں نے کچھ میزاری سے کہا۔

”اور ہاں مئی! آپ جمال کے سامنے کچھ نہیں کہیں گی۔“

”گل! اب تم جاؤ۔۔۔ باقی باتیں اس کو دیکھنے کے بعد ہوں گی۔“ انہوں نے بیٹی کو گھورتے ہوئے کہا۔

”اوکے مئی! مجھے یقین ہے آپ کو جمال پسند آئے گا۔“ پھر وہ ان کا منہ چومتے ہوئے باہر نکل گئی جب کہ بیگم شاکر سوچوں میں گم ہو گئیں۔

رات جب شاکر صاحب سونے کے لئے بیڈروم میں آئے تو وہ بے چین کمرے میں مہلین لگا رہی تھیں۔ شاکر صاحب نے حیرت سے اُن کو دیکھا اور پوچھا۔

”بیگم! کیا بات ہے؟ آپ پریشان ہیں؟“

”بات ہی پریشانی کی ہے۔“ وہ تھکر میں ڈوبی ہوئی بولیں۔

”ایسی کیا بات ہے۔۔۔ مجھے بتاؤ؟“

بیگم شاکر نے ان کو دیکھا، پھر کہا۔ ”گل مزید آگے پڑھنا نہیں چاہتی۔“

”تو اس میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟“

”پریشانی کی ہی تو بات ہے کہ۔۔۔۔۔۔“

”کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔“ وہ بیگم کی بات کاٹ کر بولے۔ ”یہ تمہاری خواہش ہے کہ وہ باہر پڑھنے جائے۔ اب وہ نہیں جانا چاہتی تو بھول جاؤ اس بات کو۔ اپنی

ساری تو جفا قباب کو دو۔۔۔ بنیاں تو ویسے بھی پرانی چیز ہوتی ہیں۔ جتنا پڑھ لیا اتنا ہی بہت ہے۔“

”آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ آگے کیوں نہیں پڑھنا چاہتی۔“ بیگم شاکر نے غصے سے کہا۔

”اب بتا دو۔۔۔ اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے؟“

”وہ شادی کرنا چاہتی ہے۔“

”اچھا۔۔۔“ انہوں نے عام سے لہجے میں کہا۔

”آپ اس بات کو اتنا غیر اہم کیوں سمجھ رہے ہیں؟“ بیگم شاکر جھنجلا کر بولیں۔

”تو یہ اتنی اہم کب ہے۔۔۔ ساری لڑکیاں شادی کرتی ہیں۔ ہماری بیٹی بہت سمجھ دار ہے۔ وہ جانتی ہے کہ وہ آگے نہیں پڑھ سکتی تو پھر وقت برباد کرنے کا فائدہ؟

بہتر یہی ہے کہ شادی کر لی جائے۔۔۔ پہلے یا بعد، شادی تو بہر حال لازمی کرنی ہے۔ بلکہ ہوتی ہے۔“

”اُس نے اپنے لئے لڑکا بھی پسند کر لیا ہے۔“

”کون ہے؟“ انہوں نے پہلی بار ذرا چونکتے ہوئے پوچھا۔

”وہی، جس نے ہا کس بے پراسے ڈوبنے سے بچالیا تھا۔“

”کیا۔۔۔ وہ لڑکا۔۔۔؟“

”جی۔۔۔ وہی لڑکا۔۔۔ آپ تو گل کو جانتے ہیں۔ وہ انسانوی زندگی میں رہتی ہے۔ ورنہ ضروری نہیں کاغذی ہیرو حقیقی زندگی میں بھی ہیرو وہی ہو، وہ دن بھی ہو سکتا

ہے۔ مگر وہ بھند ہے کہ شادی کرے گی تو صرف اُسی سے۔“ بیگم شاکر نے ناراض لہجے میں کہا۔

”کچھ معلوم کیا ہے کہ کس گھرانے کا ہے۔۔۔ کرنا کیا ہے؟“

”خاندان میں آگے پیچھے والے سب مرکب چکے ہیں۔ بالکل اکیلا ہے اور کسی بینک میں کیشیئر ہے۔ خوبصورت نوجوان ہے اور اُس کی بیٹی خوبی گل کو بھائی ہے۔“

”پھر اب تم نے کیا سوچا ہے؟“ انہوں نے اپنی رائے دینے سے گریز کیا۔

”میں اُس کی شادی کسی فقیر سے نہیں کر سکتی۔“ بیگم شاکر نے غصے سے کہا۔

”دیکھو بیگم! غریبی کو اُس کی خامی نہ بنانا۔۔۔ اگر وہ اچھا ہے اور اس میں آگے بڑھنے کا حوصلہ ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا کوئی نہ کوئی مقام بنالے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے۔

سارے لوگ سونے چاندی کے بیچ منہ میں لے کر پیدا نہیں ہوتے۔“

”اس دنیا کی سب سے بڑی خرابی اور خامی یہی دولت ہے۔۔۔ جب اس کے پاس کچھ ہے ہی نہیں تو پھر مقام کیسے بنائے گا؟۔۔۔ آپ خود اس کو سمجھانے کی

کوشش کریں اور اس کو یہ بتائیں کہ میں یہاں اس کی شادی کرنا نہیں چاہتی۔“

”تمہارا کیا خیال ہے۔۔۔ وہ مان جائے گی؟“

”میں نہیں جانتی۔۔۔ مگر اُس کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اس لڑکے کے ساتھ شادی نہ کرے۔“

”تم نے لڑکا دیکھا ہے؟“

”نہیں۔ مگر وہ جلد اُس کو گھرانے والی ہے۔“

”پھر بات ختم۔۔۔ پہلے لڑکا دیکھ لیں، باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے ہی سے خود کو پریشان کرنے کا کیا فائدہ؟“

”آپ آخر سمجھتے کیوں نہیں۔۔۔ میرے لئے لڑکا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس کو دیکھنا یا نہ دیکھنا میرے لئے برابر ہے۔۔۔ میں اُس کے ساتھ گل کی شادی کرنا ہی نہیں

چاہتی۔ ویسے بھی آپ کی بہن آپناز نے حماد کے لئے بات کی تھی۔ وہ کیا سوچیں گی۔ حماد جیسے بڑھے لکھے نوجوان کو چھوڑ کر ہم نے ایک معمولی حیثیت کے لڑکے کو ان پر

اہمیت دی۔ یہ تو غلط بات ہے۔“

”تمہارے لئے تو اصل بات حیثیت کی ہے۔“

”ارے تو کیا نہیں ہونی چاہئے؟“ انہوں نے گھور کر کہا۔

”ہونی چاہئے۔۔۔ مگر میں پھر کہتا ہوں مجھے پہلے لڑکا دیکھنے دو۔ اور ویسے بھی اگر گل نے اس کے ساتھ شادی کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ کبھی باز نہیں آئے گی۔ بیگم! جب

ایک کام ہونا ہی ہے تو پھر ذرا بہتر طریقے سے کیوں نہ کیا جائے۔۔۔ اب تم سونے کی کوشش کرو۔ ایک چیز مقدر بھی ہے۔ اور گل کے مقدر میں جو اوپر والے نے لکھ

دیا ہے وہی ہوگا۔ ویسے بھی میرا اس بات پر پختہ یقین ہے کہ جوڑے آسمان پر بنتے ہیں۔ اگر اوپر یہ فیصلہ ہو چکا ہے تو پھر ہمیں بھی خوش دلی سے اس کو قبول کرنا ہوگا

۔۔۔ اب تم سو جاؤ۔“ یہ کہہ کر وہ خود بھی لیٹ گئے۔

مگر بیگم شاکر جاگتی رہیں۔۔۔ تاہم وہ سمجھ رہی تھیں کہ شاکر صاحب کی باتیں صحیح ہیں۔ ویسے بھی انہوں نے اپنے گھر کا ماحول جو شروع سے بنایا تھا وہ یہی تھا کہ

ناپسندیدہ ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی بات سنی جائے اور رائے کا خیال رکھا جائے۔۔۔ مگر یہ اتنی چھوٹی بات تو نہ تھی۔ یہ ٹھیک تھا کہ وہ غریب تھا مگر اس کا کردار

کیسا تھا چال چلن کا کیسا تھا؟۔۔۔ انہی سوچوں میں گم وہ نجانے کب سو گئیں۔

دو دن بعد چھٹی کے روز گل نے ان کو بتایا کہ آج جمال سہ پہر کی چائے ہمارے ساتھ بیٹے گا۔

بیگم شاکر جواب میں چپ رہیں۔ شاکر صاحب نے کہہ دیا تھا، ”اب انکا فضول ہوگا۔ بہتر ہے ہاں کر دی جائے۔“ سو وہ اُن کی بات مان گئی تھیں۔

سہ پہر کی چائے لان میں پینے کا پروگرام بنا تھا۔ اور وہ سب اس وقت لان میں بیٹھے تھے۔ ملازم چائے کے برتن لگا رہے تھے۔۔۔ جمال ابھی تک نہیں آیا تھا۔ شاکر

صاحب اخبار دیکھ رہے تھے اور بیگم شاکر کزنخ کی باتیں سن رہی تھیں۔ جب کہ دھیان اُن کا گل کی طرف تھا جو آفتاب سے باتوں میں گمن تھی مگر بار بار نظر گیٹ کی طرف

اُٹھ رہی تھی۔

بیگم شاکر نے آفتاب کو بھی ساری بات بتا دی تھی اور اس نے بھی بہن کے حق میں یہ کہتے ہوئے فیصلہ دیا تھا۔

”مما! شادی تو آپا کو کرنی ہے۔۔۔ اور شادی جمال سے ہونی ہے، اس کے خاندان سے نہیں۔ جہاں تک غریب ہونے کا سوال ہے یہ بھی آپا کا مسئلہ ہے۔ وہ چھوٹی

نہیں ہیں، اپنا اچھا ہر ان خود سمجھ سکتی ہیں۔“

آفتاب کی بات سننے کے بعد بیگم شاکر نے بادل نخواستہ گل کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔ مگر فی الحال گل کو کچھ نہ بتایا تھا۔ وہ اب جمال کو دیکھنے کی رسمی کارروائی کے بعد ہی گل کو کچھ بتانا چاہتی تھیں۔

”مما! جمال آگیا۔۔۔“

گل کی آواز سن کر وہ چونکیں۔ پھر دیکھا، گل بھاگ کر گیٹ کی طرف جا رہی تھی۔ اُس نے کچھ دیر وہیں رُک کر جمال سے بات کی پھر اُس کو ساتھ لے کر ان کی طرف چلی آئی۔

”مما! یہ جمال ہیں۔۔۔“ گل نے تعارف کروایا۔

”ہوں۔۔۔“ بیگم شاکر نے ایک گہری نظر جمال پر ڈالی۔ جدید تراش کے سرمئی تھری تیس سوٹ میں وہ کسی اچھے خاندان کا ہی نہیں بلکہ کسی رئیس خاندان کا فرد لگ رہا تھا۔ پرفیوم کی شاید ساری بوتل انڈیل کر آیا تھا کہ سارا لان خوشبو سے مہک اٹھا تھا۔

بیگم شاکر نے سوچا، اس سوٹ پر اس کی پوری تنخواہ خرچ ہوئی ہوگی۔۔۔ بے چارہ اپنے آپ کو ہمارے برابر کا بنا کر آیا ہے۔

اُن کو سوچ میں گم دیکھ کر گل نے جمال سے کہا۔

”جمال! یہ میری ماما ہیں۔۔۔ یہ پاپا اور یہ بھائی آفتاب۔“

جمال نے دونوں سے مصافحہ کیا اور بیگم شاکر کو سلام کرتے ہوئے بیٹھ گیا۔ گل نے ملازمہ کو چائے لگانے کی اجازت دی اور خود بھی بیٹھ گئی۔

شاکر صاحب نے جمال کو بغور دیکھا، پھر پوچھا۔

”کرتے کیا ہو رُخوردار؟“ حالانکہ بیٹھتے ہی یہ سوال پوچھنا عجیب سا تھا۔

”جی ایک بینک میں ملازم ہوں۔“ جمال نے صرف اتنا ہی کہا۔ کس پوسٹ پر ملازم تھا یہ نہ بتایا۔ اور شاکر صاحب ہوں کر کے پھر اخبار میں گم ہو گئے۔ جب کہ بیگم شاکر پھر چھوٹی نزرخ کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔ گل نے مئی پاپا کے رویے کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے آفتاب سے کہا۔

”تم ہی کوئی بات کرو۔۔۔ وہ کیا سوچے گا، کیسے بد اخلاق لوگ ہیں۔“

”میں کیا بات کروں؟“ آفتاب نے لا پرواہی سے شانے اچکاتے ہوئے جمال کو دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔ گل نے دانت چیں کر اسے دیکھا۔

اتنے میں ملازمہ نے چائے بنا کر سب کے سامنے رکھ دی۔ چائے کے ساتھ سموسے، پکڑے اور اور دوسرے کئی لوازمات تھے۔

”پاپا! چائے۔“ گل نے ان کے ہاتھ سے اخبار پکڑتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔۔۔ اچھا، اچھا۔۔۔ ٹھیک ہے۔“ انہوں نے کپ پکڑا، پھر جمال کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”ہاں، بھئی، رہتے کہاں ہو؟“

”اپنے ایک دوست کے ساتھ۔“ جمال نے اپنے کپ کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ بہت کول مول جواب دے رہا تھا۔ وہ سب جانتے ہوئے بھی پوچھ رہے تھے۔

”ان کا مطلب علاقے یعنی جگہ سے ہے۔“ بیگم شاکر نے کہا۔ پتہ نہیں یہ طہر تھا یا وہ وہی کہنا چاہتی تھیں جس کو جمال جان بوجھ کر سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔

”جی کورنگی سائڈ پر۔۔۔“ جمال نے جواب دیا۔

”مما! میں چلتا ہوں۔۔۔ ایک دوست سے ملنا ہے۔“ آفتاب بغیر چائے پے اٹھ کر جمال کو دیکھتے ہوئے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد چائے سے فارغ ہوتے ہی بیگم شاکر نے گل سے کہا۔

”اب ہم بھی اٹھتے ہیں۔۔۔ ابھی پارٹی میں جانا ہے بیگم اومان کے ہاں۔ کچھ تیاری کروں۔ آپ بھی اٹھیں۔“ انہوں نے شاکر صاحب سے کہا اور دونوں چلے گئے۔ اب لان میں صرف گل، نزرخ اور جمال رہ گئے تھے۔

”یہ کون ہے۔۔۔؟“ جمال نے نزرخ کی طرف اشارہ کیا جو اپنے فرائڈ پر لگے پھول سے کھیل رہی تھی۔

”یہ۔۔۔“ گل پیار سے، بہن کو اٹھاتے ہوئے بولی۔ ”یہ آپ کی سسٹر ان لاء ہیں۔۔۔ نزرخ صاحبہ۔“

”تم نے رشتہ بھی جوڑ دیا ہے۔۔۔ جب کہ تمہارے مئی پاپا کا رویہ۔۔۔ وہ مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوئے۔ اور تمہارا بھائی۔“ جمال نے امردگی سے گل کو دیکھا، پھر کہا۔ ”گل! اگر ان لوگوں نے انکار کر دیا تو۔۔۔ جان! اب تو تمہارے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پلیز تم کچھ کرو۔ ورنہ میں جان دے دوں گا۔“

”ارے آفتاب کو دوست سے ملنے جانا تھا۔ اس لئے اٹھ گیا۔ باقی مئی پاپا میری بات نہیں مانتے۔۔۔ مگر وہ ناراض ہیں کہ میں نے ایک غریب کا ہاتھ کیوں تھاما ہے۔ اور اس بات پر اُن کی ناراضگی نظری بات ہے۔۔۔ ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد اچھے، میرا مطلب ہے اونچے گھر میں جائے۔“

”تو پھر اب کیا ہوگا؟“ جمال نے پریشانی سے پوچھا۔

”ارے اب آپ گھبراتے کیوں ہیں۔۔۔ وہ لاکھ ناراض ہوں مگر فیصلہ میرے ہی حق میں ہوگا۔۔۔ میں نے آپ کو اپنے گھر کا ماحول بتایا تو تھا۔ ہم ناپسند ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرتے ہیں۔۔۔ اس لئے فیصلہ میرے ہی حق میں ہوگا۔ زندگی مجھے گزارنی ہے۔ مئی، پاپا کو نہیں۔۔۔ آپ گھبرائیں نہیں۔“

”سمجھیں آپ کے حق میں فیصلہ ہو چکا۔“ گل نے تسلی دی۔

”ایک بار فیصلہ تو ہو جائے۔ پھر بتاؤں گا ان ذلیل لوگوں کو۔“ جمال نے دل ہی دل میں کھولتے ہوئے سوچا۔

”آپلی! یہ کون ہیں؟“ پانچ سالہ فرخ نے جمال کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ آپ کے بھائی جان ہیں۔“ گل نے اُسے جمال کی کُود میں دے دیا اور جمال بھی اوپری دل سے پیار کرنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد ہی اجازت لے کر چلا آیا کہ مزید بیٹھنا اس کے خیال میں فضول ہی تھا۔

گل نے روکنا چاہا۔ مگر وہ نہرکا۔

پہلے تو جمال نے سوچا تھا کہ وہ گل سے خفیہ طور پر شادی کرے گا اور کنیر کی شادی بعد میں کسی اور اچھے سے گھر میں کر دے گا۔ مگر اب یہاں اپنی پذیرائی دیکھ کر اُس نے سوچا، اُس کو کنیر سے شادی کر لینی چاہئے تھی۔ کنیر اُس کی کزن تھی۔ تاہم اگر گل کے ماما، پاپا مان جاتے تو پھر گل سے بھی شادی کر لیتا۔ اُوہ نہ۔۔۔ ابھی کیا بگڑا ہے۔ اگر گل کے ماما پاپا مان گئے جو فی الحال ممکن نظر نہیں آتا تو پھر پہلے گل سے شادی کروں گا اور بعد میں کنیر سے۔ اس طرح خالد بھی ناراض نہیں ہوں گی۔ اور یہ کوئی

مشکل بات بھی نہیں۔ ہاں، میں دو شادیاں ہی کروں گا۔۔۔ یہ سوچ کر وہ مسکرانے لگا۔ تاہم اُسے اُمید نہ تھی کہ گل کے مئی پاپا راضی ہوں گے۔

اُن کا رویہ یاد آتے ہی وہ پھر دانت مینے لگا۔ اُس کو آفتاب کا اپنی طرف دیکھنا یاد آیا۔ گل کے جمال کہنے پر اُس نے یوں جمال کو دیکھا تھا جیسے کوئی فقیر کو بھیک دینے سے پہلے دیکھتا ہے، رحم بھری نظروں سے۔ پھر دوسری نظر ڈالنے سے پہلے ہی وہ اٹھ کر چلا گیا تھا جیسے جمال کے پاس بیٹھنا اس کو تو ہیں ہو۔

تب جمال نے سوچا تھا، اگر کنیر جگہ جگہ رہتا تو کیا پھر بھی آفتاب کا رویہ ایسا ہی ہوتا؟۔۔۔ حماد کے بارے میں اُسے گل نے خود بتایا تھا کہ وہ اس کا پہلا امیدوار ہے یا شاید تھا۔ اور شاکر صاحب نے مصافحہ کرتے ہوئے سرمئی نظر اُس پر ڈالی تھی پھر ایک دو سوال کرنے کے بعد اخبار میں منہ چھپالیا تھا اور بیگم شاکر نے اُسے تو کم دیکھا اور اس کے تھری تیس سوٹ کو زیادہ جو جمال نے اپنی شدی کے لئے نوا یا تھا مگر پہلی بار اُن کے گھر پہن کر چلا آیا تھا کہ اس کی بھی تھوڑی سی عزت ہے۔

مگر جب بیگم شاکر مسلسل اُس کے سوٹ کو دیکھتی رہیں تو جمال کا جی چاہ رہا تھا بھاگ کر جائے اور سوٹ بدل کر اپنی حیثیت سے ملتا جلتا سوٹ پہن کر آئے۔ مگر افسوس وہ اٹھ نہ سکتا تھا۔

صاف پتہ چلتا تھا کہ جمال اُن کو پسند نہیں آیا۔ مگر پھر بھی وہ سب چپ تھے۔ شاید گل کی وجہ سے۔ جمال نے سوچا۔ ”ذرا شادی ہو لے، پھر بتاؤں گا کسی کو حقیر سمجھنے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔“

”کس سے کہہ رہے ہو؟“ کنیر نے جانے کب پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”کیا کہہ رہا تھا۔۔۔؟“ جمال نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔۔۔“ کنیر نے کہا تو جمال بولا۔

”بیٹھو۔۔۔ اب کھڑی کیوں ہو؟“

”بیٹھ کر کیا کروں گی؟“

”ارے بھئی ہوا کیا ہے؟۔۔۔ کیا ناراض ہو مجھ سے؟“

”اتنا وقت کہاں رہا تمہارے پاس جو تمہیں پتہ چلے میرے ناراض ہونے کا۔۔۔ آخر کہاں رہتے ہو آج کل؟ اور اماں کو دو ماہ سے تم نے تنخواہ بھی دینا بند کر دی ہے۔۔۔“

آخر مجھے بھی پتہ چلے تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“

”ارے۔۔۔ تم اتنی نفا ہو۔۔۔ مجھے پتہ ہی نہ چلا۔“ جمال نے لگاوت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھالیا، پھر کہا۔

”میں تمہاری ناراضگی سمجھتا ہوں مگر بتا کر تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔ دراصل آج کل ایک جگہ اور نام لگا رہا ہوں۔ کیونکہ بینک نے مجھے قرض دینے سے انکار

کر دیا تھا۔ اور تنخواہ بھی اسی لئے نہیں دے رہا کہ میں تمہارے فرنیچر کے لئے جیسے جمع کر رہا ہوں۔“

”مجھے معاف کر دو۔ میں کبھی شاید اب تم مجھ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتے۔“ کنیر نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔

”ایسی باتیں مت کرو جان! جمال نے اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

اگلے روز وہ ابھی دفتر میں پہنچا ہی تھا کہ کنیر نے قیامتبارانہ فون ہے۔ وہ اٹھ کر آیا۔ ریسپورٹوں سے لگاتے ہی گل کی آواز آئی۔

”جمال! آج کے لئے چھٹی حاصل کر لو۔ میں ابھی تمہیں ایک خبر سنانے آرہی ہوں۔ جانتے ہو وہ خبر کیا ہے؟“

”نہیں۔ مگر تم بتا دو۔“ جمال نے پوچھا مگر گل نے فون بند کر دیا۔ جمال نے سوچا۔ ”کیا گل کے ماما پاپا نے ہاں کر دی یا۔۔۔ آگے وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا اس لئے چھٹی کی درخواست لکھنے لگا۔“

جمال کو ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ یہ سب خواب تھا یا حقیقت۔ تاہم پہلو میں پڑی گل رخ یہ بتا رہی تھی کہ وہ خواب نہیں، حقیقت بن کر اُس کی زندگی میں آ چکی ہے۔ وہ ہڈی بے فکری سے سو رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر گہرا سکون تھا جیسے سب کچھ ہی پا چکی ہو۔ اور یہ سچ بھی تھا کہ بچپن سے لے کر جوانی تک اس نے جو بھی خواہش کی تھی وہ پوری ہوئی تھی۔ اگرچہ اُس کے گھر والے دل سے رضامند نہ تھے، خاص کر ماما۔ مگر اجازت بہر حال مل گئی تھی اور شادی کے بعد وہ اور جمال ہنی مون کے لئے سنگا پور چلے آئے تھے۔

جمال نے خالد اور کنیر سے کہا تھا کہ دو ماہ کے لئے اس کا تقریر اندرون سندھ کر دیا گیا ہے اور یہ بھی کہ اس کی ترقی بھی ہوگئی ہے۔ خالد یہ سن کر بہت خوش ہوئی تھی اور کنیر سے جمال نے کہا تھا کہ دو ماہ ختم ہوتے ہی جب وہ واپس آئے گا تو آتے ہی شادی ہوگی۔ کنیر رونے کی بجائے ضبط کی کوشش کر رہی تھی۔ جمال کی بات سن کر بولی۔

”چھٹی نہیں آیا کرو گے؟“

”نہیں میری جان! اس جا ب میں چھٹی نہیں ہے۔“ جمال نے مکاری سے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے کہا اور پھر کنیر کی مزید کوئی بات سنے بغیر آفتاب ہاؤس چلا آیا کہ شادی کی تمام رسوم وہیں انجام پانا تھیں۔

اور اب جب کہ صبح اُن کی واپسی تھی، وہ کنیر کا سوچ رہا تھا کہ وہ اُس کی جدائی میں کتنی پریشان اور بے قرار ہوگی۔ کیونکہ وہ دو ماہ کا کہہ کر آیا تھا جب کہ اب تو پورے تین ماہ ہو رہے تھے۔ گل کا پروگرام تو اب بھی واپس جانے کا نہ تھا مگر وہ خود ہی کنیر کے خیال سے رُکنا نہیں چاہتا تھا۔ جمال نے سوچ لیا تھا کہ یہاں سے جاتے ہی وہ وقت ضائع کرنے کی بجائے خالد سے کہہ کر نہایت خاموشی سے کنیر سے نکاح کر لے گا اور گل رخ کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔ کہاں کلنگٹن اور کہاں لالو کھیت۔ ویسے بھی کنیر گھر میں رہنے والی لڑکی تھی۔ اُس کو بھی گل کے بارے میں کچھ پتہ نہ چل سکتا تھا اور نکاح ہو جانے سے خالد کی پریشانی بھی دور ہو جاتی۔ یہی سب سوچتے سوچتے وہ خود بھی لیٹ گیا تھا۔

اگلی صبح وہ پروگرام کے مطابق پاکستان واپس آگئے تھے۔ ایئر پورٹ پر ڈرائیور گاڑی لئے ان کا منتظر تھا۔ ایئر پورٹ سے وہ آفتاب ہاؤس آئے۔ سب سے ملنے کے بعد جمال نے ایک ضروری کام کا ہانہ بنا کر گاڑی لی اور لالو کھیت کنیر سے ملنے چلا آیا۔ گاڑی اُس نے گھر سے کچھ فاصلے پر روکی اور پیدل گھر کی طرف چل پڑا۔ دروازے پر دستک دے کر جمال نے ایک طویل انگڑائی لی اور کنیر کا سوچ کر مسکرائے لگا۔ وہ یقیناً ایک ماہ لیٹ آنے پر ناراض ہوگی۔ خیر کوئی بات نہیں، من لوں گا۔ دو تین بار دستک دینے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا اور کنیر اُس کو یوں حیرت سے دیکھنے لگی جیسے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہو۔ دیکھنے کو تو جمال بھی اُس کو حیرت سے دیکھنے لگا تھا۔ وہ پہلے سے کچھ کمزور ہو گئی تھی اور کبھی کبھی ہی تھی۔ جمال نے پرسکون ہو کر سوچا، اُس کی یہ حالت میری جدائی نے بنائی ہے۔ اور یہ سوچتے ہی اُسے کنیر پر بے اختیار بیزار آ گیا۔

”اس طرح کیا دکھ رہی ہو۔۔۔ اب تین ماہ میں میری شکل اتنی بھی نہیں بدل گئی کہ تم یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھو۔“ جمال نے ہنس کر کہا۔

اُس کی بات سن کر کنیر چونکی اور فوراً واپس مڑ گئی۔ جمال نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور پھر دونوں بازو پھیلا کر محبت سے کنیر کی طرف بڑھا اور کہا۔

”تم نہیں جانتیں کنیر! تمہاری جدائی میں، میں کتنا پریشان رہا ہوں۔“

”اُونہ۔۔۔“ کنیر نے اُس کی بات سن کر کہا اور بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند کر لیا۔ جمال جہاں تھا وہیں رک کر بند دروازے کو دیکھنے لگا اور پھر طویل سانس لے کر جیسے اپنے آپ سے کہنے لگا۔

’ناراض ہے۔۔۔ دو ماہ کی بجائے تین ماہ لگا دیئے اور پھر یہاں سے جاتے وقت کنیر نے کہا تھا۔‘ اپنی خیر خیریت کے خط لکھتے رہتا۔‘ اب ہ پاکستان میں ہوتا تو خط لکھتا۔ وہ بے دلی سے کمرے کے باہر کھڑا ہو کر اُوچی آواز میں بولا۔

”کنیر! مانتا ہوں کہ تم بہت ناراض ہو۔۔۔ اور یہ میری غلطی ہے کہ تمہارے کہنے کے باوجود خط نہ لکھ سکا اور دو ماہ بعد آ بھی نہ سکا۔۔۔ مگر ناراض ہونے سے پہلے میری بات تو سن لو۔۔۔ پھر خود ہی فیصلہ کرنا کہ میں صحیح کہہ رہا ہوں یا غلط۔“

جواب میں خاموشی رہی۔ جمال نے سوچا کچھ زیادہ ہی ناراض لگتی ہے۔ خیر دیکھوں گا۔۔۔ پھر اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سن کر مزہ تو خالد ان سلعے کپڑوں کی گنگھڑی سر پر لئے آ رہی تھیں۔ جمال کو دیکھ کر وہ بھی حیران ہوئیں۔ پھر گنگھڑی سر سے اُتار کر زمین پر رکھتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئیں۔ جمال اُن کے قریب آیا، سلام کیا اور پوچھا۔

”خالد! کہاں سے آ رہی ہیں آپ؟“

”دیکھ تو رہے ہو۔۔۔ سلائی کے کپڑے دینے اور لینے گئی تھی۔“ خالد نے تھکی تھکی آواز اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

”اور سائیں۔۔۔ سب ٹھیک ہے نا؟“

”ہاں۔۔۔ اللہ کا شکر ہے۔۔۔ یہاں سب ٹھیک ہے۔“ خالد نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

”خالد! میں نے آپ کو منع بھی کیا تھا کہ اب آپ کام نہ کریں۔ مگر آپ مانتی ہی نہیں۔“ جمال نے ان کے تھکے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے شکوہ کیا۔

”ارے بیٹا! جب تک زندہ ہوں تب تک یہ سلسلہ تو چلتا ہی رہے گا۔ تم سناؤ، سب ٹھیک ٹھاک رہا؟“

”ہاں خالد! سب ٹھیک رہا۔۔۔ اب ہم پھر یہاں آگئے ہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے میں آ گیا ہوں۔“

”یہ تو بہت اچھا ہوا۔“ خالد نے عام سے لہجے میں کہا۔

”ہاں خالد! اچھا تو ہوا۔۔۔ اور اب میں چاہتا ہوں آپ شادی کی تیاری کریں۔۔۔ میرا خیال ہے یہ تو اٹھیک رہے گا۔“ جمال نے گویا ان کو خوش کرنے کی کوشش کی کہ کنیر کی طرح اُن کا موڈ بھی کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھا۔

”کس کی شادی؟“ خالد نے بے حد اجنبی نظروں سے اس کو دیکھا۔

”میری اور کنیر کی شادی۔۔۔ اب تو میرے پاس روپے بھی بہت ہیں۔ فرنیچر بنا بنا لے آئیں گے۔ باقی اگر آپ زیور اور بنا نا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”آخر اپنے باپ پر ہی گئے ہونا۔۔۔ ارے خون کا اثر بھی تو ہونا ہی تھا۔“ خالد نے تپ کر کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔؟“ جمال نے حیران ہو کر ان کو دیکھا۔

”مطلب بھی اب مجھ سے پوچھتے ہو۔۔۔ ارے ایک شادی تو تم گل رخ کے ساتھ کر کے ہنی مون پر ملک سے باہر گئے تھے۔ اب دوسری شادی کر کے میری بیٹی کی زندگی برباد کرنا چاہتے ہو ذلیل انسان۔ احسان فراموش باپ کی گندی اولاد ایسی ہی ہو سکتی تھی۔“

”خالد۔۔۔!“ جمال مارے حیرت کے صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

”دور ہو جا میری نظروں سے۔۔۔ اور میرے گھر سے۔۔۔ تو سمجھتا ہوگا ہمیں کبھی پتہ نہیں چلے گا۔ اور شاید نہ ہی چلتا اگر تو تین ماہ کی بجائے دو ماہ بعد ہی آ جاتا۔۔۔ تیرے لیٹ ہونے پر میں تیرے پینک گئی تھی۔ وہاں سے پتہ چلا تو نے نوکری چھوڑ دی ہے اور ایک بڑے گھرانے کی بیٹی سے شادی کر کے ملک سے باہر جا چکا۔“ خالد نے ایک ہی سانس میں ساری کہانی کہہ سنائی اور جمال کو بھی کنیر کی ناراضگی کی وجہ سمجھ میں آئی۔

”خالد!“ بہت دیر چپ رہنے کے بعد جمال نے کہا۔ ”آپ پہلے میری بات سن لیں۔۔۔ یہ سب میں نے کنیر کو اچھی زندگی دینے کے لئے کیا ہے۔۔۔ ورنہ اگر میرے دل میں کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو مجھے یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ بیوی، دولت اور اچھا گھر سب کچھ ہی تو ہے میرے پاس۔“

”یکو اس مت کر۔۔۔ اور اب جا یہاں سے۔ اور پھر کبھی اپنی محسوس شکل نہ دکھانا۔ ارے تمہارے خون میں ہی صلہ دینا شامل نہیں۔ تمہارا باپ فٹ پاتھ پر سوتا تھا۔ میری بہن نے شادی کے بعد اُس کو گھر کی چھت دی مگر وہ کمینہ۔۔۔۔۔۔ اُس کیسے کی کہی اولاد مجھے، میری محبت کا صلہ کیسے دے سکتی تھی؟۔۔۔ اب اٹھو اور پھر کبھی یہاں نہ آنا۔“ خالد مارے غصے کے پاگل ہو رہی تھیں۔ جب کہ کنیر اب بھی کمرے میں بند تھی۔ ماں کے آنے پر بھی وہ باہر نہیں آئی تھی۔

گاڑی بند کر کے وہ کمرے میں آیا تو بھابی اُس کے انتظار میں اُسی کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ اُن کو دیکھتے ہی اُسامہ نے سوچا۔ 'کہیں لاہور والے تو نہیں آگئے؟'

"کہاں رہے سارا دن؟" بھابی نے دیکھتے ہی غصے سے پوچھا۔

"خیریت۔۔۔ آپ کیوں جاگ رہی ہیں؟"

"تم کہاں رہے؟"

"وہ جبار کے ساتھ ایک ضروری کام۔۔۔۔۔۔"

"بکو اس مت کرو۔۔۔ جبار تو تمہاری تلاش میں دو بار ادھر آیا ہے اور تم۔۔۔۔۔۔" بھابی نے گھورتے ہوئے کہا۔

"سوری بھابی! اصل میں آج کل ایک بہت ضروری کام میں مصروف ہوں۔۔۔" اُسامہ نے بھی شرمندہ ہوئے بغیر کہا۔

"کیسا کام؟"

"بتانے والا نہیں۔۔۔" اُسامہ نے خشک لہجے میں کہا اور خود لباس بدلنے چلا گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے خشک لہجے کو محسوس کر کے اب بھابی چلی جائیں گی۔ اور یہی ہوا۔ لباس بدل کر وہ آیا تو کمرہ خالی تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے فون کا سیٹ اٹھا لیا اور ابھی ریسیور اٹھانے ہی لگا تھا کہ بیل ہونے لگی۔

"ہیلو۔۔۔" اُسامہ نے ریسیور اٹھاتے ہی کہا۔

"کہاں مر گئے تھے۔۔۔؟" جبار کی جھنجھلائی ہوئی آواز آئی۔

"بتایا تو تھا کہ جمال سے ملنے جانا ہے۔"

"اوہ، کیا ہوا۔۔۔ کیا رہا؟" جبار نے پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں۔۔۔ بڑی بوری، وہی صدیوں پرانی امیری اور غربی کی کہانی۔۔۔ دفع کرو اس کو۔۔۔ ملنے پر بتاؤں گا۔ تم اپنی سناؤ، بھابی بتا رہی تھیں تم دو بار آئے تھے۔"

"ہاں۔۔۔ مجھے خیال نہ رہا کہ تمہیں مال سے ملنے جانا ہے۔ خیر، تم سو رہے تھے جب شہزاد کا فون آیا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ کل کا دن تم جمال کے ساتھ گزارو گے اور میں ڈاکٹر کے ساتھ شہزاد کے پاس آفتاب کو دیکھنے جاؤں گا۔"

"وقت کیا طے ہوا ہے؟"

"یہی کوئی دس بجے کے بعد۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ ہو جائے گا۔ اور کوئی خاص بات؟"

"نہیں، بس یہی کہنا تھا۔" جبار نے فون بند کر دیا اور پھر بھابی کی ناراضگی کا سوچتے ہوئے لیٹ گیا۔



اگلی صبح وہ پروگرام کے مطابق ٹھیک دس بجے جمال سے ملنے آفس چلا آیا۔ اُس کو بیٹھے ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ جو ریفر اطلاع کے آفس میں داخل ہوئی۔ اُسامہ اُس کو دیکھ کر چونک پڑا اور جمال اپنی سیٹ سے کھڑا ہو گیا۔ حور کے ساتھ نیچر بھی تھا۔

"اچانک کیسے آنا ہوا؟" جمال نے پوچھا۔

"اچانک کیوں۔۔۔ دو دن پہلے آگئی ہوں۔" حور نے کہا اور پھر حساب کتاب چیک کرنے لگی۔

نیچر اُس کو تفصیل بتا رہا تھا اور حور ساتھ ساتھ جمال سے بھی پوچھ رہی تھی۔ پھر وہ جمال کو ساتھ لے کر باہر نکل گئی۔ شاید وہ فیکٹری دیکھنا چاہتی تھی۔ جمال بغیر کسی اعتراض کے اُس کے ساتھ چلا گیا اور اُسامہ سوچنے لگا، سچ کیا ہے؟ اور پھر کھلتے دروازے کو حیرت سے دیکھنے لگا اور دوسرے ہی لمحے خوشی سے اُچھل پڑا۔ یہ نزع تھی۔

اُس نے رات والی اور یعنی مسکرا کر اُسامہ کو دیکھا اور سلام کیا۔ بہت زیادہ مؤدبانہ انداز تھا اس کا۔

"آؤ بیٹھو۔۔۔" وہ یہ بھول گیا کہ اس وقت کہاں بیٹھا ہے۔

"آپ یہاں کیسے؟" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"تمہارے لئے۔۔۔" بے ساختہ اُسامہ کے منہ سے نکل گیا اور وہ بجائے شرمانے کے حیرت سے اُسے دیکھنے لگی تو اُس نے خود کو سرزنش کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری بھابی آج پہلی بار آئی ہیں یا پہلے بھی آتی رہتی ہیں؟"

"مہینے میں ایک دو چکر لگا کر وہ درگزر سے ضرور ملتی ہیں۔ اور نیچر سے حساب کے بارے میں پوچھتی ہیں۔ بھائی جان بیمار ہیں نا، اس وجہ سے بھابی خود بھی کام دیکھنے آتی رہتی ہیں۔ وہ سب کچھ جمال بھائی پر نہیں چھوڑنا چاہتیں۔ مجھے بھی کہتی ہیں اچھی طرح کام دیکھا کرو۔"

"اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔ نزع! رات تم بہت خوش تھیں۔ و۔۔۔؟" اُسامہ نے پوچھ ہی لیا۔

"بہت خاص بات ہے۔۔۔ مگر بتاؤں گی نہیں کہ آپ نے بھی مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا تھا۔" نزع نے کہا۔

"میں نے کیا نہیں بتایا تمہیں؟" اُسامہ نے حیرت سے پوچھا۔

"شہزاد کے بارے میں۔"

"ارے۔۔۔" میں نے طویل سانس لی پھر مسکرا کر کہا۔ "میں تو بتانا چاہتا تھا مگر یاد ہے تم نے کہا تھا تمہارے پاس وقت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے پھر میں چپ ہو گیا تھا۔"

"آپ۔۔۔" نزع اُٹھ کر اُس کے قریب آگئی۔ "آپ بہت اچھے ہیں۔ ابھی تک میں آپ پر شک کرتی تھی۔ مجھے معاف کر دیجئے گا۔" اُس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے نزع! جن حالات سے تم گزر رہی ہو وہاں کسی پر یقین کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔"

"لیکن اب ہے۔۔۔ اور میں آپ پر یقین کرتی ہوں اور اب مجھے یہ بھی یقین ہے کہ میرے بھائی کی جان بچ جائے گی۔"

"انشاء اللہ۔۔۔ یہ سب ضرور ہوگا۔" اُسامہ خود بھی کھڑا ہو گیا۔

"وہ آپ کا دوست بہت اچھا ہے۔"

"اچھا۔۔۔" اُسامہ نے چونک کر نزع کو دیکھا اور وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔

"اُس نے مجھے کہن کہا ہے۔۔۔ وہ کہتا ہے میں تمہارے نہیں، اپنے بھائی کی جان بچاؤں گا اور یہ کہ جمال کو اس کے کئے کی سزا بھی ضرور ملے گی وہ مجھے بالکل اپنا بھائی سا لگتا ہے بلکہ لگا ہے۔"

"یہ تو ہے۔" اُسامہ نے کہا اور نزع باہر چلی گئی۔

دو بجے تک حور آفس میں بیٹھی تھی اور دو بجے تک ہی اُسامہ وہاں بیٹھا تھا، پھر یہ سوچ کر کہ اب تو شہزاد اپنے کام سے فارغ ہو گیا ہوگا، وہ حور سے پہلے ہی وہاں سے نکل آیا اور اب اُس کا رخ جبار کے گھر کی طرف تھا۔ وہ جب وہاں پہنچا تو سب لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ اُسامہ کو بھی ان میں شامل ہونا پڑا۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ بار کے ساتھ اس کے کمرے میں چلا آیا۔ جبار نے بتایا۔

"جمال جو دو آفتاب کو کھلاتا تھا اور زہر جو قطرہ قطرہ کر کے زس آفتاب کو پلاتی تھی وہ سب ڈاکٹر نے نمونے کے لئے حاصل کر لئے ہیں۔ ڈاکٹر نے آفتاب کا بھی چیک اپ کیا تھا مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ تاہم یورین اور بلڈوہ لے گئے ہیں۔ ان کی رپورٹ آنے کے بعد ہی کچھ پتہ چلے گا۔ تم جمال کے بارے میں بتاؤ۔"

"لالو کھیت والی سائیز کاربنے والا ہے۔" اُسامہ نے یہ کہہ کر پوری کہانی سنا دی اور آخر میں حور کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

"یار! مجھے لگتا ہے حور بے خبر ہے۔۔۔ وہ جمال کی سازش میں شامل نہیں۔ وہ جس لہجے میں جمال سے بات کرتی ہے وہ اداکاری نہیں ہو سکتی۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ وہ جمال کی ساتھی نہیں ہے۔ اگر ہم اس کو ساتھ لے کر کام کریں تو پھر ذرا جلدی اور اچھے طریقے سے ہو سکتے گا۔ آخر وہ اس کا شوہر ہے۔"

"میں تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا۔ پہلے شہزاد سے بات کرو۔ یہ نہ ہو کہ اب تک کا کیا کر لیا بھی جاتا رہے۔"

"ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"تمہارے لئے اور حکم؟" جبار نے ہنس کر اُسے دیکھا۔ "یار! ہم تو تمہارے حکم کے منتظر ہیں۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر کی رپورٹ کے منتظر ہیں۔ تم سناؤ، نزع سے بھی ملاقات ہوئی یا۔۔۔" جبار کے لہجے میں شرارت گھل گئی۔

"رات بھی ہوئی تھی جمال کے گھر پر اور آج آفس میں بھی ہوئی۔ بہت خوش ہے۔ شہزاد نے اُس کو اب تک ہونے والے کام کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔"

بہت تعریف کر رہی تھی وہ۔“

”تمہاری ___؟“ جبار نے شرارت سے پوچھا۔

”نہیں، شہزاد کی۔“ اُسامہ نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ اچھا ___ ہاں بھئی ___ بھائی ہے وہ نثرخ کا۔ آج تو بہت جذباتی نظر آ رہا تھا۔ کہہ رہا تھا ___ یا را لوگ مجھ پر رشک کرتے ہیں کہ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد یعنی بیٹا ہوں اور ہو سکتا ہے میں بھی اس سے خوش ہوتا مگر اب آفتاب کو دیکھ کر خیال آتا ہے کہ ایک بھائی یا ایک بیٹا ہونا کوئی اچھی بات نہیں، ہاں جی ایک چل سکتی ہے۔ بہن ایک چل سکتی ہے۔ مگر بھائی ___ بھائی تو بازو ہوتا ہے۔ بھائی دوہی ہونے چاہئیں۔ آج نثرخ کی جگہ اگر آفتاب کا کوئی دوسرا بھائی ہوتا تو آفتاب یوں بے بسی کی زندگی نہ گزارتا جو موت سے بھی بدتر ہے۔ سوچتا ہوں کاش میرا بھی کوئی اور بھائی ہوتا۔ اگر کبھی مجھے ان حالات سے واسطہ پڑ گیا تو پھر کیا ہوگا؟“

”تم نے کہا ہوتا کہ ہم بھی تو بھائی ہیں۔ یا را ضروری تو نہیں کہ دوسرا بھائی اچھا بھی ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر ایک بھائی آفتاب کی طرح مشکل میں پڑتا ہو۔“ اُسامہ نے کہا۔

”تمہارے بھائی جان تو بہت اچھے ہیں ___ اور مشکل کون سا پوچھ کر آتی ہے۔“

”ہاں، یہ تو ہے۔“ اُسامہ کو بھائی یاد آ گئیں۔ پتہ نہیں کیا کہنا چاہتی تھیں جو جاگ رہی تھیں۔ پھر وہ جبار سے اجازت لے کر اٹھ گیا تاکہ گھر جا کر بھابی سے پوچھ سکے۔

گھر آیا تو ماں اکیلی لان میں بیٹھی تھیں۔ اُسامہ نے سلام کیا اور پھر بھابی اور بچوں کا پوچھا۔

”وہ سب لاہور گئے ہیں تمہارے بھائی کے ساتھ۔“

”خیر یہت ___؟“ اُسامہ نے پوچھا۔

”خیر یہت کہاں ___ تمہارے ماموں پر فالج کا حملہ ہوا ہے۔ میں بھی جانا چاہتی تھی اور تمہیں بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے تاکہ منگنی کی رسم لاہور میں ہی ادا ہو جائے۔

مگر تمہاری بھابی بتا رہی تھیں کہ تمہارا موڈ بڑا آف تھا۔“

”سوری امی! تو اسی لئے بھابی رات میرا انتظار کر رہی تھیں۔ انہوں نے مجھے بتایا تو ہوتا۔“ اُسامہ نے ماں کا دل رکھنے کے لئے کہا۔

”چلو کوئی بات نہیں ___ ہم اب چلے جاتے ہیں۔ اب بھی منگنی ہو سکتی ہے۔“ ماں اس وقت بھی منگنی کا خیال دل سے نکال سکی تھیں۔

”اب نہیں امی! مجھے بہت ضروری کام ہے ___ ہاں، آپ جانا چاہیں تو میں اس کا بندوبست کر دیتا ہوں۔“

”میں تو تمہاری وجہ سے رک گئی تھی ورنہ بھائی ہے وہ میرا۔“ ماں رونے لگی تو اُسامہ نے کہا۔

”آپ فکر نہ کریں۔ میں ابھی جہاز کا ٹکٹ لانا ہوں۔“ اُسامہ گاڑی کی چابی پکڑ کر پھر باہر نکل گیا۔

شام کو سات بیس کی فلائٹ پر ماں کو بٹھا کر وہ واپس گھر آنے کی بجائے شہزاد سے ملنے آفتاب ہاؤس چلا آیا۔ چونکہ اس سے کہہ کر اس نے شہزاد کو باہر بلوایا۔

”اور سنائیں صاحب جی! کیا حال ہے آپ کا ___؟“ شہزاد نے اُس کو دیکھتے ہی پوچھا۔

”تم اپنی سناؤ۔ اور اپنے مالک کی؟“ اُسامہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”سب ٹھیک ہے ___ آپ اندر آ جائیں۔“

”نہیں، چلتا ہوں۔“ پھر وہ رُکنا نہیں اور سیدھا گھر چلا آیا۔ راستے میں وہ نثرخ کے بارے میں سوچنے لگا۔ کوئی ایسا طریقہ، کوئی ایسا پروگرام یا بات جس کو مان کر جمال،

نثرخ کو پھر سے آفتاب ہاؤس بھیج دے تاکہ وہ اس کے سائے سے بھی بچ کر رہے۔ ورنہ وہاں جمال کے گھر نثرخ کو زیادہ خطرہ تھا اور اُسامہ اُس کو اب ہر حال میں وہاں سے نکال لانا چاہتا تھا۔ مگر کیسے؟ ___ یہی سب سوچتے وہ سو گیا تھا۔

اگلے دو دن انکشافات کے دن تھے۔ پہلے انکشاف تو یہ تھا کہ جس دو اکوزس زہر کبھی تھی وہ زہر نہیں ایک عام سا بچوں کو دینے والا ٹانک تھا جس کو کھانے یا نہ کھانے سے

کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ اُسامہ یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ڈاکٹر سے یہ رپورٹ جبار خود لے کر آیا تھا اور اس کا کہنا تھا۔

”یہ رپورٹ صحیح ہے ___ ڈاکٹر، شہزاد کے باپ کا دوست ہے۔ وہ غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔“

مگر اُسامہ نے کہا تھا۔

”شہزاد سے کہتا وہ مجھے بھی نمونے کے طور پر بھیج دے۔ میں خود کھالوں گا کہ ڈاکٹر کی اس رپورٹ کے بعد تو جمال سچا نظر آتا ہے کہ آفتاب خود ہی مر رہا ہے۔ اُس کی بیماری

میں اُس کا کوئی ہاتھ نہیں۔ جب کہ نثرخ سے نرس اور جمال نے جو بات کہی تھی کیا وہ غلط تھی؟ اور اُسامہ سے بھی اُس نے کہا تھا، وہ فی الحال آفتاب کو ختم نہیں کر سکتا۔ ابھی

ڈاکٹر کے پاس جاؤ اور اُس کو بتاؤ کہیں رپورٹ کسی سے بدل تو نہیں گئی؟“

”سوری ___ ایک تو یہ کہ میں اس رپورٹ کو صحیح مانتا ہوں۔ دوسرے وہ میرے پاس اس وقت نہیں۔ میں جمال اور کنیر کے پرانے گھر کی تلاش میں ہوں تاکہ کنیر اور

اُس کی ماں سے مل کر اصل بات جان سکوں۔ مجھے یقین ہے جمال نے جو کہانی تمہیں سنائی ہے وہ ساری سچی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے اُس نے کنیر سے بھی دوسری شادی کر

لی ہو اور اب.....“

”کیا کہنا چاہتے ہو؟“ اُسامہ نے پوچھا۔

”یہی کہ خود بھی کچھ کام کرو ___ اب ڈاکٹر کے پاس جانے اور اُن کی ذمہ داری تمہاری ہے۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

”اور شہزاد کے پاس دو اکوزس نمونے کون لینے جائے گا؟“

”تم خود۔ ویسے بھی شہزاد نے بتایا تھا نثرخ بھی اب آفتاب ہاؤس ہی میں رہنے آگئی ہے۔“

”کیا واقعی جمال نے اجازت دے دی؟“ اُسامہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ہاں ___ کل رات جب وہ نثرخ کے ساتھ آفتاب کو دیکھنے آیا تو حور نے کہا تھا وہ اب نثرخ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہے۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ نثرخ سے پوچھ لو۔“ جمال نے یہ سوچ کر کہا کہ نثرخ ہاں کر ہی نہیں سکتی۔ مگر جب حور نے نثرخ سے پوچھا تو اُس نے ہاں کر دی اور جمال فوراً

وہاں سے چلا گیا۔ مگر وہ سخت غصے میں تھا۔“

”اچھا ___ یہ تو تم نے بہت اچھی خبر سنائی ہے۔“

”اور اس خبر کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔“ جبار نے کہا اور اٹھ گیا۔ جب کہ اُسامہ نثرخ کے بارے میں سوچنے لگا۔

پرسوں رات اُسے یہی سوچ کر ٹھیک سے نیند نہ آئی تھی کہ نثرخ کا کمرہ جمال کے کمرے کے ساتھ تھا اور اگلے روز صبح اُٹھتے ہی وہ جمال کے راستے پر جا بیٹھا تاکہ معلوم ہو

سکے کہ نثرخ ساتھ آتی ہے یا نہیں۔ پتہ نہیں کیا بات تھی مگر بہر حال نثرخ ساتھ نہ تھی۔ یہ دیکھتے ہی اُسامہ نے گاڑی کا رخ جمال کے گھر کی طرف کیا مگر پھر یہ سوچ کر رک

گیا کہ کہیں چونکہ اُس کی آمد کے بارے میں جمال کو نہ بتا دے۔ وہ سیدھا گھر آیا اور فون کیا۔ جمال کے گھر کا نمبر وہ حاصل کر چکا تھا۔ ریسیور نثرخ نے ہی اٹھایا تھا۔

”نثرخ تم ___؟“ اُسامہ نے اُس کی آواز پہچاننے کے باوجود کہا۔

”جی ___ آپ کون؟“

”اُسامہ ___ دیکھو! میری بات غور سے سنو۔ آج جب جمال رات کو ___ ارے پہلے یہ تو بتاؤ آج آفس کیوں نہیں گئیں؟“

”میں نے جمال بھائی سے کہا تھا میری طبیعت ٹھیک نہیں اور میرا آفس جانے کو جی نہیں چاہتا۔ اور وہ مان گئے تھے۔“

”اچھا دیکھو، جب جمال رات کو آئے تو اسے کہنا کہ تم آفتاب بھائی کو دیکھنا چاہتی ہو۔ اور اگر وہ مان جائے تو پھر وہاں جا کر واپس نہ آنا۔ اپنی بھابی سے کہنا تم وہیں رہنا

چاہتی ہو اور.....“

”مگر جمال بھائی مجھے رہنے نہیں دیں گے ___ انہوں نے سختی سے مجھے کہہ رکھا ہے کہ اگر کبھی حور بھابی وہاں رہنے کا کہے تو تم صاف انکار کر دینا۔“

”مگر اب تم انکار نہیں کرو گی ___ بلکہ وہیں رہو گی۔ یہ بہت ضروری ہے۔“

”کیوں ضروری ہے؟ ___ کیا شہزاد بھائی کو میری مدد کی ضرورت ہے؟“

”ہاں ___ اُس کو بھی ہے۔ اور ویسے بھی اب تمہارا جمال کے ہاں رہنا ٹھیک نہیں ___ دیکھو، یہ کام ضرور کرنا۔ جمال کی پرواہ مت کرنا۔ اُس کو ہم دیکھ لیں گے۔ وہ

اب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اپنی بھابی سے ابھی فون پر بات کر لینا یا رات کو موقع ملے تو تب کر لینا ___ اب تمہیں یہاں کسی بھی حال میں نہیں رہنا۔“

”جی ___ کوشش کروں گی۔ مگر مجھے امید نہیں کہ جمال بھائی اس کی اجازت دیں۔“ نثرخ نے مدہم لہجے میں کہا تو اُسامہ نے تسلی دے کر فون بند کر دیا تھا اور اب آج

جبار یہ بتا کر چکا تھا کہ یہ سب ہو چکا ہے۔

اُسامہ نے سکون کی ایک گہری سانس لی اور مسکراتا ہوا خود بھی کھڑا ہو گیا۔ اب اُس کا پروگرام آفتاب ہاؤس جانے کا تھا اور وہ چلا آیا۔ چونکہ اُس کے پاس ہی شہزاد کھڑا

گپ شپ لگا رہا تھا۔ اُسامہ کی گاڑی رکتے ہی آگے بڑھا اور نرس کر زوردار سلام کیا۔

اُسامہ گاڑی بند کر کے نیچے اتر آیا اور چونکد ارکون اُکھپوں سے دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”میں اندر جانا چاہتا ہوں۔“

”اندر..... کیوں، خیریت؟“ وہ مسکرائے لگا۔

”انسان بنو۔۔۔۔۔ چونکد ارد کھ رہا ہے۔“ اُسامہ نے آہستہ سے کہا اور پھر اونچی آواز میں پوچھا۔ ”اب تمہارے مالک کیسے ہیں؟“

”بس جی۔۔۔۔۔ ویسے ہی ہیں۔۔۔۔۔ آپ اندر آ کر خود دیکھ لیں۔ بہت خدمت کر رہا ہوں ان کی۔“ شہزاد نے کہا اور اُسامہ کے ساتھ گیٹ کی چھوٹی کھڑکی سے گھر میں داخل ہو گیا۔

”تُرخ یہاں پر ہے نا؟“

”مجھے معلوم تھا تم اسی لئے اندر آئے ہو۔۔۔۔۔ ورنہ اُس دن تو باہر ہی سے میرا اور میرے مالک کا حال پوچھ کر چلے گئے تھے۔“ شہزاد ہنسنے لگا۔

”یکو اس بندر کھو اور اُسے بلاؤ۔۔۔۔۔ میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”پہلے تم بتاؤ اُسامہ! کیا واقعی تمہیں تُرخ سے محبت ہے؟“

”فضول باتوں سے گریز کرو۔“

”یہ فضول بات نہیں۔۔۔۔۔ مجھے اس کا جواب چاہئے۔“

”تو پھر خود کسی سے محبت کر کے دیکھ لو۔“

”کرتو رہا ہوں۔۔۔۔۔ بے خیالی اور روانی میں شہزاد کہہ گیا۔

”محبت اور تم کر رہے ہو۔“ اُسامہ ہنسا۔

”کیوں۔۔۔۔۔ میں محبت نہیں کر سکتا؟“ شہزاد نے کہا۔

”کون ہے وہ؟“ اب کے اُسامہ نے دلچسپی لی۔

”کوئی بھی نہیں۔۔۔۔۔ میں تو تمہیں تنگ کر رہا تھا۔“ شہزاد نے کہا اور اُسے آفتاب کے کمرے میں لے گیا اور وہیں ایک کرسی پر تُرخ بھی بیٹھی تھی۔ اُسامہ کو دیکھتے ہی

کھڑی ہو گئی اور شہزاد نے آہستہ سے پوچھا۔

”میں رکوں یا چلا جاؤں؟“

”یکومت۔“ اُسامہ کو غصہ آ گیا۔

شہزاد بھی ڈھیٹ نمبر ایک تھا، بولا۔

”سیدھی طرح کہہ کیوں نہیں دیتے کہ چلے جاؤ۔ خیر، میں چائے کا کہہ کر آتا ہوں۔“ وہ باہر نکل گیا اور اُسامہ آفتاب کو دیکھنے لگا، پھر تُرخ کو جو اُس کے بہت قریب سر جھکائے کھڑی تھی۔

”جمال نے اجازت دے دی یہاں رہنے کی؟“ اُسامہ نے اُس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”جی، میں نے یہاں آتے ہی بھابی سے کہا تھا وہ مجھے روک لیں۔ میں اب یہیں رہنا چاہتی ہوں۔ مگر جمال بھائی سے میرا نہ کہنے کا بلکہ خود کہنے کا کہ آپ مجھے یہاں

رکھنا چاہتی ہیں۔۔۔۔۔ اور جب بھابی نے یہ بات جمال بھائی سے کہی تو انہوں نے کہا۔ ”تُرخ سے پوچھ لیں۔ اگر وہ رہنا چاہتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ پھر

بھابی نے مجھ سے پوچھا اور میں نے اثبات میں سر ہلادیا۔ جمال بھائی اسی وقت چلے گئے۔ بھابی کے سامنے تو انہوں نے کچھ نہیں کہا مگر وہ بہت غصے میں تھے۔

”اوہ اچھا۔۔۔۔۔ اب ایک کام اور کرنا۔“

”کون سا؟“ تُرخ نے آہستہ سے پوچھا۔

”اپنی بھابی سے کہنا تم آفس بھی جانا نہیں چاہتیں کہ تمہیں آنا جانا خاک کچھ نہیں ہے اور ویسے بھی وہاں تمہارا دل نہیں لگتا۔“

”یہ بھی میں نے کہہ دیا تھا۔“

”کیا۔۔۔۔۔ اچھا، یہ تو خوب رہی۔ شاباش!“ اُسامہ نے خوش ہو کر کہا۔

”یہ میں نے اس لئے کہا تھا کہ اب اگر میں آفس جاتی تو پھر جمال بھائی بہت بری طرح پیش آتے۔ اُن کے اس ڈر کی وجہ سے میں نے بھابی سے کہہ دیا کہ میں آفس

بھی نہیں جاؤں گی۔ آپ اُن سے کہہ دیں۔ اس پر بھابی نے بہت پیار سے پوچھا۔

”تُرخ! ایسی ویسی بات تو نہیں؟ اگر ہوئی ہے تو مجھے بتاؤ۔“ مگر میں نے ان سے کہہ دیا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ خیر آج صبح جمال بھائی آفس کے لئے جب مجھے لینے آئے

تو بھابی نے جھینے سے انکار کر دیا اور کہا۔ ”تُرخ اب گھر میں رہے گی۔“

”پھر۔۔۔۔۔؟“ اُسامہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

”پھر یہ کہ جمال بھائی نے کہا کہ تُرخ کا آفس جانا بہت ضروری ہے۔ میری مدد کرتی ہے۔ تب بھابی نے کہا تمہاری مدد کے لئے میں خود آ جا کر کروں گی۔ اس پر جمال

بھائی غصہ میں باہر نکل گئے اور اب۔۔۔۔۔ اب مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“

اُسامہ نے چونک کر اُسے دیکھا۔ اُس کی رنگت حقیقت میں زرد ہو رہی تھی اور وہ خوف زدہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”بھابی کسی سہیلی کی پارٹی میں گئی ہیں۔۔۔۔۔ وہ رات دیر سے آئیں گی۔ تب تک جمال بھائی آ کر مجھے لے جائیں گے اور پھر۔۔۔۔۔ اور پھر۔۔۔۔۔“ وہ بات پوری نہ کر سکی

اور رونے لگی۔

”تُرخ پلیز۔۔۔۔۔!“ اُسامہ نے بے چینی سے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا کہ بے ایمان دل اسے سینے سے لگا کر تسلی دینے کے لئے مچلنے لگا تھا۔

”سوری، میں آپ کو بہت پریشان کرتی ہوں۔۔۔۔۔ پتہ نہیں کیوں میں آپ کو بہت اپنا سا سمجھتی ہوں۔۔۔۔۔ خیر، جو ہو گا دیکھا جائے گا۔“

”ایسا کچھ نہیں ہو گا تُرخ! میں کوشش کروں گا جمال آج ادھر نہ آسکے۔۔۔۔۔ اس کے باوجود اگر وہ تمہاری بھابی کی عدم موجودگی میں آ گیا تو تم ساتھ جانے سے انکار کر

دینا۔ انجام کی پرواہ مت کرنا۔۔۔۔۔ وہ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اور پھر شہزاد ادھر ہی ہے۔ تمہیں جمال سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اب جب یہ قدم اٹھا ہی چکے ہیں تو

پھر ڈرنا کیسا۔ یہ رسک تو اب لینا ہی تھا۔“

اچانک آفتاب نے بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدلی تھی اور اُسامہ، تُرخ کو بھول کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ منہ ہی منہ میں مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔ مگر کیا کہہ رہا تھا کچھ سمجھ

میں نہ آ رہا تھا۔ اُسامہ نے جھک کر کان اس کے منہ کے ساتھ لگا دیا مگر پھر بھی کچھ سمجھ نہ آیا۔ وہ سیدھا ہوا تو تُرخ نے کہا۔

”ایسا اکثر ہوتا ہے۔۔۔۔۔ شروع میں بھابی اور میں، ہم دونوں سننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے تھے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اور اب تو ہمیں عادت ہو گئی ہے یہ

بڑبڑاہٹ سننے کی۔“

”خیر۔۔۔۔۔ اب چند روز کی بات ہے، پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ اُسامہ نے کہا تو تُرخ چپ رہی۔ اُسامہ نے ہی پھر کہا تھا۔

”یہ اکبر چائے کا کہہ کر ابھی تک نہیں آیا۔“

”میں دیکھتی ہوں۔“ تُرخ جانے کھڑی اور پھر شہزاد کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر رک گئی۔

”دیکھنے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ اب آ گیا ہوں۔“ اُس نے مسکرا کر کہا۔

”اوکے۔۔۔۔۔ اب میں چلتا ہوں۔“ اُسامہ نے کہا۔

”لیکن چائے۔۔۔۔۔؟“ تُرخ نے جلدی سے کہا۔

”چائے کبھی ضرور پیوں گا۔۔۔۔۔ مگر اس وقت جب تم اپنے ہاتھ سے بناؤ گی اور بے فکری سے پلاؤ گی۔ اس وقت نہیں۔“ اُسامہ نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھتے

ہوئے بولا۔ ”اکبر! تم ذرا میرے ساتھ آؤ۔“ اور وہ باہر نکل آیا۔

”حاضر ہوں صاحب جی! بتائیں، کیا حکم ہے اس غلام کے لئے؟“ شہزاد نے ملازموں کے سے انداز میں کہا۔

”یکو نہیں اور میری بات غور سے سنو۔“

”تم خود نہیں جکتے۔ اندر تُرخ سے بھی کہہ رہے تھے، یہ اکبر ابھی تک چائے لے کر نہیں آیا اور اب پھر کہا، اکبر تم ذرا میرے ساتھ باہر آؤ۔ کیا واقعی تم نے مجھے اپنا ملازم سمجھ

لیا ہے؟“

”خدا کے لئے بند کرو اپنے منہ کو۔۔۔۔۔ میرے پاس وقت نہیں، مجھے جمال کے پاس جانا ہے۔ میری کوشش ہو گی وہ آج ادھر نہ آسکے۔ اور اگر آ گیا تو خیال رکھنا۔ تُرخ

بہت خوفزدہ ہے۔“

”پرواہ نہ کرو۔۔۔ یہاں میں ہوں، بھائی اس کا۔ جمال یہاں کچھ نہیں کر سکتا۔ تم نے بہت اچھا کیا جو اُسے ادھر بھیج دیا۔“

”اوکے۔۔۔ پھر چلتا ہوں۔“ اُسامہ نے کہا اور باہر نکل گیا۔ جب کہ شہزادوہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آفتاب کے کمرے میں آیا تو نرغ اب بھی وہیں بیٹھی تھی۔ شہزادوہ دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

”چلے گئے وہ؟“

”جی، چلے گئے وہ۔ کچھ کام تھا؟“

”نہیں تو۔“ وہ سُکرائی اور شہزادوہ اُسامہ کی باتیں کرنے۔ اُس نے نرغ کو سب کچھ صاف صاف بتا دیا تھا کہ اُسامہ کے کہنے پر ہی وہ یہ سب کام کر رہے ہیں اور یہ کہ وہ نرغ کی وجہ سے بہت پریشان رہتا ہے۔ وہ ابھی باتوں میں مگن ہی تھے کہ اچانک جمال اندر داخل ہوا۔ اُسے دیکھتے ہی نرغ گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی مگر وہ اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ شہزادے آفتاب کے بارے میں پوچھنے لگا۔ پھر آفتاب کو دیکھ کر واپس مڑا اور تھکمانہ لہجے میں نرغ سے بولا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“

”سک۔۔۔ کہاں؟“ نرغ نے سہم کر پوچھا۔

”جنم میں۔“ وہ غرایا اور نرغ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شہزادوہ نظر انداز کئے آفتاب کے پاس کھڑا تھا مگر کان اُن کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔

”مگر جمال بھائی! بھائی کہتی تھیں میں آپ کے ساتھ کہیں نہ جاؤں۔“ نرغ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”ہوں۔۔۔ تو یہ بات ہے۔۔۔ کہاں ہے وہ؟“

”وہ ذرا کام سے گئی ہیں۔ بس آنے والی ہوں گی۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ وہ آئے، آج بات کر کے ہی جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں وہ کیسے روکتی ہے تمہیں اور تم بھی۔ اچھا خیر آؤ، اُس کے آنے تک ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں۔“ پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے باہر نکل گیا۔ اُن کے باہر جاتے ہی شہزادوہ کھڑکی کے پاس آیا۔ وہ واقعی ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہا تھا۔ جب وہ داخل ہو چکا تو شہزادوہ لپک کر باہر آیا اور ڈرائنگ روم کی کھلی کھڑکی سے پردہ ذرا سا ہٹا کر اندر دیکھنے لگا۔

جمال بیٹھنے کی بجائے کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ نرغ کا ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ ذی قہر آوازوں سے نرغ کو گھور رہا تھا اور نرغ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

”میں نے تم سے کیا کہہ رکھا تھا؟“ اچانک وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔

”کیا۔۔۔؟“ نرغ نے کانپتے لہجے میں پوچھا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ کیا پوچھ رہا ہے کہ یہ بات اُس نے ایک بار نہیں کئی بار اُسے سمجھائی تھی کہ اگر کبھی حور وہاں رہنے کا کہے تو صاف انکار کر دینا۔

”اتنی بھولی نہ ہو۔۔۔ میں جانتا ہوں تم خود بھی اب ادھر رہنا نہیں چاہتیں اس لئے میرے سمجھانے کے باوجود تم نے حور سے کہہ دیا کہ تم ادھر ہی رہو گی۔ اور وہ۔۔۔ اُس نے تمہارے کہنے پر یہ جرات کی ہو گی۔ مگر وہ سمجھتی کیا ہے اپنے آپ کو۔۔۔ تھوڑے دن رہ گئے ہیں اُس کے پاس۔ وہ تمہیں یہاں رکھ کر کیا سمجھتی ہے کہ تم محفوظ ہو گی ہو۔۔۔ شک کرتی ہے وہ میرے کردار پر، میری نیت پر۔ تمہیں مجھ سے بچا کر رکھنا چاہتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے میں تمہیں یہاں اس کے پاس رہنے دوں گا؟ کبھی نہیں تمہیں آج میرے ساتھ جانا ہو گا۔ ابھی اور اسی وقت۔ سمجھیں۔“ وہ غصے سے دھاڑا۔

”میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ بھائی نے مجھے منع کیا ہے۔“ نرغ نے ڈرنے کے باوجود کہہ دیا کہ اُسامہ نے کہا تھا ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

”بھائی نے منع کیا ہے، ہیں۔۔۔ جمال نے ایک زوردار ہاتھ اُس کے کولڈن چمکتے گالوں پر جمادیا۔

”میں نہیں جاؤں گی آپ کے ساتھ۔۔۔ میں نے کہہ دیا۔“ نرغ نے پھر جرات کر کے انکار کر دیا۔

”تم نہیں جاؤ گی؟ تمہارے تو چھوٹے بڑے، ہوتے سوتے سب جائیں گے۔ تم کیوں نہیں جاؤ گی۔ جانتی ہو ساری رات میں سو نہیں سکا۔ رہ رہ کر تمہارا خیال مجھے پریشان کرتا تھا اور میں اپنے کمرے کی بجائے تمہارے کمرے میں بیٹھ کر گرہٹ پھونکتا رہا۔ اب چلو میرے ساتھ کہ تمہیں اب زندگی بھر میرے ہی ساتھ رہنا ہے۔۔۔ تم صرف میرے لئے بنی ہو۔“

”نہیں۔۔۔“ نرغ نے کہا اور جمال نے دونوں ہاتھوں سے اُسے کاندھوں سے پکڑ لیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے زہر خند سے کہا۔

”تم کیا سمجھتی ہو میں تمہیں یہاں کچھ نہیں کہہ سکتا۔۔۔ اونہ، جمال اتنا بے بس کبھی نہیں ہو سکتا۔“ وہ نرغ کی طرف جھکا تو وہ چیخ کر بولی۔

”نہیں۔۔۔ پلیز نہیں۔۔۔“ اور باہر کھڑا شہزادوہاگ کر آفتاب کے کمرے کی طرف آیا کہ اب برداشت کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ اس نے سائیز میز کی دراز میں آفتاب کا رپوورد کچھ رکھا تھا۔ جلدی سے دراز کھول کر پستول نکالا اور پھر ڈرائنگ روم کی کھڑکی میں آیا تو اب منظر بدل چکا تھا۔ جمال، نرغ کو صونے پر گرائے خود اس کھڑا خونی نظروں سے اس کو دیکھ رہا تھا، پھر جھکتے ہوئے بولا۔

”اب دیکھتا ہوں وہ تمہیں کیسے بچاتی ہے۔۔۔ میں نے سوچا تھا میں دو تین سال انتظار کروں گا اور تم سے نکاح کروں گا۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں تمہیں بھی۔۔۔ چیخنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کوشش کرنا کہ یہ گھر تمہارا ہے۔ مگر یہاں رکھے گئے سب ملازم میرے آدمی ہیں۔“

اور مزید دیکھنا شہزادوہ کے بس میں نہ تھا۔ اُس نے جمال کے کندھے کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ حالانکہ جی تو چاہ رہا تھا کہ سر کا نشانہ لے مگر فی الحال وہ زیادہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایک دھماکا ہوا اور اگلے ہی لمحے جمال کے منہ سے ایک بھیا نک چیخ بلند ہوئی اور وہ کھڑکی کی طرف مڑا اور شہزادوہاگ کر آفتاب کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ جلدی جلدی پستول صاف کر کے دراز میں رکھا اور بھاگتے ہوئے کمرے سے باہر آیا۔ اور وہی نہیں باقی ملازم بھی بھاگتے ہوئے اندر آ رہے تھے۔ جب کہ جمال ڈرائنگ روم کے دروازے میں کھڑا دھاڑا رہا تھا۔

”کس نے کوئی چلائی ہے۔۔۔ گٹو! کون ہے تم میں وہ جس نے یہ جرات کی؟ بولو، جواب دو، سچ بتا دو گے تو چھوڑ دوں گا ورنہ۔۔۔“

”صاحب جی! آپ کا تو خون بہہ رہا ہے۔“ شہزادوہ نے آگے بڑھ کر کندھا پکڑتے ہوئے کہا

”تم سے میں نے کیا کہا تھا؟“ جمال، شہزادوہ نظر انداز کر کے چوکیدار سے پوچھ رہا تھا جب کہ خون تیزی سے بہ رہا تھا۔ کوئی شاید جسم میں اتر گئی تھی۔ مگر جمال کو خون کی پرواہ نہیں تھی۔

”وہ جی۔۔۔ میں نے تو کسی کو بھی اندر نہیں آنے دیا۔“ چوکیدار کہہ رہا تھا۔

”تم سب کو دیکھ لوں گا۔“ جمال نے پیچھے کھڑی نرغ پر ایک زہر بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا اور شہزادوہ سے بولا۔ ”تم آؤ میرے ساتھ۔“ اور آگے بڑھ گیا۔ پھر اچانک ڈک کر بولی۔

”گاڑی چلائی آتی ہے تمہیں؟“

”نہیں جی۔“ شہزادوہ نے کہا تو وہ ڈرائیور کو ساتھ آنے کا کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ ہسپتال کی بجائے وہ ایک پرائیویٹ کلینک میں گیا تھا۔ کوئی اس کے بازو کے گوشت میں موجود تھی جسے فوراً آپریشن کر کے نکال دیا گیا تھا۔ کوئی نکال لی گئی تو جمال نے ڈرائیور سے کہا۔

”جاؤ، اکبر کو گھر چھوڑ آؤ۔ اور سنو اکبر! ذرا ٹوہ لگانے کی کوشش کرنا کہ یہ کام کس کا تھا۔ میری رات تو آج کہیں انکروں پر لوٹنے گزرے گی اور وہ کہیں نکلتا۔۔۔ دیکھ لوں گا اب اُس کو بھی۔“ وہ گالیاں بک رہا تھا اور مارے غصے کے پاگل ہو رہا تھا۔

”جی بہتر۔۔۔“ شہزادوہ نے کہا اور ڈرائیور اُس کو آفتاب ہاؤس چھوڑ گیا۔ شہزادوہ نے چوکیدار سے پوچھا۔

”کچھ پتہ چلا کہ کس نے کوئی چلائی ہے؟“

”نہیں یا! اب میری شامت آگئی جمال صاحب مجھ سے بول کر گیا تھا کہ کسی کو اندر مت آنے دوں۔ حور بی بی کو بھی نہیں۔ اور ہم نے تو کسی کو جانے دیا ہی نہیں۔ پھر یہ کوئی پتہ نہیں کون چلا گیا۔“

”تم فکر نہ کرو۔۔۔ میں دیکھتا ہوں۔“ شہزادوہ نے کہا اور سیدھا آفتاب کے کمرے میں آیا۔ نرغ وہیں آفتاب کے سر ہانے بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ شہزادوہ اس کے قریب آیا اور جیسے ہی پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا وہ شہزادوہ سے لپٹ کر اونچی آواز میں ہچکچایاں لے کر رونے لگی۔

”میری بات ہے نرغ! تمہارے دو بھائی زندہ ہیں۔۔۔ ابھی وہ مکینہ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آفتاب ہوش میں نہیں، میں تو ہوں۔ وہ ہاتھ کاٹ کر پھینک دوں گا جو تمہاری عزت کی طرف بڑھیں گے۔ مجھے اب اپنی زندگی، اپنے انجام کی پروا نہیں بلکہ کسی کو بھی پروا نہیں۔ مگر تم مت روؤ مت۔“

”بھائی جان! آپ بہت اچھے ہیں۔۔۔ مگر اب جمال بھائی آپ پر بھی شک کریں گے۔“ نرغ نے روتے روتے کہا۔

”ایسا کچھ نہیں ہو گا تم بیٹھو، میں اُسامہ سے بات کرتا ہوں۔“ شہزادوہ نے کہا اور فون کی طرف بڑھا۔ پہلے اُسامہ کے نمبر ملائے مگر وہ نہ ملا۔ پھر جبار کے ہاں کیا مگر وہ بھی نہ ملا تو شہزادوہ نے کہا۔

”نرغ! تم اب اپنے کمرے میں جاؤ اور تمہاری بھائی کچھ پوچھے تو صرف یہ کہنا کہ جمال بھائی مجھ سے کھڑے بات کر رہے تھے کہ کسی نے کوئی چلا دی اور وہ زخمی ہو

گئے۔“

”بھائی جان! وہ تو نہیں جائیں گے؟“

”مر جائے کمینہ تو اور کیا چاہئے۔ مگر وہ اتنی جلدی مرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ اب تم جاؤ۔“ اور نرنگ چلی گئی۔ مگر فوراً ہی حور کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ حور اونچی آواز میں بول رہی تھی۔

”یہ نیا تماشہ شروع کر دیا ہے اب جمال نے۔۔۔ آخر وہ ان حرکتوں سے کیا ثابت کرنا چاہتا ہے؟“ پھر وہ شہزاد کی طرف مڑی۔ ”تم کہاں تھے جب جمال پر کوئی چلائی گئی تھی؟“

”جی۔۔۔ میں تو یہیں صاحب کے پاس تھا۔“

”تم سب اُس کے ساتھ ملے ہوئے ہو۔۔۔ خیر، اگر وہ سمجھتا ہے کہ وہ اس طرح مجھ پر کوئی اہرام لگا کر مجھے اس گھر سے نکال دے گا تو یہ اُس کی بھول ہے۔“ حور غصے سے بول رہی تھی۔ پھر وہ نرنگ کے ساتھ باہر نکل گئی اور شہزاد وہیں بچھے صوفے پر لیٹ گیا۔ اچانک ایک خیال اُس کے ذہن میں آیا تو وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اُسامہ سب سے پہلے جمال کے آفس گیا تھا مگر وہ وہاں سے نکل چکا تھا۔ مگر فون کیا تو وہاں بھی نہ ملا۔ پھر بہت دیر تک اُسامہ سڑکوں پر آوارگی کرتا رہا اور جب گھر آیا تو ملازم نے بتایا۔

”کسی جمال صاحب کا فون آیا تھا۔۔۔ انہوں نے یہ نمبر دیا تھا اور کہا تھا آپ جب بھی آئیں اسی وقت رنگ کریں۔ اور شہزاد صاحب نے بھی فون کیا تھا۔“

”اچھا، ٹھیک ہے۔“ کمرے میں آتے ہی اُس نے پہلے جمال والا نمبر ڈائل کیا اور دل میں سوچا، یہ نمبر تو اُس کے گھر کا ہے اور نہ آفتاب ہاؤس کا۔ پھر کہاں ہے وہ؟ اچانک دوسری طرف سے ریسیور اٹھاتے ہی ”حسن کلینک“ کہا گیا۔ اُسامہ نے حیران ہو کر ریسیور کو دیکھا اور کہا۔

”جمال صاحب سے بات کروائیں۔“

”جی وہ سو رہے ہیں۔۔۔ اُن کو نیند کا انکیشن دیا گیا ہے۔ صبح بات کیجئے گا۔“ کہہ کر فون بند کر دیا گیا تو اُسامہ نے شہزاد کے نمبر ملائے۔ یہ نمبر آفتاب کے کمرے کا تھا۔

”ہیلو۔۔۔ شہزاد نے کہا۔“

”کیا بات ہے۔۔۔ فون کیوں کیا تھا؟“

”فون پر بتانے والی بات نہیں۔۔۔ یہاں آسکتے ہو تو آ جاؤ۔“

”اتنی رات گئے میں آیا تو وہ لوگ کیا کہیں گے۔ صبح آؤں گا۔ یہ نرنگ ادھر ہی ہے۔۔۔ اور جمال آیا تھا یا؟“

”نرنگ ادھر ہی ہے۔“ کہہ کر شہزاد نے فون بند کر دیا اور اُسامہ سونے کے لئے لیٹ گیا اور جلدی سو بھی گیا تھا۔

صبح وہ ابھی سو رہا تھا جب جمال کا فون آیا کہ کلینک پہنچو۔ اور اسی وقت اُسامہ تیار ہو کر چلا گیا تھا۔ اور پھر وہاں جا کر جمال کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔ وہ پتلون اور صرف بنیان پہنے ہوئے تھا اور کاندھوں پر پٹیاں کسی ہوئی تھیں۔

”کیا ہوا آپ کو جمال صاحب؟“ اُسامہ نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ ”رات میں نے فون کیا تھا۔ مجھے بتایا گیا آپ سو رہے ہیں۔۔۔ میں سمجھا شاید کوئی معمولی بات ہے۔ مگر یہاں تو آپ۔۔۔ ہوا کیا۔۔۔ کیا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا گاڑی کا یا۔۔۔؟“

”نہیں۔۔۔ کوئی لگی ہے۔“

”کوئی۔۔۔ وہ کیسے؟“ اُسامہ نے حیران نظروں سے اُسے دیکھا۔

”رات آفتاب ہاؤس میں جب میں نرنگ سے بات کر رہا تھا تو کسی نے مجھ پر کوئی چلا دی جو سیدھی بازو کے کوشٹ میں اتر گئی۔“

”کون چلا سکتا ہے آپ پر کوئی؟“ اُسامہ نے پوچھا مگر دل میں پہلا خیال شہزاد کا آیا۔ لیکن اُس کے پاس تو اسلحہ وغیرہ نہیں ہے۔ اُس نے دل میں سوچا۔

”یہی تو پتہ کرنا ہے کہ وہ کوئی کس نے چلائی؟“ جمال نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ پتہ چلے گا کیسے؟“ اُسامہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

”تم اکبر سے مل کر آؤ اور پوچھو کہ اُس نے کیا معلوم کیا ہے۔۔۔ میں نے اُس کو ٹوہ لگانے کے لئے کہا تھا۔۔۔ ہو سکتا ہے اُس نے کچھ معلوم کر ہی لیا ہو۔“ جمال نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔

”جی بہتر۔۔۔ ویسے آپ کو کس پر شک ہے؟“ اُسامہ نے ہڑکتے دل کے ساتھ پوچھا اور دل ہی دل میں اُس نام کا م قاتل کو برا بھلا کہا جس کی وجہ سے اُن کا اپنا کھیل بگڑنے والا تھا۔

”مجھے کس پر شک ہے یہ ابھی رہنے دو، جاؤ جا کر اکبر سے پتہ کرو۔ ویسے مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ مجھ پر کوئی کسی کے اشارے پر چلائی گئی ہے۔ لیکن میں پہلے اپنے شک کا ثبوت چاہتا ہوں۔ اب تم جاؤ اور جلدی آنا۔ دیر نہ ہونے پائے۔“ جمال نے تنکمانہ لہجے میں کہا۔

”اوکے۔۔۔ میں چلتا ہوں۔“ اُسامہ نے کہا اور کلینک سے باہر نکل آیا۔ اب اُس کا رخ آفتاب ہاؤس کی طرف تھا۔ ویسے وہ اب بھی حیرت میں گم سوچ رہا تھا کہ قاتل کون ہے۔۔۔ کوئی کس نے چلائی؟ یہ بہت بڑی جرأت تھی اور شہزاد اتنا بے وقوف ہرگز نہیں تھا کہ محض نرنگ سے باتیں کرنا دیکھ کر جمال پر کوئی چلا دے۔ اس طرح تو گڑبڑ ہو سکتی تھی۔ اُن کا پورا پروگرام خراب ہو سکتا تھا۔ تاہم یہ بھی حیرت کی بات تھی کہ اگر کوئی شہزاد نے نہیں چلائی کہ وہ چلا ہی نہ سکتا تھا۔۔۔ تو پھر وہ کون ہے جو جمال سے دشمنی رکھتا ہے؟ یہ بھی سوچنے والی بات تھی کہ ان لوگوں کے علاوہ بھی وہاں کوئی جمال کا دشمن تھا؟ اور دشمن بھی وہ جو اُسے جان سے مار دینا چاہتا تھا۔ مگر وہ کون تھا جس کے بارے میں ان لوگوں کو بھی ابھی کچھ پتہ نہ تھا۔

ان ہی سوچوں میں گم وہ آفتاب ہاؤس آیا۔ گیٹ پر گاڑی روک کر اس نے چوکیدار سے کہا کہ وہ شہزاد کو اس کے آنے کی اطلاع دے اور خود گاڑی میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا ارادہ شہزاد کو سمندر پر لے جانے کا تھا۔ لیکن چوکیدار کی موجودگی میں وہ صل کر بات نہ کر سکتے تھے۔ کچھ دیر بعد شہزاد چوکیدار کے ساتھ باہر آیا، اُسامہ کو سلام کیا اور پوچھا۔

”کیسے آنا ہوا صاحب جی۔۔۔ سب خیریت ہے نا؟“ اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ شاید وہ خود بھی رات ہونے والے واقعہ سے پریشان تھا۔

”آؤ ذرا میرے ساتھ۔ ایک ضروری کام ہے تم سے۔“ اُسامہ نے اُس کے لئے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”یہ کام آپ نہیں بتا سکتے؟“ شہزاد نے چوکیدار کے سامنے ہی پوچھا تھا۔

”کیوں۔۔۔ تمہیں ساتھ جانے پر کچھ اعتراض ہے کیا؟“ اُسامہ نے منہ بنا کر اس کو دیکھا جو اپنے حلیے سے اب حقیقتاً نوکر ہی لگا کرنا تھا اور اُس کا لب و لہجہ بھی اب نوکروں جیسا ہی ہو گیا تھا۔

”وہ اُس صاحب جی! یہاں کچھ گڑبڑ ہے اس لئے میرا جانا ٹھیک نہیں۔“ یہ کہتے ہوئے شہزاد نے آنکھوں سے بھی نہ جانے کا اشارہ کر دیا۔ جسے اُسامہ نے بیکسر نظر انداز کر دیا کہ وہ تو ابھی جمال کے کہنے پر تھا۔

”پرواہ مت کرو۔ بیٹھو۔“ اُسامہ نے کہا اور شہزاد بے دلی سے بیٹھ گیا۔ اُسامہ نے گاڑی آگے بڑھائی اور پوچھا۔

”رات آفتاب ہاؤس میں کیا ہوا۔۔۔ جمال پر کوئی کس نے چلائی؟ کچھ پتہ چلا یہ حرکت کس نے کی تھی؟“

”یہ سب تمہیں کس نے بتایا؟“ شہزاد نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔

”ویسے تو جمال نے رات بھی فون کیا تھا مجھے۔ لیکن میں نڈل سکا۔ اور پھر جمال نے صبح فون کر کے کلینک بلا یا تھا۔ بہت غصے میں ہے وہ۔“

”اچھا۔۔۔“ شہزاد نے عام سے لہجے میں کہا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ اُسامہ نے اُس کی یہ کیفیت دیکھی تو خود بھی چپ ہو گیا اور سمندر کے ساحل پر آنے تک چپ ہی رہا۔

”آؤ باہر۔۔۔“ سمندر کے کنارے گاڑی روک کر اُسامہ نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ شہزاد کچھ نہ بولا، چپ چاپ باہر نکل آیا اور دونوں کنارے پر بیٹھ گئے۔ پھر اُسامہ نے ہی بات کا آغاز کرتے ہوئے پوچھا۔

”اب تم بتاؤ۔۔۔ تم نے رات فون کیوں کیا تھا؟“

”یہی سب بتانے کے لئے۔۔۔ تم یہ بتاؤ، جمال نے کسی پر شک کا اظہار کیا ہے؟“ شہزاد نے سامنے سمندر کے پانی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ابھی تو کسی پر بھی نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے وہ جانتا ہے کہ کوئی کس نے چلائی تھی۔“

”کیا۔۔۔ وہ جانتا ہے؟“ شہزاد نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔ اُس کے لہجے سے مجھے لگا ہے کہ وہ سب جانتا ہے قاتل کے بارے میں۔ اور میں تو ڈر ہی گیا تھا یہ سوچ کر کہ کہیں کوئی تم نے نہ چلائی ہو۔“ وہ رکا، پھر کہا۔

”ہاں، بتا دیا ہے۔“ شہزاد نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”کیا کہہ رہے تھے وہ؟“ نرغ نے پوچھا۔

”کہتے تھے بہت اچھا کیا۔ اور یہ کہ کاندھے کی بجائے سر میں کوئی مارنی چاہئے تھی۔“ شہزاد نے جمل کر کہا۔

”میں جانتی تھی وہ کہیں کہیں گے۔ وہ بہت ابھھے ہیں۔ میرے لئے بہت پریشان رہتے ہیں۔ سوچتی ہوں ان کے احسانوں کا بدلہ کیسے چکاؤں گی؟“ نرغ محبت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”وہ بہت کمینہ ہے۔“ شہزاد نے دل میں کہا منہ سے کچھ نہ بولا۔

”بھائی جان! وہ اندر کیوں نہیں آئے؟“ نرغ شاید اُس کے بارے میں مزید سننا چاہتی تھی۔

”جلدی میں تھا۔“ شہزاد نے میزاری سے کہا، پھر پوچھا۔

”کیا کہہ رہا تھا جمال تم سے؟“

”کہہ رہے تھے میں اچھی طرح جانتا ہوں تمہارے اس حمایتی کو جس نے مجھ پر کوئی چلائی ہے۔ مجھے ٹھیک ہو لینے دو، پھر دیکھتا ہوں تمہیں بھی اور تمہارے اس ہمدرد کو بھی۔“ اس کا مطلب ہے وہ مجھ پر شک کر رہا ہے۔“ شہزاد نے سوچتے ہوئے کہا۔

”پتہ نہیں۔۔۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو آپ کیا کریں گے؟ وہ تو اب یہاں پہنچنے والے ہی ہوں گے۔“ نرغ خوفزدہ ہو گئی۔

”ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔۔۔ وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔“ شہزاد نے لاپرواہی سے نرغ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ تب ہی ملازمہ نے جمال کے آنے کی اطلاع دی۔ نرغ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ شہزاد نے غور سے اسے دیکھا پھر اس کے قریب آیا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پورے اعتماد سے بولا۔

”نرغ! اب تمہیں ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں ہوں نا یہاں اس گھر میں۔۔۔ وہ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا اور اس گھر سے باہر جانے کی اب میں خود تمہیں اجازت نہیں دوں گا۔ اب جاؤ جمال کے پاس مگر گھبرانا نہیں۔۔۔ میں کسی لمحے بھی تم سے دور نہیں رہوں گا میری بیاری بہن! اب تم اس وقت تک میری ذمہ داری ہو جب تک آفتاب ٹھیک نہیں ہو جاتا۔۔۔ اب تمہیں کچھ کہنے سے پہلے جمال کو میری لاش پر سے گزرنا ہوگا۔ میرے جیتے جی وہ تمہیں ہاتھ نہیں لگا سکتا۔“

”جی۔۔۔“ نرغ آنکھوں میں آنی نمی کو صاف کرتے ہوئے باہر نکل گئی اور شہزاد اُسامہ کے بارے میں سوچنے لگا جو خفا ہو گیا تھا۔

”جنہم میں جائے۔۔۔“ اُس نے سر جھکا اور جمال کے بارے میں سوچنے لگا۔ ویسے وہ حیران تھا کہ جبار نے ڈاکٹر کی رپورٹ اب تک اسے کیوں نہیں دی۔

شہزاد کو چھوڑ کر اُسامہ سیدھا کھینک آیا تھا۔ جمال نے اُس کو دیکھتے ہی پوچھا۔

”کیا بتایا اکبر نے۔۔۔ کچھ پتہ چلا کوئی کس نے چلائی تھی؟“

”کچھ پتہ نہیں چلا۔۔۔ اکبر کہہ رہا تھا اُس نے سارے ملازموں کو چیک کیا ہے مگر ان میں قاتل کوئی نہیں لگا۔ کہہ رہا تھا سارے ہی بیچارے مسکین لوگ ہیں۔۔۔ اور اب پریشان ہیں کہ آپ کا عتاب ان پر نازل ہوگا۔ حالانکہ وہ قاتل کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔“

”میں جانتا تھا ان میں سے مجھ پر کوئی چلانے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا۔ یہ باہر سے آیا تھا جو یہ جرأت کر گیا۔۔۔ لیکن یہ جرأت اس کو کسی دوسرے نے دی تھی اور اب اس جرأت دینے والے کا انجام قریب ہے۔“ وہ دانت تیز رہا تھا۔

”کیا مطلب۔۔۔؟“ اُسامہ کو پھر شہزاد کو خیال آیا۔

”مطلب ابھی تمہیں بتانے والا نہیں۔ چلو، مجھے آفتاب ہاؤس چھوڑ دو۔ اگر نرغ ادھر رہے گی تو میں بھی ادھر رہوں گا کہ اس کی جدائی مجھے پاگل کر دے گی۔“

”جی۔۔۔“ اُسامہ نے حیران ہو کر اُسے دیکھا۔ اس کی وجہ سے اُس نے نرغ کو آفتاب ہاؤس میں رہنے کو کہا تھا اور اب وہ بھی ادھر ہی جا رہا تھا۔

”چلو اٹھو۔۔۔“ جمال کھڑا ہو گیا تو اُسامہ کو بھی اٹھنا پڑا۔ لیکن دل میں وہ بہت پریشان تھا۔ ایک تو شہزاد کی وجہ سے، دوسرے نرغ کی وجہ سے کہ جمال پھر وہاں جا رہا تھا اور ابھی تک وہ ڈاکٹر سے رپورٹ لینے بھی نہ جا سکا تھا۔ جبار کو نجانے کیا کام تھا جو یہ کام اُسامہ پر چھوڑ گیا تھا۔

وہ جمال کے ساتھ گھر کے اندر تک آیا تھا تا کہ نرغ کو ایک نظر دیکھتا چلے۔۔۔ جمال کے استقبال کے لئے حور اور گل اس کے کمرے میں موجود تھیں جہاں ملازمہ ان کو لے کر آئی تھی۔ اُسامہ نے ان دونوں کو دیکھتے ہی سلام کیا جبکہ جمال خاموشی سے بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

”یہ سب کیسے ہوا؟“ جمال نے کھڑے کھڑے پوچھا جبکہ حور چپ تھی۔

”اپنی بھابی سے پوچھو۔۔۔ یہ گھر اس کا ہے۔“ جمال نے نا کواری سے گل کو دیکھتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

”بے شک گھر میرا ہے۔۔۔ مگر یہاں رکھے گئے تمام ملازموں کا انتخاب آپ ہی نے کر رکھا ہے۔“ حور نے نا کواری سے کہا۔

گل نے ایک نظر بھابی کو دیکھا پھر باہر نکل گئی۔ جمال نے اس کو روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی تاہم گل کے باہر نکلنے ہی اس نے دانت پیستے ہوئے حور سے کہا۔

”میں سب جانتا ہوں تمہاری ان چالوں کو۔“

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“ حور نے غصے سے کہا۔

”مطلب تو صاف ہے۔۔۔ مجھ پر کوئی تم نے چلائی ہے۔“ جمال نے اُسامہ کی پرواہ کئے بغیر کہہ دیا۔

”میں نے؟“ حور حیرت سے بولی۔

”تم نے نہ سہی لیکن تمہارے کہنے پر ہی یہ فریضہ انجام دیا گیا ہے اور تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو، میں معاف نہیں کرتا۔ میری لغت میں معافی کا لفظ ہے ہی نہیں۔“

”نور آپ بھی مجھے اچھی طرح جانتے ہیں جمال صاحب! کوئی اگر میں چلاتی یا میرے کہنے پر کوئی اور تو میرا نشانہ آپ کا کندھا نہیں ہر ہوتا۔“ حور نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”وہاٹ۔۔۔؟“ جمال نے زور سے چیختے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی جیسے حور کو مارنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اُسامہ نے جلدی سے جمال کو پکڑا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”آپ بھی کمال کرتے ہیں جمال صاحب! ابھی آپ کا زخم۔۔۔“

”میرے زخم کی پرواہ مت کرو۔۔۔ آج مجھے کل کر اس کمپنی سے بات کرنے دو۔“ وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

”جمال صاحب! منہ سنبھال کر بات کریں۔۔۔ میں اس گھر کی بہو ہوں۔ میرے احترام کا خیال رکھیں۔ مالک ہوں میں یہاں کی۔“ حور نے اس کو مزید جلانے کے لئے کہا۔ جمال نے پہلے اس کو کچھ کہنا چاہا پھر نجانے کیا سوچ کر اُسامہ کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

”تم جاؤ اُسامہ! آج بات ہو ہی جائے تو اچھا ہے۔“

”کیسی بات۔۔۔؟ تم کون سی بات کرنے کا حق رکھتے ہو؟ اور پھر میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں۔“ حور خاصی برہم ہو رہی تھی۔

”جی بہتر۔“ اُسامہ باہر نکل آیا۔ تاہم باہر نکلنے ہوئے اس نے دیکھا حور بھی اندرونی دروازہ کھول کر نکل گئی تھی۔ مگر وہ رکائیں۔ باہر نکلا تو نرغ سمی ہوئی کھڑی تھی۔ شاید اُس نے ساری باتیں سن لی تھیں۔ اُس کے ساتھ شہزاد بھی تھا۔ اُسامہ نے اُس کو دیکھتے ہی کہا۔

”نرغ! اس وقت وہ بہت غصے میں ہے۔ ابھی تم اس کے پاس مت جانا۔“

”جی۔۔۔“ نرغ نے خوف بھری نظروں سے اُسامہ کو دیکھا۔

”تم جاؤ نرغ!۔۔۔ نہ جانے پر وہ پتہ نہیں اور کتنے غصے میں آجائے گا۔“ شہزاد نے اُسامہ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”شہزاد! پاگل پن کی باتیں مت کرو۔۔۔ وہ اس وقت غصے سے بے قابو ہو رہا ہے۔ مجھے یقین ہے اب وہ یہ غصہ نرغ پر اتارنے کی کوشش کرے گا۔“ اُسامہ نے کہا تو شہزاد بچائے اس کو جواب دینے کے نرغ سے بولا۔

”تم جاؤ اندر۔۔۔ میں کہیں ہوں۔ سب دیکھ لوں گا۔“

”جی۔“ نرغ نے جانے کے لئے قدم اٹھایا تو اُسامہ نے اسے پکڑ لیا۔

”نہیں نرغ! تم اندر نہیں جاؤ گی۔“

نرغ نے حیرت سے پہلے اُسامہ کو دیکھا پھر اپنے بازو کو اور چہرہ سرخ ہو گیا۔

”چھوڑو۔“ شہزاد نے اُسامہ کا ہاتھ ہٹایا پھر نرغ سے کہا۔

”اب تم جاؤ۔“ وہ حیرت سے کبھی اُسامہ اور کبھی شہزاد کو دیکھتے ہوئے اندر چلی گئی تو شہزاد نے اُسامہ کو دیکھا تو اُس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ تھی۔

”میری طرف سے جنہم میں جاؤ۔“ اُسامہ دانت پیستے ہوئے باہر نکلتا چلا گیا اور شہزاد کے ہونٹوں کی گہری مسکراہٹ شرارت آمیز مسکراہٹ میں بدل گئی۔ پھر وہ خود بھی جمال کے کمرے میں داخل ہوا۔

اُسامہ آفتاب ہاؤس سے نکلا تو سخت غصے میں تھا۔ گاڑی کے قریب رک کر اس نے سوچا اب کیا کرے؟ شہزادہ پوری طرح کھیل بگاڑنے پر تلا ہوا ہے۔ جبکہ حور اور جمال۔۔۔ یہ سب چکر تو لے لگتے ہیں۔ ب مجھے کیا کرنا ہوگا؟ ڈاکٹر ہاسپٹل سے جا چکا ہوگا اور کلیٹک کا مجھے پتہ نہیں پھر۔۔۔ جمال سے ملتا ہوں تاکہ وہی شہزادہ کو سمجھائے۔۔۔ کمینہ، کتنا بد لاد بلا لگنے لگا ہے۔۔۔!

یہ سوچتے ہی وہ گاڑی میں بیٹھا اور چند منٹ بعد وہ جبار کے گیٹ پر موجود تھا۔ اُس نے کال تیل بجائی تو چند لمحوں بعد جبار کے والد اس کے سامنے تھے۔ وہ خاصے گھبرائے ہوئے تھے اُسامہ کو دیکھتے ہی بولے۔

”شکر ہے تم خود ہی آگے بیٹا!۔۔۔ ورنہ میں تو تمہارے ہاں فون کرتے کرتے تھک چکا ہوں۔“

”کیا ہوا انکل۔۔۔ خیریت تو ہے نا؟“

”ارے بیٹا! جبار کا کچھ پتہ نہیں۔ کل سے غائب ہے۔“

”کل سے غائب ہے؟“ اُسامہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔ کل رات وہ گھر نہیں آیا جبکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی والدہ کی طبیعت چند دنوں سے کچھ زیادہ ہی خراب ہے۔“

جبار کے والد کچھ زیادہ ہی پریشان لگ رہے تھے۔ پریشان تو خود اُسامہ بھی ہو گیا تھا کہ جبار نے اپنے غائب ہونے کے بارے میں اُس کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔

”تمہیں کچھ معلوم ہے اس کے بارے میں؟“ وہ پوچھ رہے تھے۔

”نہیں انکل! لیکن میں معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں شہزادے۔“

”شہزادہ تو خود چند روز سے غائب ہے۔۔۔ اشرف صاحب اور ان کی بیگم سخت پریشان ہیں۔“

”جی، پھر میں دیکھتا ہوں۔“ اُسامہ گاڑی کی طرف بڑھا تو جبار کے والد بولے۔

”ارے بیٹا! میں نے تمہیں پریشانی میں اندر آنے کو بھی نہیں کہا۔ آؤ، اندر آؤ۔“

”ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ میں ذرا اُس کا پتہ کرتا ہوں۔“

”جیسے ہی کچھ معلوم ہو، اطلاع کرنا۔“

”جی، ضرور۔۔۔“ کہتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ پھر ایک پبلک فون بوتھ سے شہزادہ کو فون کیا۔ ریسیور نے کیا تھا۔ اُسامہ نے کہا۔

”پلیز، ذرا اکبر کو بلا دیں۔“

”وہ گھر پر نہیں۔ آپ کون ہیں؟“

اُسامہ نے جواب دیے بغیر فون بند کر دیا اور سیدھا خالد کے پاس گیا مگر وہاں سے بھی کچھ پتہ نہ چل سکا تو جہاں جہاں جبار مل سکتا تھا وہاں اُسامہ گیا مگر جبار کا کوئی سراغ نہ ملا۔۔۔ رات گئے وہ گھر آنے کی بجائے آفتاب ہاؤس آیا اور چوکیدار سے کہہ کر شہزادہ کو بلا دیا۔

”جی۔۔۔“ شہزادہ نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”جبار کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟“ اُسامہ نے آہستہ سے پوچھا۔

”میں سمجھتا نہیں۔“ شہزادہ نے سوالیہ انداز میں اس کو دیکھا۔

”جبار کل سے غائب ہے۔۔۔ اور اس کی والدہ کی طبیعت سخت خراب ہے۔“

”اوہ۔۔۔ مجھے کچھ پتہ نہیں۔“ شہزادہ نے کہا اور واپس مڑ گیا اور اُسامہ پھر جبار کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب کے دروازہ جبار کے کسی کزن نے کھولا تھا۔ اُسامہ اُس کے ساتھ اندر آیا تو کافی مہمان و غیرہ نظر آئے۔ فریہ سے معلوم ہوا کہ ساری بہنیں امی کی بیماری کی وجہ سے آئی ہوئی ہیں۔ پھر اس نے جبار کا پوچھا تو اُسامہ نے کہا۔

”ابھی کچھ پتہ نہیں چلا۔ مگر وہ جہاں بھی ہے خیریت سے ہوگا۔ یہ بتاؤ انکل کہاں ہیں؟“

”وہ ابھی ابھی باہر گئے ہیں۔“

”اچھا، میں چلتا ہوں۔۔۔ میری طرف سے آئی کو پوچھنا۔“

”آپ خود پوچھ لیں۔“

”نہیں بھئی، مہمان آئے بیٹھے ہیں۔۔۔ تم پوچھ لینا۔“ پھر وہاں نکل آیا۔

رات گئے وہ گھر آیا اور تھکن سے چور بستر پر گر گیا مگر نیند آنکھوں سے غائب تھی۔ وہ سخت پریشان تھا کہ جبار گیا تو گیا کہاں؟ کل اس نے کہا تھا اب کچھ کام تم خود بھی دیکھو، میں جمال کے پرانے گھر سے جولا لوکھیت میں تھا اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

اب اُسامہ سوچ رہا تھا لا لوکھیت کراچی سے باہر تو نہ تھا۔ وہاں گیا ہوتا تو وہاں وہ رک نہ سکتا تھا۔۔۔ اب اگر خدا نخواستہ اس کی امی کو کچھ ہو گیا تو پھر۔۔۔۔۔۔ اور شہزادہ کہتا تھا میں نے گھر میں ایک ضروری کام کا کہہ دیا ہے۔ پھر اس کی امی۔۔۔ اُف، اس بار تو جھٹی آنا ہی عذاب بن گیا مگر۔۔۔

اس عذاب میں جب تڑخ کا خیال آیا تو نجانے کب نیند بھی آگئی۔

صبح کو وہ ابھی سو رہا تھا جب فون کی بیل نے جاگنے پر مجبور کر دیا۔ اُسامہ نے لیٹے لیٹے ریسیور اٹھایا اور جبار کی آواز سن کر فوراً اٹھ بیٹھا۔

”تم۔۔۔ تم کہاں سے بول رہے ہو؟“ اُسامہ نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔

”جمال کی صحبت کا ٹھیک ٹھیک اثر ہو رہا ہے تم پر۔“ جبار نے شوخی سے کہا۔

”میں پوچھتا ہوں بول کہاں سے رہے ہو؟“ اُسامہ نے غصے سے پوچھا۔

”جہاں سے سارے لوگ بولتے ہیں۔۔۔ یعنی منہ سے۔“ وہ شاید تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔

”جبار!“ اُسامہ نے تنہی لہجے میں پکارا۔

”اچھا، تمہارا مطلب اگر جگہ سے ہے تو اس وقت اپنے گھر سے بول رہا ہوں۔“ جبار نے ہستے ہوئے کہا۔

”دو دن کہاں رہے؟“

”دو دن نہیں، ڈیڑھ دن کہو۔۔۔ پنڈ دادن خان گیا ہوا تھا۔“

”کیوں۔۔۔؟“ اُسامہ نے پوچھا۔

”کام تھا پیارے۔“

”بتا کر نہیں جاسکتے تھے؟“

”بتایا تو تھا کہ میں جمال کے ماضی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش میں ہوں۔“

”وہ جو تم نے لا لوکھیت کا کہا تھا۔“

”وہاں سے کچھ خاص معلوم نہ ہو سکا تھا۔“

”ہوں۔۔۔ پھر کیا معلوم کیا؟“

”بہت کچھ۔۔۔ سٹنٹی خیز انکشافات۔ تم حیران رہ جاؤ گے۔ لیکن یہ باتیں فون پر کرنے والی نہیں ہیں۔۔۔ تم سناؤ ڈاکٹر کی رپورٹ کیا رہی بلڈ اور یورین کے بارے میں؟“

”میں ادھر جا ہی نہیں سکا۔۔۔ کچھ گڑبڑ ہو گئی تھی۔ پھر جب وقت ملا تو ہاسپٹل بند ہو چکا تھا۔“

”کلیٹک جاتے ہیرو دیکھتے تھے تمہارے؟“

”کلیٹک کا مجھے معلوم ہی نہیں کہاں ہے۔“ اُسامہ نے مجبوری بتائی۔

”عقل استعمال کرتے تو ہاسپٹل سے ایڈریس مل سکتا تھا۔“

”خیر، اب میری طرف کب آرہے ہو؟“

”تم کیوں نہیں آجاتے؟ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں اور پھر باجیاں بھی آئی ہوئی ہیں۔ کچھ دوسرے مہمان بھی ہیں۔ تم ہی چلے آؤ۔“

”اوکے۔۔۔ ابھی آتا ہوں۔ ناشتہ تمہارے ساتھ کروں گا۔“

”بس تو پھر چلے آؤ۔“ ڈاکٹر نے کہا اور فون بند کر دیا اور اُسامہ بھی جلدی سے اٹھ گیا۔

جبار نے اُس کا استقبال دروازے پر کیا اور سیدھا اپنے کمرے میں گیا۔ اُسامہ نے بیٹھے ہی جبار کی امی کی طبیعت کا پوچھا۔

”بس یار۔۔۔ کبھی ایک دم اچھی ہو جاتی ہے اور کبھی زیادہ خراب۔ کل سے سخت خراب ہے۔۔۔۔۔“ فرحیہ کو ناشتہ لاتے دیکھ کر وہ چپ ہو گیا۔ فرحیہ نے اُسامہ کو سلام کیا پھر ناشتہ رکھ کر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی دونوں ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ فارغ ہوتے ہی جبار بولا۔

”اب سناؤ۔“

”میں یا تم؟۔۔۔ خیر سنانے کے لئے میرے پاس بھی بہت کچھ ہے۔“

یہ کہہ کر اُسامہ نے جمال پر کوئی چلانے، شہزاد کو سرزنش کرنے اور اس کے ناراض ہونے تک ساری بات بتا دی۔

”میرا خیال ہے شہزاد نے بہت سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھایا ہوگا۔۔۔ انجام کو وہ خود بھی جانتا ہوگا۔ باقی اگر اُس نے فرخ کو اپنی ذمہ داری کہا ہے تو میں نے تمہیں یہ بولے ہی بتایا تھا وہ فرخ کے لئے بہت جذباتی ہو رہا ہے۔ اب تم ہی ضبط کرنا ورنہ۔۔۔“

”میں کہاں تک ضبط کروں۔۔۔ وہ مجھ سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔ رات میں نے فرخ کو اندر جانے سے منع کیا مگر اس نے میری ضد میں اس کو اندر بھیج دیا۔ حالانکہ اس وقت۔۔۔“

”بچے نہ بنو اُسامہ! وہ تمہارا دوست ہے۔۔۔ فرخ تمہاری دریافت تھی یا ہے، وہ جو کچھ بھی کرے گا تمہارے لئے کرے گا۔ فرخ کو بہن کہتا ہے تو یہ بات بھی اچھی طرح سمجھتا ہے کہ وہ تمہاری محبت ہے اور وہ تمہاری محبت کی حفاظت کے لئے وہاں موجود ہے۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ وہ جو چاہے کرے، میں اب اس کو نہیں روکوں گا۔ لیکن ایک بات تم میری کان کھول کر سن لو، جمال اور حور ایک دوسرے کے گہرے دشمن لگتے ہیں۔۔۔ میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا وہ جس لہجے میں بات کرتی ہے وہ اداکاری ہرگز نہیں۔ اب بھی کہتا ہوں حور جمال کی ساتھی نہیں ہو سکتی۔“

”فضول باتیں نہ کرو۔۔۔ جمال ہی کی ساتھی ہے اور بہت گہری ساتھی۔“

”خیر، اس پر بحث بعد میں ہوگی۔۔۔ تم بتاؤ، لالو کھیت اور پنڈ دادن خان کیا لینے گئے تھے؟ اور اگر جانا ضروری ہی تھا تو بتا کر جاتے۔“

”بس یار! ایک تو وقت کم تھا، دوسرے مجھے امید تھی کل صبح تک آ جاؤں گی مگر وہاں جس آدمی سے مجھے ملنا تھا وہ کہیں اور گیا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے دیر ہو گئی۔“

”اچھا یہ بتاؤ کیا پتہ چلا؟“

”بہت خاص۔۔۔ میں شہزاد کی معرفت جمال کی تصویر لے کر لالو کھیت گیا۔ سارا دن ضائع کرنے کے بعد مجھے اس جگہ کا پتہ چلا جہاں جمال اپنی خالد اور کزن کے ساتھ رہتا تھا۔ وہاں سے کچھ خاص پتہ نہ چل سکا سوائے اس کے کہ وہ لوگ بہت پہلے مکان بیچ گئے تھے۔ تاہم جب میں وہاں آ رہا تھا تو کزن کی والدہ کی ایک سہیلی مل گئی۔ اس نے بتایا جمال کی خالد پنڈ دادن خان میں اپنے ایک رشتے دار کے پاس رہتی ہیں۔ کیونکہ جمال کے بعد ان کی بیٹی نے بھی اپنی پسند کی شادی کر لی تھی۔

وہیں سے پتہ حاصل کر کے میں سیدھا چلا گیا مگر جمال کی خالد وہاں سے کہیں اور گئی ہوئی تھیں۔ خیر ان کی واہسی ہوئی تو میں نے بتایا۔ میں جمال کا دوست ہوں اور آپ سے ان کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا۔ جب میں نے ان کی بیٹی کنیر کا پوچھا تب بھی چپ رہیں۔ بہت پوچھنے پر انہوں نے اتنا ہی بتایا کہ وہ بھی شادی کر کے اپنا گھر بسا چکی ہے۔ خیر وہاں سے مایوس ہو کر جب میں اٹھ رہا تھا تو ان کے کمرے میں لگی ان کی بیٹی کی تصویر پر نظر پڑ گئی اور مجھے یقین نہ آیا کہ یہ ان کی بیٹی ہے۔ تاہم میں نے پوچھ ہی لیا اس تصویر کے بارے میں اور انہوں نے بتایا کہ یہ ان کی بیٹی اور دلما کی تصویر ہے۔ جانتے ہو وہ

تصویر کس کی تھی؟“ جبار نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ تم ہی بتا دو۔“

”وہ تصویر حور اور آفتاب کی تھی۔“

”نہیں۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ اُسامہ مارے حیرت کے اُچھل پڑا۔

”یہ حقیقت ہے۔۔۔ کنیر ہی حور ہے۔ اور میرا خیال ہے جمال نے کوئی لمبا منصوبہ بنا کر خود گل سے اور کنیر کی شادی آفتاب سے کروائی ہوگی۔ اس لئے وہ دونوں ایک دوسرے کے لازماً ساتھی ہیں۔“

”لیکن جمال تو کہتا ہے کہ آفتاب نے اس کی مرضی کے خلاف اپنی پسند کی شادی کی تھی۔“

”سب بکو اس ہے۔۔۔ یہ سب کچھ جمال کی مرضی سے ہوا ہوگا۔“

”لیکن اب تو وہ دونوں ایک دوسرے سے خفا نظر آتے ہیں۔“

”ڈرامہ یار!۔۔۔ یا ہو سکتا ہے کچھ اختلاف ہو گیا ہو۔ اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اب جمال اکیلے ہی سارا ہضم کرنا چاہتا ہو اور حور۔۔۔“

”اچھا تو میں چلنا ہوں۔۔۔ تم ذرا شہزاد سے مل لینا۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ مل لوں گا۔ تم ڈاکٹر سے رپورٹ لے آنا۔ میرا آج ذرا گھر سے نکلنا مشکل ہے۔ امی نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔“

”کیوں۔۔۔ کیا بہت زیادہ بیمار ہیں؟“

”پتہ نہیں، سخت بیمار ہیں یا نہیں۔۔۔ بہر حال میرے لئے مشکل یہ ہے کہ انہوں نے میری شادی طے کر دی ہے۔“

”ایس، شادی۔۔۔ کس سے؟“ اُسامہ نے حیرت سے پوچھا۔

”میرے ماموں زاد سے۔“

”تمہیں پسند ہے کیا؟“

”خیر نا پسند والی تو اس میں کوئی بات نہیں۔“

”پھر مشکل کیا ہو گئی؟“

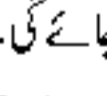
”مشکل یہ ہے کہ اس جمعہ کو میری شادی ہے۔ آج ہفتہ ہے یعنی چھ دن۔ امی سمجھتی ہیں پتہ نہیں وہ زندہ رہ سکیں نہ رہ سکیں۔ اس لئے میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“

”تم سے پوچھا نہیں؟“

”نہیں۔۔۔ یہ فیصلہ کل میری عدم موجودگی میں ہوا۔۔۔ بیوہ مجھے بہت پہلے ہی سے علم تھا کہ امی حنا کو بہو بنانا چاہتی ہیں۔ مگر یوں اچانک۔۔۔ جب کہ جمال کی وجہ سے ہم لوگ پہلے ہی مصروف ہیں۔ شادی ہوگی تو میرے لئے ذرا مشکل ہو جائے گی۔“

”چھوڑو یار۔۔۔ ابھی جمال سے تمہارے لئے بات کی ہی نہیں اور نہ ہی اب کروں گا۔ تم آرام سے شادی کرو۔ کام میں اور شہزاد دیکھ لیں گے۔“

”آرام تو خیر نہیں، مگر یہ شادی تو اب کرنا ہوگی۔“ جبار نے کہا اور اُسامہ اجازت لے کر اٹھ گیا۔



اُسامہ گھر واپس آیا تو بھابی اور بھائی بھی آچکے تھے اور خاصا ناراض تھے۔ اُسامہ نے بھتیجے، بھتیجی کو پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

”بھابی! اب کیسے ہیں ماموں جان؟“

”بہت جلد خیال آ گیا تمہیں ان کا؟“ بھابی نے تلخی سے کہا۔ ”ایک فون کرنا تو تمہیں نصیب نہ ہوا اور تمہارے بھائی نے جب بھی فون کیا جواب ملا گھر پر نہیں ہیں۔ کہاں ہوتے ہو تم آج کل؟ خوب آوارہ گردی شروع کر رکھی ہے۔“ بھابی شاید سارے دنوں کا غبار نکالنے کے موڈ میں تھیں۔

”سوری بھابی جان! دراصل ایک بہت ضروری کام میں پھنسا ہوا ہوں۔“

”کون سا ضروری کام؟“ بھابی نے نا کواری سے پوچھا تو اُسامہ چپ چاپ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

کہتا بھی تو کیا۔ اب جمال اور فرخ کے بارے میں تو انہیں بتانے سے رہا۔ تاہم اس نے سوچا یہ غلطی مجھ سے ضرور ہوئی جو لاہور فون نہ کیا۔ کم از کم ماموں جان کی طبیعت کا پوچھنے کے لئے فون ضرور کرنا چاہئے تھا۔ مگر وقت ہی کہاں تھا میرے پاس۔۔۔ پہلے شہزاد کیسے نے جمال کو زخمی کر کے مسئلہ پیدا کر دیا، پھر جبار بغیر کچھ بتائے غائب ہو گیا۔ ورنہ شاید لاہور فون کر ہی لیتا۔ اور یہ کیا سوچ میں گالیاں داخل ہونے لگیں۔ لعنت ہو مجھ پر۔ یعنی میں بھی۔۔۔ جبار ٹھیک ہی کہتا ہے یعنی

مجھ پر جمال کی صحبت کا اثر ہو رہا ہے۔ اور یہ ہونا ہی تھا۔ وہ مکینہ سارا وقت تو گالیاں بکتا ہے۔ کبھی حور کو، کبھی آفتاب کو۔۔۔ میں کیا بکو اس سوچ رہا ہوں۔۔۔ بھابی کی ناراضگی کیسے دور ہوگی؟ میرے خیال میں اصل غصہ تو منگنی نہ ہونے کا ہے۔ اگر میں چلا جاتا تو یہ لوگ بغیر منگنی کے آنے ہی نہ دیتے۔ اونہہ۔۔۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہے۔ اور یہ امی کیوں نہیں آئیں؟ وہ انہی اوٹ پٹانگ سوچوں میں گم کچھ دیر بیٹھنا پھر ڈاکٹر سے رپورٹ لینے چلا گیا۔

اور رپورٹ وہی تھی جو آفتاب کو پلائے جانے والے ٹانگ کے بارے میں تھی۔ یعنی آفتاب بالکل ٹھیک ٹھاٹھا تھا۔ اس کو کوئی بیماری نہ تھی۔ اُسامہ ڈاکٹر سے ہی اُلجھ پڑا۔

”سر! بقول آپ کے اگر وہ بالکل ٹھیک ہیں تو پھر نیم مد ہوشی کی حالت میں کیوں رہتے ہیں؟ پلٹے پھرتے کیوں نہیں؟ بولتے کیوں نہیں؟“

”یہ بات واقعی سوچنے کی ہے۔۔۔ مگر رپورٹ یہی ہے جو میں نے تم کو دی ہے۔“

”رپورٹ بدل بھی تو سکتی ہے۔“ اُسامہ نے کہا۔

”اُمی کوئی بات نہیں ہوئی کہ رپورٹ بدل گئی ہو۔۔۔ یہ سب کہانیوں میں ہوتا ہے۔“ ڈاکٹر نے ناگواری سے کہا۔ ”ویسے تم چاہو تو دوبارہ بلڈ اور یورین معائنہ کے لئے دے سکتے ہو۔ ویسے بہتر یہی ہوگا کہ تم اسے وقت نکال کر ہاسپٹل لاؤ تاکہ اس کی ای سی جی بھی ہو جائے اور لٹراساؤنڈ بھی۔ تاکہ ہر چیز کھل کر سامنے آ جائے۔ پھر کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔“

”جی میں کوشش کروں گا۔“ اُسامہ نے کہا اور اجازت لے کر اٹھ گیا۔ اب اس کا ارادہ جمال کے آفس جانے کا تھا۔

یہ آفس جانا ہی غضب ہو گیا۔ جمال زخمی ہونے کی وجہ سے آفس نہ آیا تھا جبکہ حوراس کی جگہ موجود تھی۔ اُسامہ کو اس نے کچھ اچھی نظروں سے نہ دیکھا تھا شاید اس لئے کہ وہ جمال کا ساتھی تھا۔

”فرمائیے۔۔۔ کیسے آنا ہوا؟“ حور نے تلخ لہجے میں پوچھا تھا۔

”جمال صاحب کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔۔۔ زخمی تھے نا۔“ اُسامہ نے جلدی سے کہا۔

”زخمی لوگ آفس نہیں آیا کرتے۔۔۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے وہ ابھی زندہ ہیں۔“ حور نے زہر خند سے کہا۔

”شکریہ۔۔۔ چلتا ہوں۔“ اُسامہ نے کہا۔

”شوق سے جائیے۔“ کہہ کر حور نے فائل پر نظریں جھکا لیں اور اُسامہ باہر نکل آیا۔

اب وہ بڑی تیزی سے آفتاب ہاؤس جا رہا تھا۔ جیسے ہی وہاں پہنچا اور چونکدار کو اندر اطلاع کرنے کے لئے کہا تھا تو بولا۔

”صاحب نے آپ کے لئے اجازت دے چھوڑا ہے۔۔۔ آپ جاؤ۔“ اور اُسامہ گیٹ کی کھلی کھڑکی سے اندر داخل ہو گیا۔ جمال کے کمرے کا اس کو پتہ تھا مگر اس وقت وہ لان میں بیٹھا تھا۔ پاس اس کا بیٹا عرفان اور گل بھی تھے۔ اُسامہ ان کی طرف چلا آیا اور سلام کرتے ہوئے بیٹھ گیا۔

”ایک ضروری کام میں مصروف تھا اس لئے اب پہلے آفس گیا تھا۔ مگر وہاں تو سزا آفتاب بڑے انہماک سے کام دیکھ رہی تھیں۔“

”معلوم ہے وہ کتیا آج صبح سے آفس میں ہے۔“ جمال نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

”آپ کا زخم اب کیسا ہے؟“

”ٹھیک ہی ہے۔۔۔ صبح سے میں خود آفس جاؤں گا۔“ پھر اُس نے گل کو جانے کا اشارہ کیا۔ اور جب وہ بیٹے کی انگلی پکڑ کر چلی گئی تو اُسامہ سے کہنے لگا۔

”جانتے ہو مجھ پر آفتاب والے پستول سے کولی چلائی گئی ہے۔“

”کیا واقعی؟۔۔۔ پھر تو آپ سب کا شک حور پر درست ہے۔“ اُسامہ نے دل ہی دل میں شہزاد کو ایک بار پھر برا بھلا کہتے ہوئے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

”ہاں۔۔۔ بیٹو ہے۔ لیکن میں کچھ اور بھی سوچ رہا ہوں۔ یہ اکبر کیسا آدمی ہے؟“ جمال نے رازداری سے پوچھا۔

”اکبر۔۔۔“ اُسامہ نے چونکتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا جمال صاحب!“

”میں سمجھتا ہوں۔۔۔ جس وقت مجھ پر کولی چلائی گئی اس وقت حور گھر پر نہیں تھی۔ باقی ملازمین سرونٹ کوارٹر میں تھے۔ صرف اکبر آفتاب کے کمرے میں موجود تھا جو کے ڈرائنگ روم سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ہے۔“

”لیکن جمال صاحب! اکبر کو بھلا کیا ضرورت تھی آپ پر کولی چلانے کی؟“

”یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس نے حور کے کہنے پر کولی چلائی ہو۔“ جمال نے سوچتے ہوئے کہا۔

”ہو سکتا ہے آپ کا شک درست ہو۔ ویسے میرے خیال میں اکبر ایسی حماقت نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی کھال میں مست رہنے والا آدمی ہے۔ تاہم اگر آپ کو اس پر شک ہے تو میں ابھی اس کو بلا کر آپ کے سامنے ہی پوچھتا ہوں۔ اس نے مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔“

”تم اس سے پوچھو ضرور۔ مگر میرے سامنے نہیں۔“ جمال نے جلدی سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ جیسے آپ کہیں۔“ اُسامہ نے کہا تو جمال نے ملازمہ کو آواز دی کہ وہ اکبر کو بلا کر لائے۔ پھر اچانک کچھ دیر اُسامہ کو بغور دیکھنے کے بعد بولا۔

”اُسامہ! تم اس گھر میں کیا لینے آئے تھے۔۔۔ مطلب کس لئے آئے تھے؟“

”آپ کو دیکھنے آیا تھا۔“ اُسامہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

”مجھے دیکھنے تو خیر اب آئے ہو۔۔۔ ویسے تمہاری آمد کا اس گھر میں کیا مقصد تھا؟ تم بھول گئے ہو یا حور سے کوئی بہتر مل گئی ہے کہ بہت دنوں سے تم نے حور کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا۔“

اُسامہ نے سوچا۔۔۔ بیٹو واقعی مجھ سے غلطی ہوگئی۔ پھر بات نبھانے کی خاطر بولا۔

”جمال صاحب! آپ ہی کے کام میں اتنا گن ہوں کہ اپنی ذات کا ہوش نہیں۔ ورنہ میں حور کے حصول کا بھولا نہیں ہوں۔ باقی رہی حور سے بہتر ملنے کی بات تو میں کسی ایک ہی سے دوستی کرنے کا قائل نہیں ہوں۔“

”گنڈ۔۔۔ مجھے تمہاری یہ عادت اچھی لگی ہے۔“ جمال نے کہا۔ اتنے میں دور سے شہزاد آتا ہوا دکھائی دیا تو جمال بولا۔

”یہاں کچھ مت پوچھنا۔۔۔ اپنے ساتھ باہر لے جاؤ۔۔۔ ہو سکتا ہے میرے سامنے وہ سچ نہ بولے۔“

”آؤ اکبر! مجھے تم سے ضروری کام ہے۔“

”کہاں؟“ شہزاد نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

”سمندر پر ڈراپلے ہیں۔۔۔ کھلے میں بات کریں گے۔“

”معاف کیجئے گا۔۔۔ بیگم صاحبہ نے اطلاع دیے بغیر میرے باہر جانے پر پابندی لگا رکھی ہے۔“ شہزاد نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا اور اُسامہ سمجھ گیا کہ وہ اس کے ساتھ جانا نہیں چاہتا۔ مگر وہ چپ رہا کہ جمال کے سامنے کہتا بھی تو کیا۔ مگر جمال خود ہی یہ بات سن کر مارے غصے کے بول پڑا۔

”کیا کہا۔۔۔ حور نے منع کر رکھا ہے؟“

”جی صاحب۔۔۔ انہوں نے اس دن بڑی سختی سے منع کیا تھا۔ جب ایک دن پہلے اُسامہ صاحب مجھے ساتھ لے گئے تھے۔“

”ہوں۔۔۔ تو یہ بات ہے۔۔۔ لیکن کیا تم بھول گئے جب میں نے تمہارا انتخاب کیا تھا تو کہا تھا کہ تم صرف میرے ملازم ہو، حور کے نہیں۔“

”وہ ٹھیک ہے جی۔۔۔ پروہ بھی۔“

”پروہ کچھ نہیں۔۔۔ اب جاؤ۔ اُسامہ کے ساتھ حور سے میں خود بات کر لوں گا۔“ جمال نے سخت لہجے میں کہا تو شہزاد اُسامہ کے ساتھ چل دیا۔ باہر آکر وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے تو اُسامہ نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا جو بڑی لاپرواہی سے کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اُسامہ نے کوئی بات نہیں کی، خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔ پھر مظلوم جگہ پہنچتے ہوئے گاڑی روک کر بولا۔

”اب اترو گئے بھی یا اٹھا کر اتارنا ہوگا؟“

”میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔۔۔ مجھے یہاں تک لانے کا سبب بتاؤ۔“ شہزاد نے ناگواری سے اُسامہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کے تیور دیکھ کر اُسامہ کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کرتے ہوئے بولا۔

”جمال ک شک ہے کہ اس رات اس پر کولی تم نے چلائی ہے۔“

”شک کی بنیاد؟“ شہزاد نے سامنے دیکھتے ہوئے یوں پوچھا جیسے اُسامہ سے نہیں کسی اور سے پوچھ رہا ہو۔

”وجہ آفتاب کار یو ایلور ہے جس کی کولی اس کے بازو سے نکلی ہے۔ اور ظاہر ہے آفتاب خود تو چلانے سے رہا۔ اور حور اُس دن گھر پر موجود نہیں تھی۔ ویسے اس کا خیال ہے کولی تم نے حور کے کہنے پر چلائی ہے۔ اب وہ مجھ سے کہتا ہے کہ میں تم سے پوچھوں کیا واقعی کولی تم نے چلائی ہے؟ اب مجھے بتاؤ میں اسے کیا کہوں؟“

”مجھے نہیں معلوم۔۔۔ جوجی میں آئے کہہ دو۔ اور مجھے واپس چھوڑ آؤ۔“ شہزاد نے بے دلی سے کہا۔

”کیا یہ کہہ دوں کہ کولی تم نے چلائی ہے؟“ اُسامہ کو غصہ ہی تو آگیا۔

”یہ تم بہتر سمجھتے ہو۔۔۔ اب واپس چلو۔“ اور اُسامہ نے گاڑی واپسی کے لئے موڑ دی اور کہا۔

”میرا خیال ہے وہ مجھ پر بھی شک کر رہا ہے۔ کہتا تھا کافی دنوں سے تم نے حور کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔“

”تو کہتے رہتے۔۔۔ کسی نے منع کیا تھا کہنے سے؟“ شہزاد نے جملے کٹے لہجے میں کہا۔

”تم سے توبت کرنا ہی فضول ہے۔۔۔ تاہم یہ بتادوں کڈا کتر نے روپ اوکے ہی دی ہے۔ کہتا ہے آفتاب کو کوئی ہماری نہیں اور یہ کہ وقت نکال کر اس کو ہاسپٹل لانا ہوگا۔ پھر شاید ٹھیک سے کچھ پتہ چل سکے گا۔“

”دیکھوں گا۔“ شہزاد نے کہا تو اُسامہ نے جبار کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔

”وہ جمال کے سلسلے میں پنڈا داخان گیا ہوا تھا اور سب سے اہم انکشاف اس نے یہ کیا ہے کہ وہ جمال کی خالد سے ملنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اور دراصل کنیر ہی حور ہے۔“

”حور۔۔۔ فرخ کی بھابی؟“ شہزاد نے حیرانگی سے پوچھا۔

”ہاں، جمال کی کزن اور مگنیترا۔۔۔ کنیر ہی فرخ کی بھابی ہے۔“

”لگتا ہے بہت لمبا چکر ہے۔“ شہزاد نے کہا پھر چپ ہو گیا اور گھر آنے تک چپ ہی رہا۔ تاہم جب شہزاد گاڑی سے اتر رہا تھا تب اُسامہ نے کہا۔

”جبار کے والد بتا رہے تھے کہ تمہارے مئی پاپا بہت پریشان ہیں۔ تم کچھ بتا کر نہیں گئے کہ کہاں جا رہے ہو۔“

”مئی کی عادت ہے پریشان ہونے کی۔۔۔ ویسے میں ان کو روزنوں کرتا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ اتر گیا۔

اُسامہ نے انجمن بند کیا اور خود بھی اس کے پیچھے آیا۔ اونچے برآمدے میں حور بے تابی سے ٹہل رہی تھی۔ شہزاد کو دیکھ کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اُسامہ پر نظر پڑ گئی اور وہ کمرے میں چلی گئی۔ جب ملازمہ ملازمہ سے پوچھ کر جمال کے کمرے میں آیا تو وہ سخت غصے میں تھا اور کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُسامہ سمجھ گیا کہ حور سے سامنا ہو چکا ہے مگر فائدہ۔ یہ سب ڈرامہ تھا۔ اُسامہ کو دیکھتے ہی جمال نے کہا۔

”کیا کچھ معلوم ہوا اکبر سے؟“

”کچھ خاص نہیں۔۔۔ کہتا ہے وہ تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اور میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ ایسا آدمی ہے ہی نہیں۔“

”تمہارے خیال میں وہ سچ کہہ رہا ہے؟“

”جی۔۔۔ سو فیصد سچ کہہ رہا تھا۔ میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا وہ میرے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔“ اُسامہ نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

”تو پھر وہ کون ہو سکتا ہے؟۔۔۔ خیر میرے آدمی معلوم کر ہی لیں گے۔ اس وقت مسئلہ حور کا ہے۔ وہ پھر بک بک کر کے گئی ہے کہ باہر جانے کے انتظامات مکمل کرو۔“

”پھر آپ نے کیا سوچا ہے؟“

”میں ابھی آفتاب کو مارنا تو نہیں چاہتا مگر اب دیر کرنا فضول ہوگا۔۔۔ مجھے اب یہ کام کر ہی دینا چاہئے۔ مگر کیسے؟“ وہ سوچنے والے انداز میں پوچھنے لگا۔ اُسامہ چپ ہی رہا تو جمال نے کہا۔

”اُسامہ! کیا تم حور کو حاصل کرنا نہیں چاہتے؟“

”حور کو جلد از جلد حاصل کرنا میری اولین خواہش ہے۔“ اُسامہ نے پورے جوش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”تو پھر کچھ سوچتم ہی۔“

”کیا سوچوں۔۔۔ آپ نے یہ تک تو بتایا نہیں کہ آفتاب کی یہ حالت آپ نے کس طریقے سے بتا رکھی ہے۔ تاہم آپ کی مدد اور حور کے حصول کے لئے میں ضرور کچھ کروں گا۔“ اُسامہ نے یہ سوچ کر کہا کہ اگر اس کو شہزاد یا اس پر کچھ شک ہے بھی تو زائل ہو جائے۔

”آفتاب کی حالت۔۔۔ جمال نے کہا اور ہنس دیا۔

”لگتا ہے آپ آفتاب کے سلسلے میں بھڑ پر اعتبار نہیں کرتے۔“ اُسامہ نے موقع دیکھ کر شکوہ بھی کر ڈالا۔

”یہ بات نہیں اُسامہ۔۔۔ اعتبار تو میں کرتا ہوں مگر ہر بات کے لئے مناسب موقع کا انتظار بھی کرنا پڑتا ہے۔ اب دیکھو یہ وہی آفتاب ہے جس نے پہلی بار مجھے دیکھ کر یوں نظر انداز کیا تھا جیسے میں اس دنیا کی سب سے غیر اہم چیز ہوں۔ اب دیکھو وہ کس حالت میں ہے۔۔۔ اپنے دشمنوں کو میں معاف نہیں کیا کرتا۔“

”کرنا بھی نہیں چاہئے۔“ اُسامہ نے اُس کو خوش کرنے کے لئے کہا اور دل میں سوچا، کینیے انسان اہم دوستوں کو بھی معاف نہیں کرتے۔ ہاں، گل نے تم سے دوستی ہی تو کی تھی۔ اس کا صلہ تم نے کون سا نیکی کی صورت میں دیا۔۔۔ سانپ کی دوستی اس کی دشمنی سے بھی بری ہوتی ہے کہ انسان سانپ کو دشمن سمجھ کر احتیاط کرتا ہے۔۔۔

مگر جو اس کو دوست بنا کر لاپرواہ ہوتا ہے وہ اسے زیادہ اچھے طریقے سے ڈستا ہے اور تم بھی انسان نہیں سانپ ہو۔۔۔ سانپ کی اولاد ڈنپولیہ۔“

”تمہارے خیالات بہت حد تک مجھ سے ملتے ہیں۔۔۔ اس لئے میں تم پر اعتبار کر لیتا ہوں۔“ جمال نے کو یا تعریف کی۔

”شکریہ۔۔۔ مگر اس کے باوجود آفتاب کے بارے میں بتاتے ہوئے گھبراتے ہیں۔“ اُسامہ نے پھر شکوہ کیا۔

”ایسی بات نہیں۔۔۔ خیر، اب بتاتا ہوں۔ شادی کے تھوڑے عرصے بعد ہی آفتاب اچانک بیمار پڑ گیا۔ ہم لوگ ہاسپٹل لے کر گئے تو انہوں نے آفتاب کو داخل کر لیا۔۔۔ میں نے تمہیں شاید بتایا تھا کہ یہ شادی میری مرضی کے خلاف ہوئی تھی۔۔۔ ہاں تو میں نے حور سے کہا تھا کہ وہ گھر چلی جائے، میں آفتاب کے پاس رہوں گا۔ مگر وہ نہ مانی۔ وہ آفتاب کو اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ خیر دل سے تو میں بھی نہیں ہاسپٹل رہنا چاہتا تھا اس لئے گھر چلا آیا۔۔۔ اگلی صبح میں اطمینان سے ناشتہ کرنے کے بعد ہاسپٹل آیا تو حور بہت پریشان تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔

”انہوں نے آفتاب کو شوگر وارڈ میں منتقل کر دیا ہے۔۔۔“

اصل میں اُسامہ! میں تمہیں یہ بتانا بھول گیا ہوں کہ حور نے کہا تھا وہ پرائیویٹ کمرے میں آفتاب کو نہیں رکھے گی۔ شاید وہ شک کرتی تھی کہ میں کہیں آفتاب کی جان نہ لے لوں۔ ہاں تو میں نے پوچھا۔

”کیا آفتاب کو شوگر ہے؟“

”ہاں۔۔۔ ڈاکٹر کہتے ہیں آپریشن سے پہلے شوگر کنٹرول کرنا ہوگی۔“ حور نے بتایا تو میں اُس کے ساتھ وارڈ میں چلا آیا۔۔۔ آفتاب نیم بے ہوشی کی حالت میں بستر پر پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں مگر وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ حور نے حیرت سے مجھے دیکھا اور کہا۔

”ابھی تو میں انہیں بالکل صحیح چھوڑ کر گئی تھی۔ پھر یہ حالت۔۔۔“

میں نے آفتاب کو آواز دی مگر شاید وہ میری آواز سن ہی نہ رہا تھا۔۔۔ وہ کبھی پانچھی کی طرف جاتا اور کبھی سرمانے کی طرف مگر آنکھیں بند ہی رکھتا۔ حور اس کی یہ حالت دیکھ کر رونے لگی اور میں خود بھی ڈاکٹر زوم کی طرف بھاگا۔ مگر وہاں سے کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ وارڈ میں ڈاکٹر کم ہی جاتے ہیں اور ہاؤس جاب کرنے والے زیادہ۔ خیر میرے کہنے پر ایک ہاؤس جاب والا ڈاکٹر اُٹھ کر آیا۔ آفتاب کو دیکھا اور بولا۔

”ٹیسٹ کرنے کے لئے بلڈ اور یورین فلان لیبارٹری لے جاؤ۔“

اور پھر جب رپورٹ آئی تو ڈاکٹر زون نے کہا ان کو شوگر تو بہت کم تھی مگر سسٹر نے جو انجکشن شوگر کنٹرول کرنے کو دیا تھا اس نے آفتاب کے اندر بہت کم کر دی ہے۔ آپ فکر نہ کریں، ابھی ایک انجکشن شوگر کی مقدار پوری رکھنے کا لگائیں گے تو یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ ابھی سسٹر آتی ہیں۔

اور ڈاکٹر کی بات سن کر میں حور کے پاس آیا جو پریشان آفتاب کے پاس بیٹھی تھی۔ میں نے ڈانٹ کر کہا۔

”یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔۔۔ تم پر ایویٹ کمرہ لینے سے انکار کرتیں نہ یہ ہوتا۔ اب ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ کچھ پیٹنٹیں چل رہا۔ نجانے کب تک آفتاب کی حالت ایسی ہی رہے۔“

حور یہ سن کر رونے لگی تو میں نے کہا۔

”اب بھی وقت کم ہے۔۔۔ تم کہو تو آفتاب کو گھر لے جاتے ہیں۔ اور گھر پر اچھے سے اچھے ڈاکٹر کو بلاؤں گے۔ یہاں تو اب آفتاب کا ٹھیک ہونا ناممکن ہے۔۔۔ بہر حال میں اپنی مرضی کرنا نہیں چاہتا۔ جو تم کہو ویسا کر لیتے ہیں۔“

میں نے جال پھینکا اور حور شوہر کی زندگی کی خاطر میری بات مان گئی اور پھر زس کے آنے سے پہلے ہی ہم آفتاب کو لے کر گھر آ گئے۔ گھر پر میں نے بہت سارے ڈاکٹروں سے چیک اپ کروایا۔ وہ میرے ڈاکٹر تھے۔ جو میں کہتا وہی کرتے۔ وہ ہمیشہ آفتاب کی شوگر کم رکھتے۔ ایک زس کا انتظام بھی میں نے کر دیا تھا۔ حور پریشان تھی کہ اتنے اچھے ڈاکٹر زانے کے باوجود آفتاب اچھا کیوں نہیں ہوتا۔ اور میں کہتا۔

”خدا کی مرضی۔۔۔ اب میں تو اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں۔“ اس کے بعد حور بھی بہت سارے ڈاکٹروں کو لائی مگر یہاں سے نکلتے ہی وہ میرے آدمی بن جاتے کہ روپے میں بہت کشش ہوتی ہے۔“ جمال خاموش ہو گیا۔

اُسامہ نے سوچا۔۔۔ اچھا تو اصل یہ ہے۔ مگر وہ زس نے زہر دینے والی بات کہی تھی۔ اونہہ، پیٹنٹیں کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔۔۔ جمال پورا سچ تو کبھی بولے گا ہی نہیں کہ ابھی تک اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ حور ہی دراصل اس کی خالد کی بیٹی کنیر ہے۔

”تم کس سوچ میں پڑ گئے؟“ جمال نے پوچھا۔

”کچھ خاص نہیں۔۔۔ اب چلتا ہوں۔“

”او کے۔۔۔ لیکن جو کام میں نے کہا ہے اس کا خیال رکھنا۔“

”جی ضرور۔“ اُسامہ نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ کوریڈور میں حور مہلیں لگا رہی تھی۔ اُسامہ کو دیکھ کر اس کے ماتھے پر ہل پڑ گئے اور وہ فوراً اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اُسامہ نے سوچا کیا وہ ہماری باتیں سن رہی تھی؟ اگر ایسا ہے تو اسی لمحے اس نے ایک فیصلہ کیا اور ہمت کر کے حور کے پیچھے اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ حور بیڈ کے قریب کھڑی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر چونک کر مڑی اور اپنے سامنے کھڑے اُسامہ کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ مگر فوراً ہی غصے میں بھر گئی اور چیخ کر بولی۔

”تم بغیر اجازت میرے کمرے میں۔۔۔ تمہاری یہ جرأت۔“

”اپنے ہی کمرے میں جاتے ہوئے اجازت کون لیتا ہے؟“ اُسامہ نے اپنے لہجے میں محبت بھرتے ہوئے کہا۔

”اوہ تم۔۔۔ کیسے! میرے ہی گھر میں مجھ سے اس لہجے میں بات کر رہے ہو۔۔۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ وہ اُسامہ پر جھپ پڑی تو اُسامہ نے اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے پھر آہستہ سے کہا۔

”تمہاری مجھ سے نفرت کی وجہ؟۔۔۔ کیا، کیا ہے میں نے جو تم مجھے جب بھی دیکھتی ہو نفرت اور حقارت سے منہ موڑ لیتی ہو۔“

”مجھے چھوڑ دو کیسے!“ حور چیخی۔

”نہیں۔۔۔ پہلے تم اپنی نفرت کی وجہ بتاؤ۔۔۔ میں دن رات تمہاری محبت کی آگ میں جل رہا ہوں۔ تمہیں پانے کے لئے ترستا ہوں اور تم۔۔۔“ اُسامہ نے ذہنی لہجے میں کہا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ اُسامہ نے حور کو چھوڑ دیا اور جلدی سے باہر نکلا۔ سامنے شہزاد کھڑا تھا۔ اُسامہ کو دیکھتے ہی واپس مڑتے ہوئے بولا

”نزع ادھر ہی آ رہی تھی۔۔۔ میں نے روک دیا۔ ورنہ ابھی تمہاری یہ محبت تمہیں بہت مہنگی پڑتی۔“

”اوہ، سمجھا کر شہزاد! یہ سب جمال کے اعتبار کے لئے۔۔۔“ اُسامہ نے شرمندہ لہجے میں کہا۔ یہ سوچ کر کہ وہ اس پر شک کرنے لگا تھا۔

”مجھے کیا معلوم جمال کے لئے کر رہے ہو یا اپنے لئے۔۔۔ بہر حال اگر یہ اداکاری تھی تو شاندار۔ اور اگر یہ حقیقت تھی تو اب میری بہن کے تم لائق نہیں رہے۔۔۔ اس کا خیال دل سے نکال دینا۔“ شہزاد نے دل جلانے والی بات کہی۔

”شہزاد!“ اُسامہ نے غصے سے پکارا اور شہزاد جواب دیئے بغیر آفتاب کے کمرے میں گھس گیا۔ اُسامہ مارے غصے اور شرمندگی کے ماتھے پر آیا ہو اسپینہ صاف کرتے ہوئے گاڑی میں آ بیٹھا۔ اب وہ جبار کی طرف جا رہا تھا۔ مگر وہ نہ ملتا تو وہ گھر چلا آیا۔ سب لوگ شاید سو رہے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں آیا اور سوچنے لگا اب وقت آ گیا ہے کہ ہم آفتاب کے لئے کوئی فیصلہ کن قدم اٹھائیں۔ مگر کیسے؟

خیر۔۔۔ پہلے صبح ڈاکٹر سے مل کر بات کرنا ہوں۔ اگر مسئلہ صرف ایک انجکشن کا ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں کل ہی آفتاب کو انجکشن دے کر ٹھیک کر دیں گے۔ تاہم آفتاب سے کہہ دیں گے کہ ابھی وہ خود کو ٹھیک ظاہر نہ کرے۔ ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن پہلے جبار سے بات کرنی ہوگی کہ شہزاد کیسے۔۔۔ ارے پھر گالی۔۔۔ مگر وہ تو اسی قابل ہے کہ ایک گالی تو کیا بہت ساری گالیاں اُس کی نذر کی جائیں۔ اور یہ نزع بھی اب میری بجائے شہزاد کی بات زیادہ مانتی ہے۔ خیر دیکھ لوں گا۔

لیکن اگلے روز بجائے ڈاکٹر کے اُس کو علی الصبح بھیا جی کے کہنے پر لاہور جانا پڑا جہاں اماں نے اُسے بلایا تھا۔ اُس نے لاکھ انکار کیا مگر بھیا نے ایک نہ مانی، ٹکٹ اُس کے ہاتھ میں دیا اور خود لیٹر پورٹ چھوڑنے آئے۔ اُسامہ لیٹر پورٹ آنے تک یہی کہتا رہا۔

”بھائی جان! بہت مجبوری ہے۔۔۔ میں چلا گیا تو کام بہت خراب ہو جائے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں بعد میں چلا جاؤں گا۔“ مگر وہ بولے۔

”مجھے بتاؤ، کیا کام ہے۔۔۔ میں خود کروں گا۔ دیکھو، بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہاں تمہاری بھابی ناراض ہیں اور وہاں امی۔۔۔ انہوں نے کہا تھا اگر میں نے تمہیں لاہور نہ بھیجا تو وہ بھی واپس کراچی نہیں آئیں گی۔ اس لئے مجبوری ہے۔“

”اچھا بھائی جان! وہ، میں ایک فون کر لوں؟“ اُسامہ نے سوچا جاتے جاتے کم از کم جبار کو بتا دے کہ وہ ڈاکٹر سے مل کر ساری بات کر لے گا۔ مگر بھائی جان نے اس کی بات سن کر کہا۔

”فون لاہور جا کر کر لینا۔۔۔ یا پھر مجھے بتا دو کہے کرنا ہے۔۔۔ میں کروں گا۔“ اُسامہ بغیر کچھ بتائے دانت پیتتا ہوا جہاز کی طرف بڑھ گیا۔ دل ہی دل میں اُسے بھابی پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ جہاں کہیں خاندان کا کوئی لڑکا لائق نکلا، لوگ گلے قبضہ جمانے۔ اونہ۔۔۔ اماں اور بھابی کی خواہش بھی کبھی پوری نہ ہوگی۔

ان ہی سوچوں میں گم سڑکت گیا۔ وہ لاہور لیٹر پورٹ سے باہر آیا تو بھابی کا بھائی گاڑی لے کر کھڑا تھا۔ ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ اُسامہ نے مصافحہ کیا اور گاڑی میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”کیا بھائی جان نے اطلاع کی تھی میرے آنے کی؟“

”ظاہر ہے۔۔۔ ورنہ ہمیں کیسے پتہ چلتا؟“ عدنان نے مسکرا کر کہا۔

”اب کیسے ہیں ماموں جان؟“ اُسامہ نے محض مرڈت میں پوچھا۔

”اب تو کافی ٹھیک ہیں۔۔۔ آپ سنائیں، کتنی چھٹیاں باقی ہیں؟“

”تھوڑی ہی باقی ہوں گی۔“ اُسامہ نے کہا اور باہر دیکھنے لگا۔ پھر گھر آنے تک وہ چپ ہی رہا۔

گھر پہنچتے ہی اماں نے اُسے یوں گلے لگایا جیسے برسوں بعد ملا ہو۔ ماموں نے بیار کیا اور شاہانہ شراحت سے اُسے دیکھ کر مسکرائے لگی۔ جبکہ چھوٹی کے بارے میں معلوم ہوا وہ کالج کی طرف سے اسلام آباد گئی ہوئی ہے۔ اُسامہ ماموں کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔ اُن کی طبیعت کا پوچھتا رہا اور ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ تب دوپہر کے کھانے کے بعد اماں نے کہا۔

”اب تم آرام کرو بیٹا۔۔۔ پھر شام کو تجھ سے بات کروں گی۔“

”کیسی بات؟“ اُسامہ نے شاہانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو مسکراتی ہوئی اُسامہ کو بہت بری لگ رہی تھی۔

”جے ایک بات۔۔۔ اب شام کو ہی بتاؤں گی۔“ اور اُسامہ اُٹھ گیا۔

”جاؤ شاہانہ بیٹی! اُسامہ کو کمرہ دکھاؤ۔“ اماں نے بیار سے کہا۔

”آئیے جناب!“ شاہانہ نے دروازے کی طرف ہاتھ کرتے ہوئے کہا اور اُسامہ ماں کو دیکھتے ہوئے باہر نکل گیا۔

”جناب! یہ ہے آپ کا کمرہ۔۔۔“ شاہانہ نے کھلے دروازے سے داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”شکریہ۔۔۔“ اُسامہ نے یہ سوچ کر کہا کہ وہ چلی جائے گی مگر وہ جانے کے موڈ میں ہرگز نہ تھی۔ اُسامہ کے قریب آتے ہوئے بولی۔

”آپ تو بہت بے وفا نکلے۔“

”وہ کیسے؟“ اُسامہ نے اُس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

”وہ ایسے کہ یہاں سے جا کر نہ خط لکھا نہ فون کیا۔ جبکہ آپ وعدہ کر کے گئے تھے کہ آپ فون ضرور کریں گے۔۔۔ اب بتائیں فون کیوں نہیں کیا؟“ وہ یوں سوال کر رہی تھی جیسے رات دیر سے آنے پر بیوی شوہر سے پوچھ گچھ کرتی ہے۔ اُسامہ کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کر گیا۔

”ارے آپ چپ ہیں۔۔۔ کچھ تو کہیں جناب!“ شاہانہ نے اچانک ہی اس کے گلے میں بانٹیں ڈال دیں۔

”شاہانہ۔۔۔“ اُسامہ نے اُس کے بازو ہٹاتے ہوئے گھور کر اس کو دیکھا۔

”بہت خفا لگتے ہو۔۔۔ حالانکہ یہ حق تو میرا تھا اُسامہ سعید صاحب!“

”پلیز، جاؤ یہاں سے۔“ اُسامہ نے جوتوں سمیت بستر پر لیٹتے ہوئے کہا۔

”ڈرتے ہو۔۔۔ یہاں اس کمرے میں کوئی نہیں آئے گا۔“ وہ جھک کر اُسامہ کے بوٹ اتارتے ہوئے بولی۔

”یہ کیا کر رہی ہو؟“ اُسامہ اُٹھ بیٹھا۔

”تمہارے جوتے اتارنے کی ریہرسل کر رہی ہوں کہ بعد میں بھی تو یہ کام مجھے خود ہی کرنا ہے۔“ شاہانہ نے ہنس کر کہا اور بوٹ اتار کر ایک طرف رکھ دیئے اور خود بھی اُسامہ کے قریب آ بیٹھی۔

”دیکھو، میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ پلیز مجھے تنہا چھوڑ دو۔“ اُسامہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو یہی کہہ دیا۔

”او کے۔۔۔ جو حکم۔ ہم تو غلام ہیں۔“ کہتے ہوئے شاہانہ نہ صرف باہر چلی گئی بلکہ جاتے جاتے دروازہ بھی احتیاط سے بند کر گئی۔

”اف۔۔۔ کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔۔۔ لگتا ہے بھابی اور بھائی جان یہاں سے کوئی پروگرام طے کر کے ہی گئے ہیں۔ اور وہ پروگرام کیا ہو سکتا ہے؟ شام تک لیٹا ہوا سوچتا رہا مگر نیند نہ آئی۔“

شام کی چائے پر وہ خود ہی اٹھ کر باہر آیا۔ سب ماموں کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ وہ بھی وہیں آ گیا۔ پھر چائے کے دوران بھی باتیں ہوتی رہیں مگر کوئی ایسی بات نہ ہوئی جو اُسامہ کو ناگوار گزرتی۔

اگلے روز وہ واپسی کے لئے تیار تھا مگر اجازت نہ ملی اور یہ اجازت پھر چار دن بعد ملی۔ اُسامہ پھر بھی خوش تھا چلو چار دن ضائع تو ہوئے مگر کوئی بات تو نہیں ہوئی۔ لیکن جانے سے پہلے جب وہ سب ماموں کے کمرے میں بیٹھے تھے تب ماموں نے اچانک کہا۔

”اُسامہ! اپنا ہاتھ تو دکھانا۔“

”کیوں؟“ کہتے ہوئے اُسامہ نے ممانی کو دیکھا۔

”ارے دکھاؤ تو سہی۔۔۔۔۔۔“ انہوں نے کہا اور پھر خود ہی اُسامہ کا ہاتھ پکڑ کر اگٹوٹی پہنادی۔

”یہ..... یہ کیا ہے؟“ اُسامہ نے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا۔ جس بات کا ڈر تھا آخر وہی ہو گئی تھی۔

”یہ تمہاری مگٹی کی اگٹوٹی ہے۔۔۔۔۔۔“ ماں کی بجائے ممانی نے کہا۔ ”تمہاری امی نے تولا اور آتے ہی شاہانہ کو اگٹوٹی پہنادی تھی یہ کہہ کر کہہ گھر کی بات ہے، دھوم دھام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔۔۔۔ تمہارا انتظار تھا مگر تم نہ آئے تو علی سے کہا وہ جا کر تمہیں بھیج دے۔“

”ہوں۔۔۔۔۔۔ تو یہ سازش تھی۔ اُسامہ نے دل ہی دل میں کھولتے ہوئے کہا مگر منہ سے چپ رہا۔ پیار ماموں کے سامنے وہ کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا۔ بس خاموشی سے اٹھ کر باہر آیا تو شاہانہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مبارک ہو اُسامہ!“

”کس بات کی؟“ اُسامہ نے ناگواری سے اُسے دیکھا۔

”اُسامہ! تم۔۔۔۔۔۔“ شاہانہ نے کچھ کہنا چاہا مگر وہاں ہر نکل گیا جہاں عدنان گاڑی لئے تیار کھڑا تھا۔ پھر ماں بھی آ گئیں اور وہ لیٹر پورٹ چلے آئے۔ عدنان ان کو چھوڑ کر چلا گیا۔ اُسامہ کا جی چاہا کہ ماں سے بات کرے کہ یہ خواب آپ کا پورا نہیں ہوگا۔ مجھ سے اجازت لئے بغیر جو قدم آپ نے اٹھایا ہے اسے خود ہی بھگتیں گی۔ مگر لیٹر پورٹ پر اور بھی بہت لوگ تھے اس لئے وہ چپ چاپ دانت پیتا رہا۔

”بڑے کینے ہو۔۔۔۔۔۔ اچھی طرح جانتے تھے کہ میری شادی ہے، پھر بھی چلے گئے۔ یار! شہزاد تو ادھر ہی مصروف ہے۔ میرا کاتو تمہیں ہی کرنا تھا۔“

اُسامہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی امی بین کر کہنے لگیں۔

”بیٹا! تمہاری شادی ہو رہی ہے؟“

”جی آئی۔“ جبار نے مسکرا کر کہا۔

”بہت اچھی بات ہے۔۔۔۔۔۔ میں نے بھی اُسامہ کی مگٹی کر دی ہے۔“ امی نے خوشی سے بتایا حالانکہ اُسامہ کو خفا دیکھ رہی تیں۔

”ارے کیا۔۔۔۔۔۔ اُسامہ کی مگٹی ہو گئی؟“ جبار نے گاڑی آہستہ کرتے ہوئے دیکھا تو ہاتھ پر بھی نظر پڑ گئی۔ جس میں اگٹوٹی چمک رہی تھی۔ مگر اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ موڈ ٹھیک نہیں۔

”مبارک ہو اُسامہ!“ جبار نے تھک کر کہہ دیا۔

”بکو اس مت کرو۔“ اُسامہ نے آہستہ سے کہا۔

”ہاں تو آئی! پھر شادی کب کر رہی ہیں؟“ جبار نے اُسامہ کے گھورنے کا اثر لئے بغیر کہا۔

”بس بیٹا! اگلی بار جب یہ چھٹی آئے گا۔“

”اب کی بار کیوں نہیں؟“

”جبار! انسان بنو۔“ اُسامہ نے غصے سے کہا۔

”ارے تو کیا پہلے انسان نہیں ہوں؟“ جبار نے ہنس کر اس کو دیکھا پھر گاڑی روکتے ہوئے بولا۔

”آئی جی! گھر آ گیا۔ اُسامہ کو میں اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔“ پھر ماں کے ترنے کے بعد گاڑی بڑھتے ہوئے بولا۔ ”ہاں بھئی۔۔۔۔۔۔ کیسے ہوئی یہ مگٹی؟“

”مند بند رکھو۔۔۔۔۔۔ میں اس موضوع پر نہ بات کرنا چاہتا ہوں نہ سننا۔ یہ بتاؤ اس وقت کہاں جا رہے ہو؟“

”گھر۔۔۔۔۔۔ جہاں آج میری ہندی ہے۔“ جبار نے شرمانے کی کوشش کی۔

”اوہ۔۔۔۔۔۔ معاف کرنا، پہلے تو میں جانا ہی نہیں چاہتا تھا مگر جانا پڑا۔ وہاں سے جلدی آنا چاہتا تھا مگر ان لوگوں نے آنے نہ دیا۔“

”میں سب سمجھتا ہوں یار! فکر نہ کرو۔۔۔۔۔۔ میری بارات کل ہے۔ اس میں تو شامل ہو ہی جاؤ گے۔ ویسے میں نے تمہارے بھائی جان سے لاہور کا نمبر مانگا تھا مگر انہوں نے دینے سے انکار کر دیا۔“

”ہوں۔۔۔۔۔۔ ان کا خیال ہے جیسے مگٹی کر دی ہے شادی بھی کر دیں گے۔ اونہہ۔۔۔۔۔۔ تم سناؤ، آفتاب کا اور شہزاد کا۔“

”سب ٹھیک ہے۔۔۔۔۔۔ شہزاد موقع نکال کر آفتاب کو ہا پہل لے گیا تھا اور اب آفتاب کی بیماری کا پتہ بھی چل چکا ہے۔ جمال اُس کی شوگر لورکھتا ہے۔“ جبار نے بتایا۔

”جمال نے خود بھی مجھے اس رات بتا دیا تھا جس کی صبح میں لاہور چلا گیا۔ خیر پھر کیا، کیا تم لوگوں نے۔۔۔۔۔۔ کیا آفتاب صحیح ہو گیا؟“

”نہیں۔۔۔۔۔۔ یہ لمبا سلسلہ ہے۔۔۔۔۔۔ اب میری شادی کے بعد اس کی تفصیل معلوم ہوگی۔“ جبار نے کہا اور گاڑی اپنے گھر کے باہر روک دی۔

جبار سے پہلے اُسامہ نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اتر کر سیدھا اندر چلا آیا تو سامنے برآمدے سے اترتی ہوئی فرحیہ سے سامنا ہو گیا۔ اُسامہ کو دیکھتے ہی فرحیہ نے پوچھا۔

”آپ کہاں چلے گئے تھا بھائی جان؟“ جبار بھائی کی شادی ہو رہی ہے اور سارا کام یونہی پڑا ہے۔۔۔۔۔۔ شہزاد بھائی کا بھی کچھ پتہ نہیں۔“

”مجھے معلوم تھا مگٹی! بس جانے کے لئے مجبور کر دیا گیا تھا۔۔۔۔۔۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ جبار کی شادی ہو اور میں غائب ہو جاتا۔ باقی رہا شہزاد تو اُس کا خود بھی پتہ نہیں۔ ابھی جبار آتا ہے تو پوچھتا ہوں۔“ اُسامہ نے پیار سے کہا۔ تب ہی جبار بھی اندر آ گیا۔ فرحیہ کو اُسامہ سے شکوہ کرتے دیکھ کر بولا۔

”یار! میں دو لہا ہوں۔۔۔۔۔۔ مجھ تو اپنے کمرے میں بیٹھنا چاہئے جبکہ میں ہی ہر کام کے لئے ادھر ادھر بھاگ دوڑ میں لگا ہوں۔ اب سارا کام تم سنبھالو۔۔۔۔۔۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھا تمہیں گائیڈ کرتا رہوں گا۔“

”پہلے بات تو یہ ہے کہ کمرے میں ولہن مایوں بیٹھتی ہے، دو لہا نہیں۔۔۔۔۔۔ دوسرے شہزاد کو بلا لیتے۔ کیا وہ نہیں آئے گا؟“ اُسامہ نے فرحیہ کے سامنے ہی پوچھ لیا۔

”یار! کہا تو تھا میں نے۔۔۔۔۔۔ مگر اُس کی بھی اب اپنی ہی مجبوریاں ہیں۔ کہہ رہا تھا، پہلے سے تو نہیں البتہ کوشش کروں گا عین وقت پر ہی تمہاری خوشی میں شامل ہو سکوں۔۔۔۔۔۔ اب دیکھو، چھٹی ملتی ہے پیارے کو یا۔“ جبار فرحیہ کی وجہ سے پوری وضاحت نہ کر سکا تو ہنسنے لگا اور اُسامہ بھی مسکرا دیا۔

”کیا شہزاد بھائی کوئی جا ب کر چکے ہیں؟“ فرحیہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔۔ آج کل تو جا ب ہی کر رہا ہے وہ۔“ اُسامہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔

”مگر اُن کو جا ب کی کیا ضرورت تھی۔۔۔۔۔۔ چھٹیاں تو آرام سے گزارتے۔ آخر کس چیز کی کمی ہے اُن کے ہاں۔ ایک ہی اولاد ہیں۔۔۔۔۔۔ آخر یہ سب کچھ اُن کا ہی تو ہے۔“ فرحیہ کہہ رہی تھی۔

”ایسے لوگوں کی قسمت میں آرام کہاں۔۔۔۔۔۔ سنا ہے والد صاحب نے اُس کا خرچ اٹھانے سے انکار کر دیا ہے۔ اس لئے شہزاد نے پیسوں کی کمی پوری کرنے کے لئے جا ب کر لی۔“ جبار نے مسکرا کر بات مکمل کی۔

”مگر جا ب تو تھی اُن کی۔۔۔۔۔۔ اور اُنکل تو ان کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ اور آپ خرچ کی بات کرتے ہیں۔“ فرحیہ نے جرح کی۔

”فرحیہ! شہزاد کی امی کا جھوٹا تو نہیں کھالیا؟“ اُسامہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”کیا مطلب؟“ فرحیہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

”تم ہی ان کے انداز میں جرح کر رہی ہو۔۔۔۔۔۔ ارے بابا! یہ مسئلہ شہزاد جانے یا اُس کے والد صاحب۔۔۔۔۔۔ مجھ سے کیوں وضاحتیں طلب کر رہی ہو؟“ یہ کہہ کر اُسامہ جبار کے والد کی طرف بڑھ گیا۔

مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظار لان میں کیا گیا تھا اور کھانے کا انتظام باہر روڈ پر راستہ بند کر کے کیا گیا تھا۔ کیونکہ جلدی کی وجہ سے میرج ہال کا بندوبست نہ ہو سکا تھا۔ اگرچہ شادی جلدی میں ہو رہی تھی مگر پوری دھوم دھام سے ہو رہی تھی۔ پوری کوٹھی برقی تقوں سے جگمگ رہی تھی اور یہ سارا کام عدنان، اُسامہ کے آنے سے پہلے کر چکا تھا۔ آج مہندی کی وجہ سے جبار کے دوسرے کزنز بھی آچکے تھے اور مختلف کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ جبکہ ان سارے کاموں کی مگرانی وہ خود کر رہا تھا تا کہ کوئی کمی نہ رہے۔

جائے۔ مہمانوں کے بیٹھے کے لئے کئے گئے انتظامات کو آخری بار دیکھ کر وہ باہر آیا تو کھانا بھی تیار ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی تک جبار کے سسرالی تو کیا ان کے ذاتی مہمانوں کی آمد بھی شروع نہ ہوئی تھی۔ اُسامہ دیگوں کے پاس کھڑ جبار کے کزن سے باتوں میں لگ گیا۔ اب کرنے کوئی الحال کوئی کم نہ تھا۔ وہ باتیں کر رہے تھے کہ جبار اندر سے آتے ہوئے بولا۔

”تم کپڑے بدلنے گھر نہیں جاؤ گے؟“

”کوئی خاص ضرورت تو نہیں۔“ اُسامہ نے لا پرواہی سے کہا۔

”یار! ضرورت تو ہے۔ میری شادی ہے۔“

”سمجھا کرو جبار۔۔۔ ابھی میں گھر جانا نہیں چاہتا۔ جب بھی گھر گیا مجھے بھابی بھیا سے منگنی ختم کرنے کی بات کرنا ہوگی۔ اور میری اس بات کے بعد وہاں ایک ہنگامہ ہو جائے گا جس کے بعد میرا موڈ درست نہیں رہ سکتا۔ اس لئے فی الحال میرا نہ جانا ہی بہتر ہے۔۔۔ ویسے بھی میں نے یہ کپڑے صبح ہی پہنے تھے۔ اور پھر میں کوئی لڑکی تو ہوں نہیں جس کا تیار ہونا بہت ضروری ہے۔“ اُسامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔۔۔ جیسے تمہاری مرضی۔“ جبار نے کہا۔ تب ہی مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ جبار، اُسامہ کے قریب ہی کھڑا تھا جب اچانک اُسامہ نے کہا۔

”یار جبار! اگر تمہاری اس خوشی کے موقع پر شہزادہ نہ آیا تو کیا خاک مزہ آئے گا۔“

”بات تو سچ ہے۔۔۔ اگر وہ یہاں ہوتا تو ایک ہنگامہ ہوتا۔ زبان تو اُس کی رکتی ہی نہیں۔۔۔ ہر وقت چلتی ہے۔ میں تو اُس کی کمی پہلے دن سے ہی محسوس کر رہا ہوں۔ مگر ظاہر ہے جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ بھی بہت ضروری ہے۔ ورنہ اس کی موجودگی اور زبان درازی اس موقع میں اور بھی اضافہ کرتی۔“

”اس کے باوجود وہ ہم میں سب سے زیادہ ذہین ہے۔“ اُسامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اس میں کیا شک ہے۔۔۔“ جبار نے کہا۔ پھر فرحیہ کی آواز پر اندر چلا گیا۔ اُسامہ وہیں کھڑا شہزادہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ نجانے کب تک سوچ میں گم رہتا کہ جبار کے سسرالی ہندی لے کر آگئے۔ پھر تو ناچ گانے کا ایک ہنگامہ شروع ہو گیا۔ مگر اُسامہ اندر نہ گیا۔ وہ باہر کھانے والا حصہ دیکھ رہا تھا کہ جبار کا کزن عدنان بلائے آیا۔

”اُسامہ! جبار تمہیں بلا رہا ہے۔۔۔ بیچارہ بہت مشکل میں ہے۔“ اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”یار! میں اُس کی یہ مشکل آسان نہیں کر سکتا۔ شہزادہ ہوتا تو پھر کوئی مشکل نہ ہوتی۔“

”پھر بھی، آپ اندر تو چلیں۔“ عدنان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اُسامہ اندر آیا تو ہنگامہ کچھ ختم چکا تھا اور لڑکیاں جبار کو گھیرے کھڑی تھیں۔ اگرچہ جبار کے کزن بھی اس کے پاس موجود تھے جو لڑکیوں کو ترکی بترکی جواب دے رہے تھے۔ اُسامہ مسکراتا ہوا جبار کے قریب آیا تو جبار نے پریشانی سے کہا۔

”بڑے بے مروت ہو۔۔۔ میں یہاں تمہاری مدد کا منتظر تھا اور تم۔۔۔“

”میں کیا کر لیتا۔۔۔ ویسے تمہارے کزن تو یہاں یہاں۔“ اُسامہ نے ہنس کر کہا۔

”یہی تو خرابی ہے۔۔۔ وہ سب آپس میں ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔۔۔ سارے دشتے دار جو ہوئے۔ اپنے کزنز سے بھلا کون لڑکی ڈرتی ہے۔ کاش اس وقت شہزادہ ہوتا تو میری جان یوں عذاب میں نہ ہوتی۔ یہ لڑکیاں۔۔۔ یارا ان کی زبان نہیں مٹھکتی۔۔۔ خاص کر اس قسم کی ترقیب میں تو لگتا ہے بولنے کا ریکارڈ قائم کر رہی ہوں۔“

”پوچھ کر دیکھ لو۔“ اُسامہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا۔۔۔؟“ جبار کا دھیان پتہ نہیں کہا تھا کہ پوچھنے لگا۔ اُسامہ جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ سامنے مین گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے شہزادہ پر نظر پڑ گئی اور اُسامہ حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔ کچھ عرصہ سے اُسامہ اُسے عام سے چلیے میں دیکھ رہا تھا۔ بکھرے بال، جینز، آلودہ ملگے کپڑے، پاؤں میں ریز کا جوتا۔۔۔ اس چلیے میں وہ ملازم ہی لگا کرتا تھا۔ مگر آج اس وقت شہزادہ نے بے داغ، سفید جدید تراش کا تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ پاؤں میں قیمتی بوٹ اور سلیقے سے بنائے گئے بالوں میں وہ بہت شاندار لگ رہا تھا۔ اُسامہ محبت سے اُس کو دیکھتا رہا گیا۔ اس کی نظروں میں بیاری بیاری تھا جو چھوٹے بھائی کو دیکھ کر بڑے بھائی کی آنکھوں میں آ جاتا ہے۔

اچانک اُس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب اُس نے شہزادہ کے بازو کے ساتھ لگی نرغ کو دیکھا۔۔۔ لباس شاید دونوں نے مشورہ کر کے پہنا تھا۔ کیونکہ وہ سفید نشو کے سادہ سوٹ میں ہلکے زیور اور مناسب میک اپ میں بہت بیاری لگ رہی تھی۔ اُس کو دیکھ کر اُسامہ کو یوں لگا جیسے سارے دنوں کی کوفت جاتی رہی ہو۔ وہ اُن کو دیکھتا رہا۔

یہاں تک کہ وہ دونوں ان کے قریب آگئے۔ انہوں نے بھی اُسامہ کو دیکھا تھا۔

جبار شہزادہ کو اچانک سامنے پا کر کھل اٹھا۔ شہزادہ نے شرارت بھرے انداز میں بھنویں اچکا کر جبار کا حال پوچھا پھر جواب کا انتظار کے بغیر باوقار انداز میں چلتا ہوا اپنی ماما کی طرف بڑھ گیا جبکہ نرغ اُسامہ کو دیکھ کر اس کے پاس رک گئی اور آہستہ سے سلام کیا۔

”کیسی ہو نرغ؟“ اُسامہ نے سلام کا جواب دینے کے بعد محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں۔“ وہ نجانے کیوں شرماری تھی۔ اُسامہ آفتاب اور جمال کا پوچھنا چاہتا تھا اور یہ بھی کہ یہاں تو شہزادہ کی آمد مشکوک سمجھی جا رہی تھی جبکہ اب تم بھی ساتھ کیسے آ گئیں۔ مگر اُسامہ کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی شہزادہ اپنی ماما کے ساتھ ان کے قریب چلا آیا تھا۔ ایک سرسری نظر اُسامہ پر ڈالی اور کہا۔

”مما! میں نے آپ کو فون پر بتایا تھا کہ مجھے ایک مٹی سی بہن مل گئی ہے۔۔۔ یہی ہے میری وہ بہن اور آپ کی بیٹی نرغ۔۔۔ اور نرغ! یہ میری بیاری ہی ماما ہیں۔“

نرغ نے ادب سے سلام کیا تو بیگم اشرف نے کھینچ کر اُسے اپنے گلے سے لگا کر بیاری کو نرغ کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔ یہ دیکھ کر شہزادہ نے کہا۔

”ارے نرغ! ماما کے ملنے پر لوگ خوش ہوتے ہیں یا روتے ہیں؟۔۔۔ چپ کرو۔“ وہ خواہ بھائیوں والا رعب دکھاتے ہوئے بولا۔

”خبردار شہزادہ جو میری بیٹی سے کچھ کہا۔“ بیگم اشرف نے شہزادہ کو مصنوعی غصے سے ڈانٹا تو نرغ مسکراتے لگی۔

”یہ ہوئی نابات۔“ نرغ کو مسکراتا دیکھ کر شہزادہ نے بھی مسکرا کر کہا۔ تب ہی پیچھے سے آتی ہوئی فرحیہ نے کہا۔

”شہزادہ بھائی! آپ کہاں چلے گئے تھے؟“

شہزادہ چونک کر مڑا اور پھر حیرت سے فرحیہ کو دیکھنے لگا۔

”کیا بات ہے۔۔۔ پہچانا نہیں؟“ فرحیہ نے ہنس کر پوچھا۔

”شاید۔۔۔“ اب کے شہزادہ بھی ہنس دیا۔

”یہ کون ہے؟“ فرحیہ نے نرغ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”یہ۔۔۔“ شہزادہ مسکرایا۔ ”تمہاری نئی سہیلی اور میری بہن نرغ۔ اور نرغ! یہ جبار کی چھوٹی بہن فرحیہ۔ اب تم اس سے باتیں کرو۔“ پھر وہ جبار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُسامہ کو نظر انداز کر دیا جیسے اُسے دیکھا ہی نہ ہو۔

نرغ، فرحیہ سے باتوں میں لگ گئی۔ اچانک فرحیہ کسی کے بلانے پر دوسری طرف گئی تو نرغ پھر اُسامہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”آپ اچانک کہاں چلے گئے تھے بغیر کچھ بتائے؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔

اُسامہ کے جواب دینے سے پہلے ہی شہزادہ جو جبار سے باتوں میں مصروف تھا مگر کان شاید اُن کی باتوں کی طرف ہی لگا رکھے تھے، پلٹ کر بولا۔

”یہ منگنی کروانے لاہور گئے تھے۔ تم نے اُن کے ہاتھ میں یہ انگٹھی نہیں دیکھی؟“

”مم۔۔۔ منگنی؟“ نرغ نے بات ادھوری چھوڑ کر پہلے اُسامہ کو دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ میں پہنی ہوئی انگٹھی کو اور ہنوت دانتوں میں دبایا۔

اُسامہ نے گھور کر شہزادہ کو دیکھا تو وہ مسکراتا ہوا پھر جبار کی طرف متوجہ ہو گیا اور اُسامہ کا سارا بھر جوا بھی کچھ دیر پہلے اُسے دیکھ کر آیا تھا ایک دم غصے میں بدل گیا۔ مکیہ ناب ہر وقت میرا دل جلانے کے پکر میں رہتا ہے۔۔۔ اور یہ جبار زلیل آتے ہی میری منگنی کا قصہ سنانے بیٹھ گیا جیسے وقت کی اہم خبر بھی تو تھی۔

اُسامہ نے نرغ کو دیکھا۔ وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ کچھ دیر پہلے والی خوشی اس کے چہرے سے مفقود ہو چکی تھی۔

”نرغ۔۔۔“ اُسامہ نے پکارا۔

”جی۔۔۔“ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو اُسامہ چونک پڑا۔ اُس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

”نرغ! کیا بات ہے؟“ اُسامہ نے یہ بات سنانے کیوں پوچھی تھی۔

وہ کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ نظریں جھکائے کھڑی رہی۔ اُس کی یہ کیفیت دیکھ کر بس اچانک ہی اُسامہ کے اندر باہر ایک خوشی سی پھیل گئی۔ اُس کی یہ حالت کیا یہ بتانے کے لئے کافی نہ تھی کہ وہ بھی اس سے محبت کرنے لگی ہے۔

اُسامہ تو پہلی نظر دیکھتے ہی اُس کی محبت کا سیر ہو گیا تھا مگر جمال کے غلط رویے کو وجہ سے اُس نے اپنی محبت کو اپنے دل میں چھپا لیا تھا۔ لیکن اب نرغ کی حالت دیکھ کر اُس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ لوگ ٹھیک کہتے ہیں، محبت کی آگ دونوں طرف برابر لگتی ہے۔ اس کا ثبوت اس وقت نرغ کی صورت میں اس کے سامنے

تھا۔ اگر اُس کو اُسامہ سے محبت نہ ہوتی تو اس کے منگنی شدہ ہونے پر اُس کو نسرودہ ہونے کی کیا ضرورت تھی۔

”بہت خوش ہو منگنی کروا کر۔“ شہزاد نے پھر دل جلانے کی کوشش کی۔ اُسامہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس ہلکے ہلکے مسکراتا رہا شہزاد کو چڑانے کے لئے۔

”ویسے تو ہمارے مذہب میں سونا حرام ہے مردوں کے لئے۔ مگر منگنی کی ڈیڑھ تو لے کی انگٹھی پہن کر لوگ اسی طرح اترتے ہیں۔“ وہ واقعی چڑ گیا۔

”تم کیوں کباب ہو رہے ہو۔۔۔ کہلو تمہارے لئے بھی آٹنی سے بات کروں؟“ اُسامہ نے نزع کو بغور دیکھتے ہوئے بات شہزاد سے کی۔

”سنا ہے نیکی بتا کر نہیں کرتے۔“ شہزاد نے نجانے کس خیال میں کہا، پھر نزع کو دیکھا اور نزع کی کیفیت اس سے چھپی نہ رہ سکی۔

”ادھر میرے پاس آؤ نزع! شہزاد نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

”بس یا مزید کچھ اور؟“ اُسامہ نے اُس کو نزع کی طرف متوجہ دیکھ کر پوچھا۔

”تم واقعی غصیٹ ہو۔“ شہزاد نے دانت چیتے ہوئے اس کو دیکھا۔ اُسامہ اُس کو کچھ کہتا ہی چاہتا تھا کہ جبار کے والد نے بلایا اور کھانا لگوانے کی ہدایت کی۔ اُن کی بات سن کر وہ سب کچھ بھول کر باہر نکل گیا۔ شہزاد، جبار کی سسرالی لڑکیوں سے سوال و جواب کرنے لگا تھا۔ نزع بھی اُس کے قریب ہی کھڑی تھی۔

نزع سے اُسامہ کا دوبارہ سامنا شامیانی کے اندر ہوا تھا جہاں کھانا کھلایا جا رہا تھا۔ نزع فریضہ کے ساتھ آئی تھی مگر شاید وہ کھانے سے انکاری تھی کیونکہ فریضہ بڑے

اصرار سے کھلا رہی تھی۔ اُسامہ اُن کے قریب چلا آیا۔ ایک نظر نزع کے چہرے پر ڈالی جو سنبھل چکی تھی مگر چہرے پر اب بھی وہ تازگی نہ تھی جو شہزاد کے ساتھ آتے وقت

تھی۔ اُسامہ کے دل میں آیا اپنی اس زبردستی والی منگنی کے بارے میں صاف صاف بتا کر اُس کا موڈ درست کر دے۔

مگر دوسرے ہی لمحے اُس کا دل سنگ اٹھا۔ شہزاد کا خیال آتے ہی اس نے سوچا جس نے یہ غلطی نہیں پیدا کی ہے وہی اس کو دور کرے گا تو بات ہوگی۔ وہ خود نزع کو کچھ نہیں

بتائے گا۔ دیکھتا ہوں کب تک نہیں بتاتا۔

”اُسامہ بھائی! یہ نزع کھا ہی نہیں رہی۔“ فریضہ نے اُسامہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا بات ہے بھئی؟“ اُسامہ نے نزع کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“

”پھر کھا کیوں نہیں رہی ہو۔۔۔ بھوک نہیں یا کھا کر آئی ہو؟“

”بھو۔۔۔۔۔۔ بھوک نہیں۔“ اُس نے پھر آہستگی سے کہا۔

”بھوک نہیں ہے یا اپنے بھائی کے بغیر کھانا نہیں چاہتی ہو؟“ نجانے کیسے اُس کے لہجے میں طنز شامل ہو گیا۔ حالانکہ نزع کا بھلا شہزاد کی فالتو بیکواس سے کیا تعلق۔ اُس

نے خود کو سرزنش کرتے ہوئے نزع کو دیکھا۔ وہ حیرانی سے اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔

”چلو نزع! کھانا کھاؤ۔۔۔ بے شک کم ہی سی۔“ اُسامہ نے کہا بلکہ خود پلیٹ میں ڈال کر جب نزع کو دے رہا تھا تب اچانک وہ غصیٹ چلا آیا۔ مگر غنیمت ہوا کچھ

کہنے کی بجائے مسکراتا ہوا پاس سے گزر گیا اور وہ خود بھی نزع سے الگ ہٹ گیا۔

جبار کے سسرالی جس طرح ہلاک کرتے آئے تھے اسی طرح لوٹ گئے اور اب ادھر سے جانے کی تیاریاں ہونے لگی تھیں۔ اُسامہ باہر کھڑے جبار کے کزن عدنان سے

باتیں کر رہا تھا جب شہزاد نزع کے ساتھ باہر نکلا۔ ہمراہ جبار بھی تھا۔ وہ تینوں شہزاد کے گھر کے گیٹ کی طرف گئے جہاں شہزاد کا ڈرائیور شہزاد اسی کے کہنے پر گاڑی لے

کھڑا تھا۔ اُن کے بیٹھے ہی گاڑی چل دی۔ جبار اُسامہ کی طرف آیا تو اُسامہ نے پوچھا۔

”یہ لوگ ابھی سے کیوں چلے گئے؟“

”کہتے تھے زیادہ رُکنا ٹھیک نہیں۔“

”آئے کیسے تھے؟“

”جمال اور جو کو بے ہوش کرنے کے بعد۔۔۔ ویسے وہ سونے کے لئے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ مگر احتیاطاً شہزاد نے یہ کام بھی دکھا دیا۔ اور اپنے ڈرائیور کو وہ

پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ فلاں وقت پر فلاں جگہ گاڑی لے کر آ جانا۔ یوں گھر کے پچھلے حصے سے یہ لوگ نکل آئے کہ گیٹ پر تو جمال کا وفادار چوکیدار موجود تھا۔“ جبار

بات ختم کر کے اندر جانے لگا تو اُسامہ نے کہا۔

”مجھے سونے کی جگہ بتا دو۔۔۔ نیند آرہی ہے۔۔۔ دو بج رہے ہیں۔“ حالانکہ نزع کے جانے کے بعد وہ خود بھی ان ہنگاموں سے دور ہونا چاہتا تھا۔

”میرا کمرہ حاضر ہے۔۔۔ ویسے ادھر تو شور ہوگا۔ تم شہزاد کے گھر چلے جاؤ۔ آرام سے سو سکو گے۔“ جبار نے کہا۔

”اور شہزاد کی ماما کی باتیں؟“ اُس نے ڈرتے ہوئے کہا۔ ”وہ کہیں بیہوش پوچھیں کہ شہزاد آج کل کہاں ہوتا ہے؟۔۔۔ رہائش کا تمہیں تو بتایا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔“

”یارا وہ ابھی ادھر ہی ہیں۔“ جبار ہنسنے لگا تو اُسامہ شہزاد کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ گھر میں ملازموں کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا۔ اُسامہ سیدھا شہزاد کے کمرے میں آیا۔

شپ پر جانے سے پہلے ہی وہ کبھی کبھار یہاں رہ جاتا تھا تو شہزاد کے کمرے میں سوتا تھا اس لئے وہ لائٹ آن کئے بغیر بیڈ کی طرف آیا اور جوتے اُتار کر بستر پر گر گیا۔

تھکن اس قدر زیادہ تھی کہ لیٹنے ہی سو گیا۔

صبح ملازم کی دستک سن کر آنکھ کھلی تو پتہ چلا دس بج رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اُسامہ جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ بیڈ کے پاس رکھی شہزاد کی چپل پہن کر وہ باہر نکل گیا۔ نہا کر

کمرے میں آیا اور وارڈ روب کھول کر ایک نظر شہزاد کے سوٹوں پر ڈالی، پھر گرے کٹر کا شلوار سوٹ نکال کر وارڈ روب کو بند کر دیا۔ سوٹ بدل کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے

سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا جب ملازم نے اندر آتے ہوئے کہا۔

”بیگم صا حبنا شے پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔“

اُسامہ نے سوچا ضرور شہزاد اور نزع کے بارے میں پوچھیں گی۔ اب پتہ نہیں شہزاد نے نزع کے بارے میں کیا بتایا ہوگا۔ کچھ غلط نہ بول دوں۔ افوہ، کیا کروں۔۔۔ وہ

اسٹڈی ٹیبل والی کرسی پر بیٹھ گیا اور ملازم سے کہا۔

”تم چلو، میں آتا ہوں۔“

ملازم ”جی اچھا“ کہہ کر باہر نکل گیا۔ تب اچانک اُسامہ کی نظر میز پر کھلے پڑے لیٹر پیڈ پر پڑی اور وہ چونک گیا۔ کیا یہ سب شہزاد نے لکھا ہے؟۔۔۔ ظاہر ہے اُسی نے

لکھا ہوگا۔ کمرہ بھی اُس کا تھا اور لکھائی بھی اُسی کی تھی مگر حیرت کی بات۔۔۔ اُسامہ نے ایک بار پھر پڑھا۔

”لف لفظ دوراں ہے لفظ جنت بھی

ہائے کیا چیز ہے محبت بھی“

اس کے نیچے لکھا تھا۔

”کاش! میں تمہیں بتا سکتا کہ تمہارے بغیر میری زندگی کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ تم تو میری زندگی کا حاصل ہو۔ میری پہلی خواہش ہو۔۔۔ میں ہر وقت تمہیں اپنے

قریب محسوس کرنے کے باوجود چپ رہنے پر مجبور ہوں حالانکہ۔۔۔

”تم میرے پاس ہوتے ہو کو یا

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

”ڈیڑہ!“

آگے پتہ نہیں کیا لکھ کر اُسے منادیا تھا۔ اُسامہ کے لئے بڑی حیرت کی بات تھی کہ شہزاد بھی کسی سے محبت کرنا تھا۔ مگر وہ ہستی تھی کون جس کے سامنے شہزاد کو اظہار کی جرأت نہ تھی۔

ارے۔۔۔ یہ شہزاد کتنا کمینہ ہے۔۔۔ چپکے چپکے دوستوں کو بتائے بغیر محبت کر رہا تھا۔ حالانکہ ہم نے کبھی کوئی بات ایک دوسرے سے نہ چھپائی تھی۔

’اچھا۔۔۔ ذرا جبار کی شادی ہو لے، پھر خبر لوں گا۔‘ اُسامہ نے سوچا۔ تب ہی ملازم پھر آ گیا اور وہ بھی اٹھ گیا۔ ناشتے کی میز پر اشرف صاحب بھی موجود تھے۔ وہ ان

دونوں کو سلام کرتے ہوئے بیٹھ گیا تو بیگم اشرف نے کہا۔

”جاننے ہو آج بہت دنوں بعد اس کرسی پر کوئی بیٹھا ہے۔۔۔ یہ شہزاد کی ہے۔ جب سے وہ گیا ہے تب سے ہم دونوں اکیلے ہی ناشتہ کر رہے ہیں۔“

”جی۔۔۔“ اُسامہ نے سلاٹس پر مکھن لگاتے ہوئے کہا۔

”اس بار تو وہ چھٹیوں میں بھی گھر نہیں بیٹھا۔۔۔ ہمارے پاس نہیں رہا۔ نجانے ایسا کون سا کام آپڑا ہے اُس کو۔“ بیگم اشرف کی آواز بھرا گئی تو اُسامہ نے سوچا نزع

کے ہاں شہزاد کی ڈیوٹی لگا کر اُس نے اُس کے ماما پاپا کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ یہ کام اُسے خود کرنا چاہئے تھا۔

مگر وہ کیسے کر سکتا تھا؟۔۔۔ اُسے تو جمال اچھی طرح جانتا تھا۔ اور جبار تو اُس کے لئے آفس میں جاب کا سوچا تھا مگر اب شادی کے بعد وہ کہاں جاب کر سکے گا

۔۔۔ جبکہ اُس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔۔۔ اُسامہ ناشتہ کرنے کے ساتھ ساتھ سوچ بھی رہا تھا۔

”پھر اب کیسے ہوگی؟“ اُسامہ نے پوچھا۔

”بہی تو میں جاننے کی کوششیں کر رہا ہوں۔۔۔ جانتے ہو میرے ہزار بار کہنے پر وہ ایک بار ہلکا سا مسکرائی بھی نہ تھی اور آج کل خوب قہقہے لگا کر ہنستی ہے۔۔۔ مگر یہ ہنسی میرے لئے نہیں ہوتی۔ بلکہ مجھے تو اپنے لئے اس ہنسی میں طنز محسوس ہوتا ہے۔ اور اب میں یہ سچویشن زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔ اب میں نزع کو بتا کر رہوں گا کہ ابھی میں اتنا ارزاں بھی نہیں ہوا کہ ایک چھوٹی سی ٹی سی چٹیا مجھے چڑا سکے یا نظر انداز کر سکے۔“

”جمال صاحب! یہاں آپ کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتے۔ جو آپ کو گھر سے نکال دے گی۔“ اُسامہ نے یہ جاننے کے باوجود بھی کہ جو اُس کی ساتھی ہے، حور ہی کے حوالے سے بات کی۔ حالانکہ نزع کو یہ ساری جراتیں تو شہزاد نے دی تھیں۔ ایک بھائی کی موجودگی میں، بہن خوفزدہ نہیں ہو سکتی تھی۔ جبکہ بھائی بھی شہزاد جیسا کمینہ ہو۔

”حور کی کیا ہمت ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے اب آفتاب کے ساتھ ساتھ اُس کا پتا بھی کاٹنا پڑے۔۔۔ اب مجھے انجام کی پروا نہیں۔۔۔ بس میں نزع کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ اُس کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کتنی بھی بہادر بن جائے، میرا مقابلہ نہیں کر سکتی۔“ جمال دانت پھینتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”چھوڑیے جمال صاحب! آپ تو زیادہ ہی سیریس ہو گئے۔۔۔ پہلے آفتاب کا سوچ لیں، تب پھر بعد میں نزع کا انجام بھی کر دیجئے گا۔“

”ہو سکتا ہے نزع کا انجام آفتاب سے پہلے ہو جائے۔“ جمال نے کہا تو اُسامہ کا خون کھولنے لگا۔ مگر اُسے ضبط کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اجازت لے کر چلا گیا۔ جمال کے منہ سے مزید ایسی باتیں سننا تو ضبط نہ کر پاتا۔ اب اُسے اور بھی فکر ہو گئی تھی۔ اُس نے سوچا، جبار سے بات کرے گا۔ وہ شہزاد کو سمجھائے گا۔ کیونکہ اُسامہ کو یقین تھا کہ نزع یہ سب کچھ اسی کے کہنے پر کر رہی تھی جبکہ ابھی اُس کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

آفتاب ہاؤس سے نکل کر وہ سیدھا طارق روڈ آیا تا کہ جبار اور اُس کی ڈیلر کے لئے گفٹ لے سکے اور خود اپنے لئے بھی ایک آدھ سوٹ خرید لے۔ کیونکہ گھر جانے کا اُس کا موڈ نہ تھا۔

رات کو بارات جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں جب شہزاد آیا۔ اُس نے سیاہ ڈزرسوٹ پہن رکھا تھا جبکہ نزع غیر وزی سادہ سوٹ پر ہلکا سا کا مڈرو پٹہ اوڑھے ہوئے تھی۔ اُن کو دیکھتے ہی فریضہ نزع کی طرف بڑھی جبکہ شہزاد سیدھا جبار کی طرف آیا۔ مووی بن رہی تھی۔ وہ کچھ دیر کھڑا مووی غواٹا رہا، پھر اپنے والد کی طرف بڑھ گیا۔ فریضہ کے بعد نزع، بیگم اشرف سے مل رہی تھی۔ پھر نجما نے کیا بات ہوئی وہ زور سے ہنس پڑی۔ اُسامہ نے حیران ہو کر اُسے دیکھا۔ تب ہی اُس کی نظر اُس پر پڑ گئی اور وہ تیزی سے اُس کے قریب آئی اور مسکرا کر اُسے سلام کیا۔

”بہت دیر کر دی آنے میں۔“ اُسامہ نے بغور اُس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا جس پر کل والی انہر دگی دور دور تک نظر نہ آرہی تھی

”وہ جمال بھائی آج دیر سے آئے تھے اور اُن کے آنے سے پہلے تو ہم نکل ہی نہ سکتے تھے۔ بس یہی وجہ ہے دیر کی۔“ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی اور جبار اُسامہ کی منگنی کی انگٹھی کو بھی دیکھ رہی تھی۔ اُسامہ سمجھ گیا شہزاد نے بات صاف کر دی ہے۔ وہ دل ہی دل میں مسکرایا مگر بظاہر چپ چاپ کھڑا رہا۔ اچانک جبار نے آواز دے کر کہا۔

”یار! بارات روانہ ہونے والی ہے۔۔۔ کچھ خیال کرو۔۔۔ اس مووی میں تم دونوں نخرہ دکھانے کی بجائے ذرا ایک بار میرے ساتھ بیٹھ کر، کھڑے ہو کر مووی تو غوا لوتا کہ مووی دیکھنے کے بعد معلوم ہو ہم تینوں ہی یہاں موجود تھے۔“

جبار کی بات پر اُسامہ ہی نہیں، شہزاد بھی مسکراتا ہوا چلا آیا اور پھر وہ دونوں باڈی گارڈز کی طرح اُس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔

جبار کی ڈیلر کو گفٹ اُسامہ نے ویسے والے روز دیا تھا۔ کیونکہ بارات کی واپسی رات گئے ہوئی تھی اور واپس آتے ہی وہ کوئی کام نہ پا کر شہزاد کی طرف سونے چلا گیا۔ پھر ویسے والی رات جب وہ فارغ ہوا تو جبار رسم کے مطابق اپنے سسرال جا چکا تھا جبکہ نزع اور شہزاد آئے ہی تھوڑی دیر کے لئے تھے اور پھر چلے گئے تھے۔ وجہ معلوم نہ کر سکا تھا کہ کام میں بے حد مصروف تھا۔

لیکن جب رات گئے تین دن بعد اپنے گھر میں داخل ہوا تو سب بے خبر سو رہے تھے۔ دروازہ بھی ملازم نے کھولا تھا۔ وہ آرام سے اپنے کمرے میں آیا اور لباس بدل کر سونے کی تیاری کرنے لگا۔

صبح جب وہ اٹھا تو بھائی جان آفس جا چکے تھے اور دونوں بچے سکول۔ گھر میں صرف بھابی اور امی تھیں۔ اُسے دیکھتے ہی بھابی مسکرائیں اور انگٹھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”منگنی کروا کر آتے ہی کہاں غائب ہو گئے تھے؟“

”امی کو معلوم تھا میرے دوست جبار کی شادی تھی مجھے وہاں کا سارا کام دیکھنا تھا۔ فرصت کہاں ملی گھر آنے کی۔“

”فون کر کے اطلاع تو کر ہی سکتے تھے اپنے نہ آنے کی۔“

”ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی میں نے۔“ یہ کہہ کر اُسامہ نے انگٹھی اُتار کر بھابی کے سامنے رکھ دی۔

بھابی نے حیران ہو کر انگٹھی کو دیکھا اور پوچھا۔

”اُتار کیوں دی۔۔۔ خیریت؟“

”اس لئے کہ سونا مردوں کے لئے حرام ہے۔“ اُسامہ نے کہا۔

”تو پھر وہاں کہتے، وہ لوگ ڈائننگ ٹیبل پہنا دیتے۔“ بھابی نے ہنستے ہوئے کہا۔

”امی! اُسامہ نے بھابی کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔“ میں نے آپ کو منع بھی کیا تھا کہ میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے باوجود آپ نے یہ سب کیوں کیا؟“

”ارے منگنی ہی تو کی ہے۔۔۔ شادی تو جب کہے گا تب ہی ہوگی۔“ امی نے بھابی کے ہاتھ سے انگٹھی لیتے ہوئے کہا۔

”امی! آپ میری بات کو ٹھیک سے سمجھی ہی نہیں۔۔۔ مجھے ابھی نہ منگنی کرنی ہے نہ شادی۔“

”لیکن اب تو منگنی ہوگی۔“ بھابی مسکرائیں۔

”نہیں بھابی جان! یہ منگنی ہوئی نہیں، زبردستی کی گئی ہے۔ اس لئے میں اس کو ختم کرنا ہوں۔۔۔ وہاں میں ماموں کی وجہ سے بلکہ اُن کی بیماری کی وجہ سے چپ رہا لیکن اب یہ انگٹھی آپ سنبھال کر رکھیں۔ جب اُن میں سے کوئی یہاں آئے گا تو واپس کر دیجئے گا۔“

”اُسامہ۔۔۔ ایٹو کیا بک رہا ہے؟“ امی نے غصے سے کہا۔ بھابی بھی حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔ لیکن اب اُسے کسی کی پروا نہیں تھی۔ اب جب یہ بات صاف ہو گئی تھی کہ نزع بھی اُس سے محبت کرتی ہے تو ایسے میں شاہانہ سے شادی ناممکن سی بات تھی۔ اور اگر نزع نہ بھی اُسامہ کے راستے میں آئی ہوتی تب بھی شاہانہ سے شادی نہ کرنا کہ اُس کی عادتیں پسند نہیں تھیں۔

”ارے بولتا کیوں نہیں۔۔۔ اب چپ کیوں ہے؟۔۔۔ کیوں منگنی ختم کرنا چاہتا ہے؟۔۔۔ کیوں مجھے بھائی کی نظروں میں ذلیل کرنا چاہتا ہے؟“ امی کہہ رہی تھیں۔ مارے غصے کے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ غصہ تو بھابی کے چہرے پر بھی تھا مگر وہ چپ تھیں۔ شاید یہ سوچ کر کہ جب ماں بات کر رہی ہے تو انہیں کیا ضرورت ہے بولنے کی۔

”امی! میں کسی اور کو پسند کرنا ہوں۔۔۔ اس لئے شاہانہ سے شادی نہیں کر سکتا۔“ بالآخر اُسے کہنا پڑا۔

”کون ہے وہ؟“ امی نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

”ابھی نہیں۔۔۔ لیکن جلد ہی وقت آنے پر بتاؤں گا۔“

”کیسا وقت؟“ امی نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”مناسب وقت۔۔۔“ اُسامہ نے کہا اور مزید بحث سے بچنے کے لئے گھر سے باہر چلا گیا۔

جبار اپنے سسرال میں تھا اور شہزاد سے اُس کی بات چیت بند تھی۔ وہ ابھی تک ناراض تھا۔ وجہ نجما نے کیا تھی۔ وہ کیا چاہتا تھا؟ باقی بچا جمال، اُس کے پاس وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔۔۔ یہی وجہ تھی وہ سیدھا سمندر پر آیا اور آفتاب کے بارے میں سوچنے لگا۔

جمال اُس کی شوگر کم رکھتا تھا۔ اب ڈاکٹر پوری کر دیں گے تو یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس کے بعد جمال کا کیا کرنا ہوگا؟ ظاہر ہے وہ وہ کثیر بظاہر کتنا بھی ایک دوسرے کا خود کو دشمن ظاہر کریں ان کا پروگرام تو ایک ہی تھا۔۔۔ خیر اُس کا کام تو آفتاب کی جان بچانا تھا۔ وہ ٹھیک ہو جائے تو وہ اُس کو جمال اور حور کے بارے میں صاف صاف بتا دے گا۔ پھر وہ جو بھی فیصلہ کرے۔ فی الحال جمال کے خلاف کوئی بھی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔۔۔ جبکہ قانون ثبوت مانگتا ہے۔ اور کیا گل اور آفتاب جو پسند کی شادی میں دھوکا کھا چکے ہیں، کیا اس بات کو مان لیں گے کہ نزع بھی پسند کی شادی۔۔۔

’اوہ۔۔۔ یہ میں کیا قبل از وقت سوچ رہا ہوں۔ مجھے تو بھائی جان کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ امی، بھابی کی باتوں کو اہمیت نہ دیتے ہوئے وہ گھر سے باہر آ گیا تھا مگر بھابی جان سے کیسے بچا جائے۔ کیا مصیبت ہے؟ یہ چھٹیاں بھی ختم ہونے میں نہیں آ رہیں۔ ابھی چند روز مزید گھر والوں کے ساتھ گزارنا ہوں گے اور

باتیں سننا ہوں گی۔ کیا بکواس ہے، بندہ اپنی زندگی کا اہم فیصلہ بھی خود نہیں کر سکتا۔ خیر، دیکھتا ہوں بھائی جان کیا کہتے ہیں۔ مگر میں ان کو کہنے کا موقع ہی نہیں دوں گا۔ میں رات گئے گھر جایا کروں گا اور صبح بھائی جان کے آفس جانے کے بعد اٹھا کروں گا۔

اور پھر اُسامہ نے یہی کیا تھا۔ سارا دن ادھر ادھر آوارہ گردی کی اور رات گئے جب گھر میں داخل ہوا تو سب سو چکے تھے۔ کھانا وہ باہر سے ہی کھا کر آیا تھا اس لئے خود بھی مسکراتا ہوا سونے کی تیاری کرنے لگا۔

صبح ابھی وہ سو رہا تھا جب ملازم نے دروازے پر دستک دی اور اُس نے اس کو ڈانٹ کر بھاگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر دستک ہوئی۔ اُس نے پھر نوکر کو ڈانٹا چاہا تھا کہ بھائی جان نے آواز دی۔

”انسان بن کر اٹھ جاؤ۔۔۔ میں ناشتے پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“

”آپ میرا انتظار نہ کریں بھائی جان! میں بعد میں ناشتہ کر لوں گا۔“ اُس نے سب کچھ جاننے کے باوجود انجان بننے ہوئے کہا۔

”بکواس مت کرو۔۔۔ فوراً اٹھ جاؤ۔“ بھائی جان نے غصہ بھرے لہجے میں کہا تو وہ سمجھ گیا کہ بھائی اور امی اپنا کام کر چکی ہیں اور اب اُسے بھی اٹھنا ہوگا۔

”آپ چلیں بھائی جان! میں ابھی تیار ہو کر آتا ہوں۔“ اُسے کہنا پڑا۔

”سیدھا ناشتے کی میز پر آنا۔ بھاگ نہ جانا۔“ کہہ کر بھائی جان چلے گئے۔ مجبوراً اُس کو اٹھنا پڑا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آیا تو بھائی، بھائی جان سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ اُسے دیکھ کر چپ ہو گئیں۔ وہ بھی چپ چاپ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور اخبار اپنے سامنے پھیلا کر پڑھنے کی بجائے اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ بھائی جان کچھ کہیں۔

”پہلے ناشتہ کرو، بات بعد میں ہوگی۔“ بھائی جان نے اُسے اخبار پڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

اس نے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور ناشتہ کرنے لگا۔ ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ بھائی جان نے کہا۔

”یہ کیا خرافات پھیلا رکھی ہے تم نے؟“

”میں سمجھتا ہوں بھائی جان؟“ اُسامہ نے ایک بار پھر اخبار کھولتے ہوئے دانستہ اُن کو دیکھنے سے گریز کیا۔

”مگنی کی انگوشی کیوں اُتار دی تم نے؟“ بھائی جان نے یوں کہا جیسے وہ جہاں سے منہ سے سننا چاہتے ہوں۔

”اس لئے کہ مجھے یہ مگنی پسند نہیں تھی۔ آپ سب نے مجھے بتائے بغیر زبردستی کی تھی۔“

”فضول باتیں مت کرو اُسامہ! یہ.....“ بھائی جان نے کہا کہنا چاہتے تھے کہ اُس نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔

”بھائی جان! میں نے آپ سب سے پہلے ہی کہا تھا کہ میں ابھی مگنی، شادی نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے باوجود آپ نے مجھے دھوکے سے لاہور بھیج دیا۔“

”وہ اس لئے کہ ہم نے سوچا مگنی ابھی ہو جائے، شادی جب تم کہو گے تب ہوگی۔ مگر اب تم ایک نئی کہانی بنا رہے ہو۔ کون ہے وہ لڑکی جس کی وجہ سے تم شادی سے انکار کر رہے ہو؟“

”ابھی میں اُس کے بارے میں بتانا نہیں چاہتا۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کا لہجہ خشک ہو گیا۔

”مگر میں ابھی سننا چاہتا ہوں۔“ بھائی جان نے غصے سے کہا۔

”بھائی جان! میں مجبور ہوں۔“

”اور ہم بھی مجبور ہیں۔ تمہیں اگر شاہانہ سے شادی نہیں کرنا تھی تو سیدھی طرح کہتے کہ میں یہاں شادی کرنا نہیں چاہتا۔ اس طرح امی، ماموں کو سمجھا سکتی تھیں کہ وہ مجبور ہیں، اُسامہ نے اپنے لئے خود لڑکی دیکھ لی ہے۔ مگر اب۔۔۔“ وہ رُکے، گھور کر اُسے دیکھا اور فرما کر کہا۔ ”اب یہ ناممکن ہے۔ امی، ماموں سے انکار نہیں کر سکتیں۔ اب تمہیں شاہانہ سے ہی شادی کرنا ہوگی۔ بھول جاؤ اُس لڑکی کو۔ یہ مگنی ختم نہیں ہو سکتی۔ یہ لو انگوشی اور اس کو بہن کو سیدھی طرح ورنہ.....“ انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”آپ زیادتی کر رہے ہیں بھائی جان! شادی مجھے کرنا ہے اور اپنی پسند.....“

”بکواس بند کرو اور انگوشی پہن لو۔“ بھائی جان دباڑے۔

”اچھی بات ہے۔۔۔ انگوشی پہن لیتا ہوں مگر شادی شاہانہ سے ہرگز نہیں کروں گا۔ کیونکہ مجھے.....“

”فالتو باتیں مت کرو۔۔۔ شادی بھی تمہاری شاہانہ سے ہوگی۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اور مجھے امید ہے شادی کے بعد تم اپنی حماقت کو بھول جاؤ گے۔“

”اونہ۔۔۔ اچھی طرح جانتا ہوں وہ کتنی اچھی ہے۔“ اُسامہ نے انگوشی پہنتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں کہا اور میز سے اُٹھ گیا۔

”اب کہاں جا رہے ہو؟ چھٹیاں ختم ہونے میں آگئی ہیں مگر تمہارے قدم گھر میں نہیں نکلتے۔ کہاں رہتے ہو سارا دن؟“

”ضروری کام ہے۔“ اس نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ مارے غصے کے اس کا برا حال تھا مگر یہ غصہ وہ بھائی جان پر نہیں نکال سکتا تھا کہ ابو کی وفات کے بعد وہی تھے جنہوں نے تعلیم مکمل کی اور گھر کو بھی سنبھالا اور معاشرے میں اُسے ایک مقام دلایا، اپنی محنت سے۔ تاہم یہ تو زیادتی تھی کہ وہ اپنے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھائیں۔ کو کہا اُس سے غلطی ہوئی تھی۔ اُسے پہلے ہی دن اُن کو بتا دینا چاہئے تھا کہ میں کسی کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہوں۔ مگر تب اُسے فزخ کے بارے میں معلوم نہ تھا کہ وہ اُس کے بارے میں کیا خیالات رکھتی ہے۔ لیکن اب تو ساری بات کھل چکی تھی۔ اب جب اُسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ بھی اس سے محبت کرتی ہے یا کرنے لگی ہے تو ایسے میں شاہانہ سے شادی ناممکن تھی۔ مگر بھائی جان کے سامنے انکار بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو وہ شہزاد کی طرف چلا آیا۔ چونکہ اُس نے بتایا۔

”آفتاب صاحب کی طبیعت اچانک ہی کچھ خراب ہو گئی ہے۔۔۔ وہ سب لوگ ہاسپٹل گئے ہیں۔“

یہ سن کر اُسامہ بھی گھبرا گیا کہ کہیں شہزاد سے پھر کوئی غلطی نہ ہو گئی ہو۔ اُس نے ہاسپٹل کا نام معلوم کیا اور روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو آفتاب ایمر جنسی میں تھا جبکہ فزخ باہر کوریڈور میں کھڑی رو رہی تھی۔ شہزاد نے کہاں تھا۔ گھر کا کوئی اور فرد بھی پاس نہیں تھا۔

”فزخ! کیا ہوا۔۔۔؟“ اُسامہ نے اُس کے پاس جاتے ہی پوچھا۔

”بھائی جان۔۔۔“ وہ روتے ہوئے صرف یہی کہہ سکی۔

”کیا ہوا بھائی جان کو۔۔۔ اور شہزاد کہاں ہے؟“ اُس نے پھر پوچھا۔

”وہ انکشن لینے گئے ہیں۔“ فزخ اتنا کہہ کر پھر چپ ہو گئی۔

”یہ سب ہوا کیسے۔۔۔ کچھ بتاؤ تو سہی۔“

”ڈاکٹر گھر آیا تھا۔ شہزاد بھائی ہی اُس کو لائے تھے۔ اُس نے بھائی جان کو انکشن دیا۔ انکشن دینے کے کچھ ہی دیر بعد بھائی ہوش میں آ گئے۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا، کچھ دیر دیکھتے رہے پھر پتہ نہیں کیا ہوا، ان کے چہرے پر تکلیف کے آثار پیدا ہوئے اور پھر وہ چیخنے چلانے لگے۔ ہم گھبرا گئے۔ شہزاد بھائی نے کہا۔“ ڈاکٹر صاحب! کیا ہو رہا ہے؟“ تو ڈاکٹر نے کہا۔ ”شوگر کی مسلسل کمی کی وجہ سے ان کے اعصاب کمزور ہو گئے ہیں۔ اور اب میرا خیال ہے شوگر برابر ہونے کا بھی کچھ خاص اثر نہیں ہو رہا۔“ اچانک بھائی جان نے اُٹھنے کی کوشش کی اور گر کر بے ہوش ہو گئے تو ہم ڈاکٹر کے کہنے پر ہاسپٹل لے آئے۔ مگر ابھی تک بھائی جان کو ہوش نہیں آیا۔ فزخ نے روتے ہوئے ساری کہانی سنادی۔

اُسامہ چپ چاپ اس نئی حالت پر سوچنے لگا، پھر پوچھا۔

”تمہاری بھائی اور جمال کو نہیں معلوم آفتاب کو یہاں لانے کے بارے میں؟“

”نہیں۔۔۔ بھائی آج آفس گئی ہیں۔ دوپہر تک وہیں رہیں گی اور باجی اپنے کمرے میں تھیں اس لئے ہم نے اُن کو بھی نہیں بتایا۔“

اچانک ایمر جنسی کا دروازہ کھلا اور نرس نے انکشن کا پوچھا اور فزخ کے جواب دینے سے پہلے ہی شہزاد بھاگتا ہوا کوریڈور میں داخل ہوا۔ انکشن نرس کو دیئے اور پھر حیرت سے اُسامہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم یہاں کیسے؟“ اس وقت وہ ساری ناراضگی بھول گیا۔

”آفتاب ہاؤس گیا تو چونکہ کیدار نے بتایا۔“ اُس نے کہا۔

”ہوں۔۔۔ میں نے تمہارے گھر فون کیا تھا۔ معلوم ہوا تم ناشتے کے فوراً بعد گھر سے نکل گئے ہو۔ پھر جبار کوفون کیا، معلوم ہوا آج آئے گا سسرال سے۔“ شہزاد چپ ہو گیا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر کہا۔ ”آج تو غضب ہو گیا۔۔۔ فزخ نے کہا تھا کہ کبھی کبھار جب جمال کو دستخط کی ضرورت پیش آتی ہے تو بھائی جان سچ جاتے ہیں۔ پھر باتیں بھی کرتے ہیں اور..... بس یہیں سے میں مار کھا گیا۔ میں نے سوچا وہ یہ سب شوگر برابر کرنے کے بعد کرتا ہوگا۔ میرے خیال میں آفتاب کی بیماری صرف شوگر کی کمی پوری ہو جانے پر ختم ہو جائے گی۔ سو میں نے نکل سے بات کی۔ انہوں نے ڈاکٹر کو میرے ساتھ بھیج دیا اور انکشن لگتے ہی آفتاب ہوش میں آ گیا مگر بعد میں

حالت زیاد خراب ہوگئی۔ وہ شکر ہے جمال اور حور گھر پر نہیں تھے ورنہ پتہ نہیں کیا جاتا۔“

”لیکن اُن کو ملازموں سے تو پتہ چل جائے گا۔“ اُسامہ نے بغور شہزاد کو دیکھتے ہوئے کہا جو تڑخ سے زیادہ پریشان لگ رہا تھا۔

”ملازموں کو پتہ ہی نہیں۔ اور چوکیدار کو میں نے کسی کو بھی بتانے سے منع کر دیا تھا۔“

”لیکن مجھے تو اُس نے بتا دیا۔“

”تمہارا اُس سے میں نے خود کہا تھا کہ اگر اُسامہ صاحب آئیں تو اُن کو بتا دینا۔ اب دیکھو کیا ہوتا ہے؟“ وہ ایک بار پھر تڑخ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”اس بے وقوف کو دیکھتے ہو۔ بجائے دُعا کرنے کے روئے جا رہی ہے۔“ پھر تڑخ کو بیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”کچھ نہیں ہوگا آفتاب کو۔۔۔ جب تک میں زندہ ہوں، وہ بھی زندہ رہے گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ اب چپ کرو۔“ پھر وہ خود بھی چپ ہو کر کھلتے دروازے کو دیکھنے لگا اور جیسے ہی اُس کے ڈاکٹر نکل کر باہر آئے۔ شہزاد نے جلدی سے آگے بڑھ کر پوچھا۔

”انکل! اب کیسے ہیں آفتاب بھائی؟“

”اب تو ٹھیک ہے۔ تم اس کو لے جا سکتے ہو اور شام کو مجھ سے گھر پر آ کر ملنا۔“

”انکل! ہو سکتا ہے میں نہ آسکوں۔ مگر یہ اُسامہ ضرور آئے گا۔“ شہزاد نے جلدی سے کہا۔

”اوکے۔۔۔ جو بھی آجائے۔“ کہہ کر انکل آگے بڑھ گئے۔ جبکہ وہ سب اسٹریچر پر باہر آتے ہوئے آفتاب کو دیکھنے لگے۔ وہ پھر بے ہوش تھا۔ تاہم ساتھ آتے ہوئے ڈاکٹر نے کہا۔

”چند گھنٹوں بعد ہوش میں آجائیں گے۔“

آفتاب کو لے کر وہ گھر پہنچی تو حور اور جمال میں سے کوئی بھی ابھی واپس نہ آیا تھا۔ آفتاب کو اُس کے کمرے میں پہنچا کر اُسامہ نے شہزاد سے کہا۔

”تمہیں اب بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔۔۔ چوکیدار کو ایک بار پھر سمجھا دینا۔ وہ جمال کا خاص آدمی ہے۔“

”وہ جمال کا آدمی ضرور ہے مگر خاص نہیں۔ ویسے وہ میرا دوست بھی بن چکا ہے اور وہ کسی کو کچھ بھی نہیں بتائے گا۔“

”پھر بھی۔۔۔ احتیاط ضروری ہے۔“

”تم فکر نہ کرو۔۔۔ میں ایک بار پھر اُسے سمجھا دوں گا۔“

”اچھا تو پھر میں چلتا ہوں۔۔۔ مگر یاد رکھنا، آفتاب کو ایک لمحہ بھی اکیلا نہ چھوڑنا۔ جمال بھی اب اس کہانی کا اختتام چاہتا ہے۔۔۔ وہ کسی بھی لمحے کوئی بھی خطرناک قدم اٹھا سکتا ہے۔ یہ بات وہ خود مجھ سے کہہ چکا ہے۔“

”اُس کی طرف سے بے فکر رہو۔۔۔ اُس کو میں سنبھال لوں گا۔“ شہزاد نے کہا اور اُسامہ باہر چلا آیا۔ جب میں گیٹ سے باہر نکل رہا تھا تب اچانک حور کی گاڑی رکی۔ مگر وہ اس کو نظر انداز کرتا ہوا موٹر بائیک پر بیٹھ گیا۔

رات کو وہ ڈاکٹر کے گھر گیا اور اُس نے جو کچھ بتایا وہ اُسے مزید پریشان کرنے کے لئے کافی تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ آفتاب کی تمام رپورٹیں دیکھنے کے بعد جو کچھ اسے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ

”آفتاب اگر اسی حالت میں رہا تو بمشکل دو ڈھائی سال ہی زندہ رہ پائے گا۔ باقی اگر تم لوگ شوگر کی کمی پوری بھی کرتے ہو تو پھر وہ مزید کچھ عرصہ زندہ تو رہے گا مگر معذور ہو کر۔۔۔ وہ چل پھر نہیں سکے گا۔ اگر شوگر کی زیادتی ہڈیوں کے لئے تباہ کن ہے تو اس کی کمی سے بھی یہی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔“

”کوئی ایسا طریقہ ڈاکٹر صاحب کہ آفتاب بالکل صحیح ہو جائے۔“ اُسامہ نے پوچھا۔

”ہے۔ اگر آپ چند روز کے اندر اندر آفتاب کو علاج کے لئے لندن لے جائیں تو وہاں بہت اچھے طریقے سے علاج ہو سکتا ہے۔ یہاں نہیں۔ یہاں ہم آفتاب کو بچاؤ لیں گے مگر ہو سکتا ہے وہ چل نہ سکے۔“

”اوکے۔۔۔ ہم پوری کوشش کریں گے۔“ اُسامہ نے کہا اور اٹھ گیا۔

ڈاکٹر کے گھر سے باہر آ کر اُسامہ نے پہلے جبار کو فون کیا۔ وہ سسرال سے واپس آ چکا تھا۔ فون اُس نے خود ریسیور رکھ کر بوتھ سے باہر نکل آیا۔

”فوراً چلے آؤ۔“

”مگر کہاں؟“ جبار نے پوچھا۔

اُسامہ نے کچھ دیر سوچا۔ صبح ناشتے کے بعد کچھ کھا نہیں سکا تھا اس لئے کہا۔

”طارق روڈ پر چلے آؤ۔ وہاں، جہاں لاہوری چہ غملتا ہے۔“ اور فون بند کر کے شہزاد کے نمبر ملائے۔ وہاں شہزاد بھی شاید ڈاکٹر کی رپورٹ کا منتظر تھا۔ فون اٹھاتے ہی پوچھا۔

”کیا کہا ڈاکٹر نے؟“

”بہت کچھ۔۔۔ اگر سنا چاہتے ہو تو طارق روڈ پہنچ جاؤ، جہاں لاہوری چہ غملتا ہے۔“

”اچھا، اچھا۔۔۔ میں کوشش کرتا ہوں۔“ کہہ کر شہزاد نے فون بند کر دیا اور اُسامہ بھی ریسیور رکھ کر بوتھ سے باہر نکل آیا۔

پھر جب وہ طارق روڈ پہنچا تو لاہور چہ غم الووں نے جو کرسیاں باہر لگو رکھی تھیں اُن میں سے ایک پر جبار بیٹھا تھا اور سامنے شام کا اخبار پھیلا رکھا تھا۔ شاید وقت گزارنے کے لئے یا پھر عادت سے مجبور ہو کر۔ عادت بھی تو تھی پڑھنے کی اُسے۔ اُسامہ نے موٹر سائیکل دوسرے روڈ کے کنارے کھڑی کی اور جبار کی طرف آیا۔ جبار نے چونک کر اُسے دیکھا پھر مسکرا دیا۔ اُس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”اور سناؤ۔۔۔ کیا حال چال ہیں تمہارے؟“

”کیا مطلب؟“ جبار نے چونک کر پوچھا۔

”بھئی سسرال سے ہو کر آرہے ہو۔ اسی لئے پوچھ رہا ہوں۔“

”سب ٹھیک ہے۔۔۔ تم سناؤ، آفتاب کیسا ہے؟ اور اب کیا پروگرام ہے؟ ڈیوٹی پر حاضر ہونے کا لیٹر تو آج مل گیا ہے۔“

”کیا۔۔۔ ڈیوٹی جو اسن کرنے کا لیٹر مل گیا؟“

”ہاں۔۔۔ شام کو میں گھر آیا تو پتہ چلا دوپہر میں آیا تھا۔ تمہیں نہیں ملا تھا؟“ جبار پوچھ رہا تھا۔

”میں سارا دن گھر سے باہر رہا ہوں۔“ اُس نے طویل سانس لے کر بتایا۔

”کیوں باہر رہے۔۔۔ کوئی خاص کام؟“ جبار نے پھر اخبار پر نظر جمادی۔

”وہی، آفتاب کا مسئلہ۔“ کہہ کر اُس نے پوری بات بتا دی۔

”تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔۔۔ تم نے بتایا تو تھا کہ حور کہتی ہے آفتاب کو علاج کے لئے باہر لے جائے گی۔“

”ہاں۔۔۔ بتایا تو تھا۔ اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے وہ جمال کی کزن اور ساتھی ہے۔ اُن کا پروگرام نجانے کیا ہے۔ ہو سکتا ہے راستے میں آفتاب کو ختم کرنے کا پروگرام ہو۔ خیر، اب حور آفتاب کو لے کر جائے یا نہ جائے مگر میں ضرور لے کر جاؤں گا۔ مجھے تو تڑخ سے کیا ہوا وعدہ بھانا ہے۔“ اُسامہ نے بات ختم کی ہی تھی کہ بڑا کا آرڈر لینے آ گیا۔ اُس نے تین آڈیوں کا کہہ کر جبار کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

”کیا تم بھی ڈیوٹی پر چلے جاؤ گے یا مزید چھٹیاں لو گے؟“

”ابھی کچھ سوچا نہیں۔۔۔ ویسے تم اپنے بارے میں بتاؤ۔“

”میں تو اس زندگی سے تنگ آ چکا ہوں۔۔۔ میرے لئے تو یہ خبر بڑی خوشی کی ہے کہ چھٹیاں ختم ہو گئیں۔ کیونکہ گھر والے میرے ساتھ زبردستی کرنے پر تیار بیٹھے ہیں۔۔۔ بھائی جان کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہو جائے مجھے شادی شاہانہ سے کرنی ہوگی۔ خیر اب میرا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ جاتے ہوئے انگوٹھی اُتار کر رکھ جاؤں گا اور لکھ جاؤں گا

کہ اب کبھی واپس نہیں آؤں گا۔“

”کہاں سے واپس نہیں آؤ گے؟“ شہزاد اچانک ہی قریب آتے ہوئے بولا۔

”کچھ نہیں۔۔۔ تم آفتاب کا سناؤ۔ اب اُس کی طبیعت کیسی ہے۔۔۔ کیفیت کیسی ہے؟“

”سب ٹھیک ہے۔۔۔ ویسی ہی ہے جیسی پہلے تھی۔ میرا مطلب ہے جیسے پہلے ہوتا تھا۔“

”ہوں۔۔۔ جب میں آ رہا تھا تو حور بھی آفس سے واپس آ گئی تھی۔“

اور وہ بہر حال سب سے سینئر تھا۔ وہ کیپٹن تھا اور اُسامہ وائس کیپٹن۔ دونوں اسی موضوع پر بات کر رہے تھے۔ جب کہ شہزادہ ہر طرف سے لاپرواہ جبار سے باتوں میں مصروف تھا۔ کبھی کبھی وہ میز پر پھیلے نقشے پر نظر ڈالتا، پھر بیڈ فون سر پر چڑھا کر ایک دو باتیں سروے ریکارڈ شیڈے کے خالد ضیاء سے کرتا جو اسے زیر سطح سمندر کی کیفیت سے آگاہ کرتا اور بات کرنے کے بعد وہ سب اوکے کہہ کر بیڈ فون اتار کر پھر جبار سے مصروف گفتگو ہو جاتا۔ جب کہ باہر سمندر میں طوفان زور پکڑ رہا تھا۔

چاندنی رات میں سمندر کا شور معمولی بات تھی۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ سمندری موسم اور طوفان کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کب آجائے۔ ابھی موسم ہر سکون ہے تو چند لمحوں بعد طوفان کی آمد ہو سکتی ہے جو لاکھ تیروں کے باوجود رک نہیں سکتا۔

”میرے خیال میں شپ کو روک ہی دینا چاہئے.....“ ابھی یہ الفاظ جاوید کے منہ میں ہی تھے کہ اچانک خاکروب بھاگتا ہوا کنٹرول روم میں داخل ہوا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں شہزادے سے کہا۔

”سر! کیبن نمبر سات میں گڑبڑ ہے۔“

”کیا مطلب؟“ شہزاد فوراً کھڑا ہو گیا۔ جب کہ اُسامہ اور جبار بھی خاکروب کو دیکھنے لگے تھے کہ بھلا کیا گڑبڑ ہو سکتی ہے۔

”مطلب۔۔۔ سر کیبن نمبر چھ والے صاحب ابھی کچھ دیر پہلے کیبن نمبر سات میں گئے تھے اور دروازہ بند کر لیا۔ اس سے پہلے وہ کافی دیر کوریڈور میں ٹپکتے رہے تھے۔ ان کے اندر جاتے ہی میں نے کان لگا کر سنا، لڑکی اُن کو باہر نکل جانے کا کہہ رہی تھی مگر وہ نجانے کیسی بری بری باتیں کر رہے تھے اور ڈھمکیاں بھی دے رہے تھے لڑکی کو۔“

”اوہ۔۔۔ اُس کیبن کی یہ مجال۔“ شہزاد باہر کی طرف بھاگا تو اُسامہ نے لپک کر پکڑ لیا۔

”شہزاد پلیز، کھیل مت بگاڑو۔“

”کیا مطلب؟“ شہزاد نے سرد لہجے میں کہتے ہوئے اُسامہ کی طرف دیکھا۔

”دیکھو، ابھی تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ آج رات وہ نزع کو کچھ نہیں کہے گا۔ کیونکہ آج تو اُسے آفتاب کا قصہ ختم کرنا ہے اور پھر.....“

”بکو اس مت کرو۔ اُس کی بات کا مجھے یقین اور پھر وسوسہ نہیں۔ وہ شیطان ہے۔ میں جمال پر پھر وسوسہ نہیں کر سکتا۔“ شہزاد نے بگڑ کر کہا۔

”پھر بھی شہزاد! اگر تم اس وقت چلے گے تو جانتے ہو؟“

”اوہ اُسامہ! چھوڑو مجھے۔ ورنہ۔۔۔“ شہزاد زور زور سے چلا یا تو جبار نے کہا۔

”اُسامہ! وقت ضائع مت کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو بعد میں پچھتانی کا بھی موقع نہ ملے۔ اس لئے میرا خیال ہے اُسے جانے دو۔“

”دیکھو، میں خود چلا جاتا ہوں۔ پلیز جبار! اس کو پکڑو اور میرے پیچھے مت آنے دینا۔“ جاوید جو حیران حیران سب کچھ سن رہا تھا، پوچھنے لگا۔

”یار! قصہ کیا ہے؟“ مگر اُسامہ اُس کو جواب دینے کی بجائے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ کیبن کی دوسری چابی اُس کے پاس تھی۔ اُس نے لاک کھولا اور دروازہ کھول کر جیسے ہی اندر داخل ہوا، خون کھول اُٹھا۔

جمال نے ایک ہاتھ نزع کے منہ پر رکھا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ سے بال پکڑ رکھے تھے۔ نزع کا چہرہ مارے تکلیف کے سرخ ہو رہا تھا۔ جمال نے حیران ہو کر اُسامہ کو دیکھا اور اسی حیرانی میں نزع کو چھوڑ دیا۔ جمال کی گرفت سے نکلتے ہی وہ تیزی سے اُسامہ کی طرف آئی اور بے ساختہ اُس سے لپٹ کر رونے لگی۔ اُسامہ کے بازو بھی بے ساختہ اُس کے گرد جمائے ہوئے کو اٹھے مگر دوسرے ہی لمحے سامنے کھڑے جمال کو دیکھ کر گر گئے۔

”اُسامہ! تم اور یہاں؟“ جمال سرد اور سخت لہجے میں بولا۔

”جی، مجبوری ہے۔“ اُس نے خود سے لپٹی نزع پر ایک نظر ڈالی مگر اُس کو الگ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور نہ ہی چپ کروانے کی۔

”کیسی مجبوری؟“ جمال غرایا اور نزع کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”کمال صاحب! غصے میں آنے سے پہلے میری بات سن لیں۔“ اُس نے اُس کا ہاتھ پرے ہٹاتے ہوئے خود بھی سخت لہجے میں کہا۔

”کیسی بات۔۔۔ جو بات بھی سنانا چاہتے ہو صبح سنانا۔ اس وقت میں کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں۔“ جمال نے سرد لہجے میں کہا۔

”بات تو خیر آپ کو سننا ہی پڑے گی ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں آج کی رات آپ کو کون سا کام کرنا ہے؟“ اُسامہ نے نرم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی۔

”اوہ۔۔۔ اُسامہ! تم نہیں سمجھ سکتے میں کس آگ میں جل رہا ہوں۔ یہ وہ لڑکی ہے جس کی آنکھ اٹھا کر مجھے دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اب میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی ہے۔ اور میں یہ جرأت زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا۔ اب میں اس چڑیا کو اس کی بھائی کی زندگی میں بے آبرو کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس کو بتانا چاہتا ہوں کہ جمال، جمال ہے۔ وہ کسی کے ڈیرا دھکی میں آنے والا نہیں۔ تم چلے جاؤ۔“

”پلیز جمال صاحب! ابھی نہیں۔ ابھی تو.....“

مگر جمال نے اُس کی بات کاٹ دی۔

”دیکھو اُسامہ! جب میں تمہارے اور حور کے راستے میں نہیں آتا اور نہ ہی آؤں گا، پھر کیوں تم میرا وقت برباد کر رہے ہو۔ ایک رات کی دیر ہونے سے کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔ آج نہیں تو کل آفتاب کا قصہ تمام ہو جائے گا۔ مگر یہ لمحے مجھے بخش دو کہ میں اندر کی آگ پہلے بجھانا چاہتا ہوں۔“ وہ پھر نزع کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں بھی آپ کے راستے میں نہیں آؤں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔ لیکن پہلے آپ کو آفتاب والا کام ہی کرنا ہوگا۔ بعد میں پروگرام کے مطابق ہم اپنے اپنے حصے کی بات کریں گے۔ لیکن ابھی.....“

”کیا۔۔۔؟“ روتی ہوئی نزع نے سر اٹھا کر حیرت سے اُسامہ کو دیکھا اور خود الگ ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ جب کہ جمال کہہ رہا تھا۔

”جاؤ اُسامہ۔۔۔ میرا وقت برباد نہ کرو۔ مجھے اس کو بتانے دو کہ میں اب بھی جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ اور سنو، آفتاب زندہ لاش کی طرح پڑا ہے۔ اس شپ پر تمہارا کنٹرول ہے بیارے! جاؤ تم بھی حور کے پاس اور عیش کرو۔“

”جمال صاحب! سمجھنے کی کوشش کریں۔“ اُسامہ نے ضبط کی کوشش کی۔ ”یہ کام بعد میں بھی ہو سکتا ہے، پلیز۔ اس وقت سمندر میں طوفان کی وجہ سے میں بہت بڑی ہوں اور یہ آفتاب کو ختم کرنے کا بھی اچھا موقع ہے۔ کوئی آپ پر شک نہ کر سکے گا۔ میں خود آپ کا ساتھ دوں گا۔“ وہ نرم طریقے سے جمال کو سمجھانے میں مصروف تھا۔ یہ سوچے بغیر کہ اس کی باتوں کا نزع پر کیا اثر ہو رہا ہوگا۔

”آپ۔۔۔“ نزع نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا۔ ”آپ بھی دوسرے مردوں جیسے نکلے۔ سارے مرد ایک سے ہوتے ہیں کیا؟“ اُس کی آواز مارے رنج کے پھٹ گئی۔

”کیا مطلب؟“ جمال نے چونکتے ہوئے اُسامہ کو دیکھا تو اُس نے بظاہر ہنس کر کہا۔

”شاید میری آمد کو یہ اپنے لئے کوئی مدد سمجھی تھی۔ بے وقوف، سارے مرد ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔“

”ہاں۔۔۔ سارے مرد ایک سے ہوتے ہیں۔“ جمال نے کہتے ہوئے لپک کر اُس کو اپنی طرف کھینچا تو اُسامہ جلدی سے آگے بڑھا۔

”ابھی نہیں جمال صاحب! ابھی اس کو چھوڑ دیں اور میری بات.....“ اُسامہ نے نزع کو دیکھتے ہوئے بات اٹھوڑی چھوڑ دی جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہی تھی۔

”تم ہٹ جاؤ اُسامہ!“ جمال نے سخت لہجے میں کہا اور پھر نزع کی طرف بڑھا۔

”بچاؤ۔۔۔“ نزع پوری قوت سے چلائی۔ جمال اُس کی طرف جھکا تو اُسامہ برداشت نہ کر سکا اور ایک زور کاٹکا جمال کے منہ پر دے مارا اور وہ نزع کو بھول کر اُسے دیکھنے لگا۔ شاید اُس کو اُسامہ سے اس بات کی توقع نہ تھی۔ حالانکہ نزع کا اُسے دیکھتے ہی اُس سے لپٹ جانا جمال کو شک میں ڈالنے کے لئے کافی تھا مگر وہ شاید اب سمجھا تھا پھر جیسے اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔

”اُسامہ تم..... تم.....“ وہ غرایا اور نزع خود کو چھڑا کر بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ تاہم جاتے جاتے اُس نے جن نظروں سے اُسامہ کی طرف دیکھا تھا ان میں نجانے کیا کچھ تھا۔ وہ تڑپ اٹھا، مگر پھر فوراً ہی اُس کو بھول کر جمال کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”تم نے مجھے سے غداری کی ہے اُسامہ!۔۔۔“ وہ اُس کی طرف بڑھتا تو اس نے جو نزع کے باہر جانے کی وجہ سے خود کو سنبھال چکا تھا، آہستہ سے جمال کے ہاتھ پکڑے اور کہا۔

”سمجھا کریں جمال صاحب! ابھی ان باتوں کا وقت.....“

”کیسے۔۔۔ کتے۔۔۔ مجھے دھوکا دینے کی کوشش مت کرو۔ نزع کا مجھے چھوڑ کر تمہارے سینے سے لگنا کیا مجھے یہ بتانے کے لئے کافی نہیں کہ تم نے ڈبل گیم کھیلا ہے۔ لیکن اس کا انجام شاید تمہیں معلوم نہیں۔ میں لوگوں کو معاف نہیں کرتا۔ یہ بات میں نے تمہیں شاید پہلے بھی بتائی تھی۔“

”کنیر۔“ میں نے جلدی سے کہا۔

”حور کیوں نہیں؟“ اچانک آفتاب نے کہا کہ میں بہت خوبصورت تھی۔

”جی۔۔۔“ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ان کو دیکھا۔

”بھئی کام کیا کرو گئی تم؟ تعلیم تمہاری میٹرک ہے۔ مجھے وہ سیکرٹری چاہئے جو انگریزی بھی بول اور لکھ سکے۔ مگر تم۔۔۔۔۔“

”مجھے کوئی چھوٹا موٹا کام۔۔۔۔۔“ میں نے کہنا چاہا۔ آفتاب نے مجھے روک دیا، پھر اچانک کہا۔

”تم شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟ اکیلی لڑکی ہو۔۔۔۔۔ کہاں رہو گی۔ جب کہ تمہارا کوئی اور سہارا بھی نہیں۔“

”جی کون کرے گا مجھ سے شادی۔“ میں نے مایوسی سے کہا۔

”میں۔“ آفتاب کے منہ سے نکلنے والے ان لفظوں نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ کہہ رہے تھے۔

”رات بھر میں تمہارے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔۔۔۔۔ کوکہ فی الحال میرا شادی کا پروگرام نہیں تھا لیکن اگر کروں تو کیا حرج ہے؟“

اور میں مارے حیرت کے کچھ بول ہی نہ سکی۔ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔؟ میں حیران تھی۔ پھر میں نے سوچا، ہو سکتا ہے وہ بڑا آدمی ہے، مجھے بے سہارا دکھ کر مجھ سے

کوئی کھیل کھیلا جاتا ہو کہ ایسا ہی میری ماں کے ساتھ ہوا تھا۔ مگر جمال سے انتقام لینے کے لئے میں سب کچھ بھول گئی۔ یہ بھی کہ آفتاب بعد میں چاہے چھوڑ ہی دے۔

تاہم یہ سوچنے کے باوجود میں انکار نہ کر سکی اور میں نے کہا۔

”مجھے سوچنے کے لئے وقت دیجئے۔“ اماں سے اجازت بھی تو لینا تھی۔

”کیوں۔۔۔۔۔ اکیلی ہو تو ابھی سوچ کر بتادو۔ ہاں یا ناں میں جواب دے سکتی ہوں۔“

اور میں نے ہاں کر دی۔ یہ بہت بڑا رسک تھا جو میں نے لیا تھا۔ مگر قسمت شاید مجھ پر مہربان تھی۔ اماں نے مجھے بہت سمجھایا مگر میں نے ایک نہ مانا۔ اور یوں میری شادی

آفتاب سے ہو گئی۔ بالکل انسانی انداز میں۔۔۔۔۔ ورنہ بھلا ایسا بھی کبھی ہوا ہے جیسا میرے ساتھ ہوا تھا۔

جمال نے مہندی سے دو روز پہلے مجھے دیکھا تھا۔ بہت غرا لیا۔ مگر مجھے پروا نہ تھی۔ اب میں اُس کی دھمکیوں میں آنے والی نہ تھی۔ میں قدرت کی طرف سے ملے اس

موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی تاہم شادی کے بعد ایک دن جمال نے کہا۔

”بیٹے دنوں کو بھول جاؤ۔۔۔۔۔ اب جب خدا نے تمہیں بھی اچھا شوہر دے دیا ہے تو اس کو کبھی یہ مت بتانا کہ ہم دونوں رشتہ دار ہیں۔“

”بے فکر رہو۔۔۔۔۔ بتانا ہوتا تو پہلے ہی بتا دیتی۔“

”میں نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ امید ہے تم مجھے معاف کر دو گی اور اب ہم اچھے دوستوں کی طرح رہیں گے۔“

اور میں نے اُس کو معاف کر دیا۔ اُس نے بھی اپنا رویہ بہت حد تک مجھ سے ٹھیک رکھا اور میں جمال پر پھر سے اعتبار کرنے لگی۔ مگر یہ تو سانپ کی اولاد تھا پھر صلہ کیسے دینا

شادی کے بعد اُس نے بڑی نرمی سے نزع کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مانگی تو میں نے دے دی۔ حالانکہ آفتاب ایسا نہیں چاہتے تھے اور یہ تو مجھے معلوم

ہی نہ تھا کہ یہ نزع پر بری نظر رکھتا ہے۔۔۔۔۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں کبھی نزع کو ادھر نہ رہنے دیتی۔ اور آفتاب کی بیماری کا ذمہ دار بھی یہی ہے۔ اس بات کا پتہ تو مجھے

اب چلا ہے۔ ذلیل باپ کی ذلیل اولاد۔۔۔۔۔ صلہ دینا تو اس کی سرشت میں ہی نہیں۔ اور یہ شخص اُسامہ بھی اس کا ساتھی ہے۔۔۔۔۔ میرا یقین کریں، میں اُسامہ کو بہت

اچھی طرح جانتی ہوں۔“

”سر۔۔۔۔۔ سر۔۔۔۔۔“ خاکروب ایک بار پھر بھاگتا ہوا آیا۔ ”وہ بی بی جن کے ساتھ بچہ بھی تھا، انہوں نے بھی بچے کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگائی ہے۔۔۔۔۔ میں نے

خود اُن کو بچانے کی کوشش کی مگر بچا نہ سکا۔“

”کیا بکو اس کر رہے ہو۔۔۔۔۔ میرا بیٹا نہیں مر سکتا۔“ جمال نے ادھر بھاگنے کی کوشش کی تو اُسامہ نے کہا۔

”تمہاری سزا تو بہت لمبی ہے جمال دین! اب تم جیل کے علاوہ اور کہیں نہیں جا سکتے۔“

”بکو اس مت کرو۔۔۔۔۔ اُس کو دیکھو۔۔۔۔۔ میرا بیٹا میری ایک ہی اولاد۔۔۔۔۔ جمال نے تڑپ کر خود کو چھڑانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

پھر اُسامہ تو وہیں کھڑا رہا، جبار کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ ادھر گیا۔ اور پھر واپس چلا آیا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ جمال زور زور سے چلا رہا تھا مگر پولیس اُس کو کھینچتی

ہوئی لے گئی تو اُسامہ گل کے کیمن میں آیا۔ وہ خالی تھا۔ تاہم میز پر پیپر ویٹ کے نیچے ایک خط اُس نے کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔

”میں اچھی طرح جانتی تھی کہ میرا شوہر میرے بھائی کو آہستہ آہستہ زہر دے کر ختم کر رہا ہے کہ مجھ سے اُس نے زہر کا ہی کہا تھا۔ مگر میں چپ رہی کیونکہ

جمال نے مجھے چپ رہنے کا کہا تھا۔۔۔۔۔ اُس نے کہا تھا اگر میں نے کسی کو کچھ بتایا تو وہ نہ صرف آفتاب کو وقت سے پہلے ختم کر دے گا بلکہ اپنا بیٹا بھی

مجھ سے چھین لے گا اور اپنے بیٹے کی محبت میں، بھائی کو بھول گئی یہ سوچ کر کہ اگر اللہ کو منظور ہوگا تو اس کی جان ضرور بچ جائے گی۔ دو محبتوں میں سے

مجھے صرف ایک کا ہی انتخاب کرنا تھا اور ماں ہونے کے نام طے میں نے بیٹے کی محبت کا انتخاب کیا۔ مگر نزع کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہ تھا۔

اب جب مجھے معلوم ہوا ہے تو میں جمال کو سزا دینے کے لئے اپنے ساتھ اپنے بیٹے کو بھی لے جا رہی ہوں۔۔۔۔۔ میں نہیں چاہتی جمال کا بیٹا کل کسی

دوسری گل کی بربادی کا سبب بنے۔ اور آفتاب کی جان انشاء اللہ بچ جائے گی۔ کیونکہ اس کی جان لینے کا خواہش مند شیطان جمال پکڑا چکا ہے۔ اور

کچھ لکھنا نہیں چاہتی اور نہ ہی مجھ میں آ رہا ہے۔۔۔۔۔ بد نصیب گل۔“

اُسامہ نے وہ خط بھی پولیس کے حوالے کر دیا۔

جب وہ ایک دوسرے پر الزام رکھ رہے تھے تو گل وہاں سے چلی گئی تھی۔ وہ سمجھا تھا اپنے کیمن میں گئی ہو گی۔ خود اُس کی اپنی طبیعت بھی ٹھیک نہ تھی۔ مگر وہ تو دنیا سے ہی

چلی گئی تھی۔ ویسے اُسامہ کو حیرت تھی کہ وہ کیسی بہن تھی جو سب کچھ جانتے ہوئے بھی چپ رہی، اپنے بیٹے کے لئے۔ شاید اولاد کی محبت ایسی ہی چیز ہے۔ جب کہ نزع،

بھائی کو بچانے کے لئے تڑپتی رہی۔ اور جب وقت آیا تو غلط فہمی میں جلد بازی دکھا گئی۔

ساری رات کارروائی میں گزر گئی تھی۔ شہزاد کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہ تھی۔ ٹھیک تو اُسامہ بھی نہیں تھا۔ نزع اُسے صفائی کا موقع دیئے بغیر دنیا چھوڑ گئی تھی۔ صدمہ کو کہ

بہت شدید تھا مگر اب اُسے آفتاب کی فکر تھی کہ اُس کی جان بچانے کا وعدہ اُس نے نزع سے کیا تھا۔ وہ نہیں تھی تو کیا۔ اپنا وعدہ تو اُسے نبھانا ہی تھا۔

رات اُس نے بڑی مشکل سے حور کو سمجھایا تھا کہ یہ جو اُس نے دو تین بد تمیزیاں اُس کے ساتھ کی تھیں ان کی وجہ صرف یہی تھی کہ وہ جمال کا اعتبار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ حور

نے پورا یقین تو نہ کیا تھا مگر وہ آفتاب کو لندن لے جانے پر رضامند ہو گئی تھی۔ ورنہ پہلے جب سارا بھید کھلا تھا تو اُس نے کہا تھا، وہ اس پر اعتبار نہیں کرتی اور یہ کہ وہ واپس

چلی جائے گی اور پھر بائی ایئر آفتاب کو علاج کے لئے لندن لے جائے گی۔

تب جبار نے کہا۔

”محترمہ! جتنا شک آپ کو ہم پر ہے، اتنا ہی ہم بھی آپ پر کر سکتے ہیں کہ آپ جمال کی کزن ہیں۔ اعتبار آپ پر بھی نہیں کیا جا سکتا۔“

”بکو اس نہ کرو۔۔۔۔۔ مجھے اپنے شوہر سے محبت ہے۔ اگر آفتاب کو کچھ ہوا تو تم مجھے زندہ نہیں دیکھو گے۔ اب تک تو میں اُن کے ٹھیک ہونے کے انتظار میں جی رہی

ہوں۔ میں جمال سے چھپ کر بھی ڈاکٹر بلاتی تھی مگر مجھے کیا معلوم تھا وہ سب بھی یک جاتے ہیں۔“

بڑی مشکل سے وہ سفر جاری رکھنے پر آمادہ ہوئی تھی۔ صبح ہونے پر پولیس جمال کو لے گئی مگر لاش نزع کی ملی تھی اور نہ ہی گل اور اس کے بیٹے کی۔ تاہم تلاش

جاری تھی۔

ساری کہانی ختم ہونے پر وہ روانہ ہو گئے تھے۔ شہزاد کی حالت کچھ بہتر ہو گئی تھی اور وہ اپنی حالت بھول کر اُسامہ پر بہت زیادہ توجہ دینے لگا تھا۔ جبار بھی اُس کا خیال رکھتا

تھا اور بظاہر تو وہ ان سب سے نارٹل ہی ملتا تھا مگر تنہائی میں نزع اُسے چھین نہ لینے دیتی تھی۔ اندر ہی اندر یہ دُکھ اُسے دیکھ کی طرح لگ گیا تھا۔



وہ دن بڑی خوشی کا تھا جب آفتاب بالکل ٹھیک ہو کر پورے ہوش و حواس میں آ گیا۔ اُسامہ نے حور کو ابھی کچھ بھی آفتاب کو بتانے سے منع کر دیا تھا تاہم جمال کے بارے

میں اُس کو بتا دیا گیا تھا کہ اُس کی بیماری کی وجہ جمال تھا۔

آفتاب نے ان تینوں کا شکریہ ادا کیا تھا اور کہا تھا۔ ”جب بھی وطن واپس آؤ، مجھ سے ضرور ملنا۔“

پھر وہ لوگ واپس چلے گئے تھے۔ جب کہ اُسامہ کو یقین تھا کہ اب وہ کبھی بھی وطن واپس نہ جا سکے گا۔ یہی وجہ تھی کہ بجائے واپسی کے وہ آگے ہی آگے بڑھتے رہے مگر کبھی

پاکستان نہ آئے۔

دل کا درد کو کہ کچھ کم ہو گیا تھا مگر ایک عجیب سی چیز اسی تھی جو واپسی کے ذکر پر اُسامہ پر طاری ہو جاتی۔ اُس کی وجہ سے جبار اور شہزاد بھی نہ گئے تھے حالانکہ اُس نے بہت

بارن کو واپس جانے کا کہا تھا۔

”میں تو تمہیں تنگ کر رہا تھا۔“

مگر آج حقیقت اس کے سامنے تھی۔ اُس نے شہزاد کی طرف دیکھا۔ وہ دانستہ اُسے دیکھنے سے اترا کر رہا تھا۔ اُسامہ نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا، پھر کہا۔

”شہزاد! جبار کو نہ سہی، مگر تمہیں مجھے تو بتا دینا چاہئے تھا میرے دوست۔“

”کیا بتانا۔۔۔ میں نے سوچا تھا اس بار شہزاد پر جانے سے پہلے ماما سے کہہ کر فریضہ کو اپنی بتالوں گا بلکہ شادی کر کے ہی واپس آؤں گا۔۔۔ لیکن پھر فریضہ کا مسئلہ سامنے آیا تو میں نے سوچا پہلے آفتاب ٹھیک ہو جائے، پھر فریضہ کی شادی تم سے کرنے کے بعد اپنے بارے میں سوچوں گا کہ فریضہ کو میں نے بہن کہا تھا اور غیرت مند بھائی پہلے اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔۔۔ مگر پھر فریضہ کے ساتھ ہی جیسے سب کچھ ختم ہو گیا۔ میں تمہیں اکیلا نہ چھوڑ سکتا تھا کہ فریضہ کی جان جانے میں تھوڑی کوتاہی میری بھی تھی۔ مجھے خود اُس کے آس پاس رہنا چاہئے تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی اُس کے ساتھ والے کیمن کا دروازہ کھلا ہے، میں صرف خاکروب سے نگرانی کا کہہ کر مطمئن ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔

”وہ تو خیر جو ہوا سو ہوا۔ لیکن تمہیں فریضہ کے بارے میں مجھ سے بات ضرور کرنا چاہئے تھی شہزاد! آخر ہم دوست تھے۔“ اُسامہ نے پھر شکوہ کیا۔

”کیا کہتا کہ میں اپنی دوستی بھول کر دوست کی بہن سے۔۔۔۔۔۔“

”پلیز شہزاد! ایسا اکثر ہوتا ہے اور اس میں کوئی گناہ بھی نہیں۔ پھر تم فریضہ سے شادی کرنا چاہتے تھے۔“

شہزاد نے جواب میں کچھ نہ کہا، چپ چاپ کچھ سوچتا رہا اور اُسامہ نے پوچھا۔

”اچھا یہ بتاؤ، فریضہ سے کبھی کچھ کہا تم نے؟“

”کبھی نہیں۔۔۔ وہ مجھے اچھی لگتی تھی۔ مگر وہ میرے دوست کی بہن تھی اور میں پوری عزت کے ساتھ اُس کا ہاتھ ماما، پاپا کی معرفت مانگنا چاہتا تھا۔ اس لئے کسی سے بھی کچھ نہ کہا۔ یہ محبت صرف میرے دل میں رہی۔۔۔ لب پر کبھی نہ آئی۔“

”یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔۔۔ جانتے ہو جبار تمہاری وجہ سے کتنا پریشان ہے؟“

”اُس کو کچھ نہ بتانا اُسامہ! تمہیں میری قسم۔“ شہزاد نے کہا تو اُسامہ طویل سانس لے کر اٹھ گیا۔ پھر جبار کے کیمن میں گیا۔ وہ لیٹا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ بیٹھا اور پوچھا۔

”کچھ بتایا شہزاد نے؟“

اور اُسامہ نے اُس کو دیکھ کر مدہم لہجے میں کہا۔

”ذکرِ حبِ فراق سے وحشت اُسے بھی تھی

میری طرح کسی سے محبت اُسے بھی تھی

وہ مجھ سے بڑھ کے ضبط کا عادی تھا، جی گیا

ورنہ ہر اک سانس قیامت اُسے بھی تھی“

”اوہ۔۔۔ میں تو پہلے ہی جانتا تھا یہ کوئی محبت کا چکر ہے۔ لیکن وہ ہے کون؟“ جبار نے پوچھا۔

”یہ تو نہیں بتایا اُس نے۔“ اُسامہ نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہا اور پھر کنٹرول روم میں آ گیا۔ اُسے دکھ تھا کہ محض اس کی وجہ سے شہزاد اپنی محبت کو نہ پاسکا تھا۔

اس کہانی میں ہر کردار کسی نہ کسی کی محبت کو بچاتے ہوئے اپنی محبت کھوتا گیا تھا۔

ایک طرف فریضہ تھی جس نے بھائی کی محبت میں بھائی کی محبت کا راز چھپا کر رکھا۔ دوسری طرف گل تھی جس نے اپنے بیٹے کی محبت میں بھائی کو بھلا دیا۔۔۔ پھر جبار تھا جو اُسامہ کی محبت میں بیوی بچے کو بھول بیٹھا تھا۔ اور شہزاد نے تو حد ہی کر دی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اب کیا ہوگا۔

بندرگاہ پر اترتے ہی شہزاد اور جبار اُسامہ کے ساتھ سیدھے اُس کے گھر آئے تھے جہاں اُس کی اماں بستر پر پڑی اُس کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ پہلے سے بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ اُسے اچانک سامنے دیکھ کر وہ اس سے پٹ کر رو پڑیں۔ جب کہ بھائی ایک کھڑی حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔

اُسامہ نے ماں کو چپ کراتے ہوئے کہا۔

”امی! مجھے معاف کر دیجئے۔۔۔ میری وجہ سے آپ کو دکھ اٹھانے پڑے۔ اب آپ جو کہیں گی میں وہی کروں گا۔ میں شاہانہ سے شادی کر لوں گا۔ امی! میں اب آپ کی کسی خواہش کو رد نہیں کروں گا۔“

”شاہانہ کیا۔۔۔ اب تو چھوٹی کی بھی شادی ہو گئی۔“ بھائی نے تلخی سے کہا۔

”آپ کیسی ہیں بھائی؟“ اُسامہ نے اُن کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”اچھی ہوں۔۔۔ بھلا مجھے کیا ہونا تھا؟“ بھائی نے پھر اسی لہجے میں کہا۔

جبار نے اُن کی تلخی محسوس کی تو کہا۔

”بھائی! آپ ذرا میری بات سنیں گی؟“ اور بھائی، جبار کو ساتھ لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں تو اُسامہ نے اماں سے بچوں اور بھائی جان کا پوچھا۔

”سب ٹھیک ہے۔۔۔ بچے علی نے کیڈٹ بھیج دیئے ہیں اور خود اپنی فیکٹری میں ہی ہوتا ہے۔“ ماں نے کہا۔ پھر پوچھا۔ ”بیٹا! اگر شاہانہ پسند نہ تھی تو اس کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ تو ہم سب کو چھوڑ دیتا۔ اور پھر ایسا گیا کہ پلٹ کر خبر ہی نہ لی۔“

”ویسے آپ نے میری بات مانی ہی کب تھی؟“ اُسامہ نے اُن کے شکوے کے جواب میں کہا۔

”بیٹے! تم کیسے ہو؟“ وہ شہزاد سے پوچھنے لگیں۔

”جی، ٹھیک ہوں۔۔۔“ پھر اُس نے اُسامہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اُسامہ! کیا خیال ہے، اب ہم چلتے ہیں۔“

”میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں۔“ اُسامہ نے کہا، پھر وہ دونوں اُٹھ کر باہر آئے تو جبار بھائی کے ساتھ آ رہا تھا۔ وہ اُس کو دیکھتے ہوئے باہر نکل آئے۔ وہ بھی ان کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔

ٹیکسی پکڑ کر وہ ایک بار پھر جبار کی طرف جا رہے تھے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ جبار کے گھر پر لائٹ لگی ہوئی تھی۔ اُسامہ نے دیکھا، ٹیکسی سے اترتے ہی شہزاد نے ایک نظر جبار کے گھر پر ڈالی پھر اپنے گھر کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

”اچھا۔۔۔ اب میں بھی چلتا ہوں۔“

”کہاں چلتے ہو۔۔۔ پہلے میرے ساتھ آؤ۔“ جبار نے اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”پہلے ادھر ملتے ہیں پھر ہم بھی تمہارے ساتھ ادھر چلیں گے۔“ اور شہزاد اُن کے ساتھ گھر کے کھلے دروازے میں داخل ہو گیا۔

لان میں ہنسا کھڑی تھی۔ اُنہیں دیکھ کر چونک پڑی اور پھر جبار کو دیکھتے ہوئے ہلکی سی نمی اُس کی آنکھوں میں اتر آئی تو اُسامہ نے دل ہی دل میں خود کو برا بھلا کہتے ہوئے سوچا، اس کی وجہ سے کتنے لوگوں نے دکھ اٹھائے ہیں۔

”کیسی ہونتا؟“ جبار پوچھ رہا تھا۔

”ٹھیک ہوں۔۔۔ آپ کیسے ہیں؟“ اُس نے ان پر ایک نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کو جبران کرنا چاہتے تھے ڈیئر بھائی!“ اُسامہ نے مسکرا کر کہا۔

”ماما! دادا جی بلا رہے ہیں۔“ مُننی سی آواز سن کر وہ چونکے تو برآمدے کے ایک سرے پر تین ساڑھے تین سال کا جبار کا خوبصورت صحت مند بیٹا کھڑا تھا۔ اُس کو دیکھتے ہی وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیئے اور جبار نے ہنس کر کہا۔

”لو بھائی! دیکھ لو۔۔۔ یہ تو بہت بڑا ہو گیا ہے۔“

”وہ تو ہونا ہی تھا۔۔۔ چار سال بعد تو آپ آئے ہیں۔“ حنان نے کہا۔ پھر بچے کو آواز دیتے ہوئے خوشی سے بھر پور لہجے میں بولی۔

”بیٹا! یہاں آؤ۔ دیکھو، پاپا آئے ہیں۔“

”پاپا آئے ہیں۔۔۔“ وہ بھاگتا ہوا آیا۔

”کون آیا ہے بھائی؟“ فریضہ پوچھتی ہوئی سامنے آئی اور ان پر نظر پڑتے ہی بھاگتے ہوئے ان کی طرف آئی۔ اُسامہ نے دیکھا، شہزاد تھوڑا سا بے چین ہو گیا تھا۔

”بھائی جان! آپ اچانک۔۔۔ ارے آخر آپ آ ہی گئے نا۔“ وہ جبار سے ملتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ باقی سب لوگ بھی شور سن کر آ گئے۔

”آپ کیسے ہیں شہزاد بھائی! اور اُسامہ بھائی! آپ بھی؟“ فریضہ نے دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ایک دفنرٹ کلاس۔“ شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر اُسامہ کی طرف مڑتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

”اب تو مجھے بھی اجازت دو جانے کی پلیز۔“

”چلو۔“ اُسامہ نے کہا تو جبار بولا۔

”یار! تم چلو، میں ابھی آتا ہوں۔“ اور وہ باہر نکل آئے۔

باہر آ کر اُسامہ نے شہزاد سے پوچھا۔

”ابھی کل فریضہ کی ہندی ہے۔ تم کہتو میں جبار سے بات کروں؟“

”ہرگز نہیں۔ جبار کے والد ایک عزت دار انسان ہیں۔ وہ اس بات کو کبھی پسند نہیں کریں گے۔ جو جیسا ہو رہا ہے۔ اس کو ویسا ہی رہنے دو۔“

”پھر تمہارا کیا ہوگا؟“ اُسامہ نے ڈکھ سے اُسے دیکھا۔

”وہی جو سب کا ہوتا ہے۔ میں بھی ماما، پاپا کی پسند پر شادی کروں گا۔ اکلوتا بیٹا ہوں نا۔ اور یہ جو محبت ہوتی ہے اس کا حق صرف دل پر ہوتا ہے، جسم پر نہیں۔“

وہ بے دلی سے مسکرایا، پھر اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔

بیگم اشرف بیٹے کو دیکھ کر مارے خوشی کے رونے لگیں اور اشرف صاحب نے شہزاد کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

”بیٹا! اب میں تمہیں شپ پر نہیں جانے دوں گا۔ اب تم میرا بزنس دیکھو گے۔ یہ سب تمہارے لئے ہے۔ تمہارے بغیر یہ گھر، گھر نہیں رہا تھا۔ اب ہمیں تمہاری اور

تمہارے بچوں کی ضرورت ہے جن کو دیکھ کر ہم اپنا وقت خوشی خوشی گزار سکیں۔“

باپ کی بات سن کر شہزاد، اُسامہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا تو اُسے خود سے نفرت سی محسوس ہونے لگی۔

بیگم اشرف، اُسامہ کا حال پوچھ رہی تھیں اور اتنے سال نہ آنے کا جواز۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں جرح کر رہی تھیں۔ تب شہزاد نے کہا۔

”ماما! آپ کی جرح سے بہت گھبراتا ہے۔ اس کو چھوڑ دیجئے اور جو بھی پوچھنا ہے مجھ سے پوچھیں۔“

بات ختم کر کے وہ ہنسنے لگا تو اُسامہ اجازت لے کر باہر نکل آیا۔

باہر نکلا تو جبار اپنے گھر سے باہر آ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی بولا۔

”جار ہے ہو؟“

”ہاں۔۔۔ سب سے مل لیا۔ اس لئے اب جاؤں گا۔“

”ایسا کرو، میری بابت لے جاؤ۔“ جبار نے کہا۔

”اوکے۔ لے جاتا ہوں۔ ویسے جبار! ایک بات کہوں۔“

”ضرور کہو۔ اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے بھلا تمہیں؟“

”یار! وہ شہزاد۔ کیا تم جانتے ہو شہزادی کی اُداسی کی وجہ تمہارے.....“

”کیا بکواس کر رہے ہو؟“ اپنے گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے شہزاد نے کہا۔

”کچھ نہیں۔“ اُسامہ بابت لے کر آفتاب ہاؤس کی طرف روانہ ہوا تو دل میں ہزاروں خیالات تھے۔ اپنے بارے میں، شہزاد کے بارے میں۔

آفتاب ہاؤس کے باہر بابت لے کر اُس نے چوکیدار کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔ یہ وہ چوکیدار تو نہ تھا جو جمال کے زمانے میں تھا۔ چوکیدار نے اُسے دیکھا اور پوچھا۔

”کیا بات ہے صاحب؟“

”آفتاب صاحب گھر پر ہیں؟“

”جی ہیں۔“ چوکیدار نے کہا۔

”اُن سے کہو اُسامہ سعید آئے ہیں۔“

”جی اچھا۔“ چوکیدار اندر چلا گیا۔ کچھ وقت گزرا تو چوکیدار باہر آیا۔ اُس کے ساتھ آفتاب بھی تھا۔ اسے دیکھتے ہی گلے لگا کر بولا۔

”اُو اُسامہ۔۔۔ تم باہر کیوں رک گئے؟ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔“

”بس جی۔۔۔ چوکیدار بدلا ہوا تھا۔ سوچا پہلے اجازت لی جائے۔“ اُس نے اس کے ساتھ اندر جاتے ہوئے کہا تو آفتاب نے کہا۔

”کیسے ہو اُسامہ۔۔۔ کب آئے واپس؟“

”ٹھیک ہوں۔ اور آج ہی واپس آیا ہوں۔ آپ اپنی سنائیں۔“

”سب ٹھیک ہے۔ تم بیٹھنا۔“

وہ بیٹھ گیا۔ حور نے ملازم کو چائے لانے کا کہا پھر پوچھنے لگی۔

”اور سناؤ، سب ٹھیک ہے نا؟“

”جی، سب ٹھیک ہے۔“ اُسامہ نے جواب دیا۔

”اب تک اکیلے ہی ہو یا شادی کر لی؟“ حور نے پوچھا۔

”ابھی تک تو نہیں کی۔ آپ سنائیں، جمال کا کیا بنا؟“ اُسامہ نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

”پھانسی ہو گئی چند روز پہلے جمال کو۔ آخر یہی انجام ہونا تھا۔“

”اوہ۔۔۔ اُسامہ صرف یہی کہہ سکا۔“

”تمہیں ڈکھ ہوا؟“

”نہیں۔۔۔ اپنے کئے کی سزا تو ملتی ہی ہے۔ تاہم کبھی کبھی بغیر جرم کئے بھی سزا مل جاتی ہے۔“ اُسامہ نے سوچ کر کہا۔

”میں تو تمہارا شکر یہ ادا کرنا چاہتی تھی اُسامہ! محض تمہاری وجہ سے آفتاب کی جان بچ گئی۔ ورنہ وہ کمینہ تھی.....“

”شکر یہ کیسا بھالی! یہ تو میرا فرض تھا۔ اور پھر میں نے نزع سے اس کے بھائی کی جان بچانے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ نہ ہی تو کیا ہوا، مجھے اپنا وعدہ تو پورا کرنا ہی تھا

۔۔۔ افسوس تو صرف اس بات کا ہے کہ وہ مجھے گناہگار سمجھتے ہوئے دنیا ہی چھوڑ گئی۔“

”غلط تو میں نے بھی تمہیں سمجھ لیا تھا کہ تم نے حرکتیں ہی کچھ ایسی.....“ بات ادھوری چھوڑ کر حور شرارت سے ہنسنے لگی۔

”وہ دراصل بھالی! میں آپ کو آخر تک جمال کی ساتھی سمجھتا رہا ورنہ.....“ اُسامہ ایک بار پھر وہ سب حرکتیں یاد کر کے شرمندہ ہو گیا۔

”چھوڑو اب اس بات کو۔ مجرم اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ تم جبار اور شہزاد کا بتاؤ۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر تم اُن کو بھی ساتھ لے آتے۔“ حور نے کہا۔

”وہ دونوں ٹھیک ہیں۔ آئیں گے کسی دن۔ اب مجھے اجازت دیں۔“

”ابھی تو چائے بھی نہیں آئی۔ اور پھر مجھے تم سے ایک بات پوچھنا تھی۔“ حور غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”کیسی بات؟“

”کیا تم نزع سے محبت کرتے تھے؟“

”محبت۔۔۔ اس کا مطلب کیا ہے، میں نہیں جانتا۔ محبت تو ہم سب سے ہی کرتے ہیں۔ مگر ہاں، وہ جب مجھے پہلی بار ملی تھی تب ہی میرے دل و دماغ پر چھا گئی

تھی.....“ اُسامہ ایک دم چپ ہو گیا۔

”چپ کیوں ہو گئے؟“ حور نے چائے بنا کر اس کی طرف بڑھائی۔

”بولنے کے لئے اب بچا ہی کیا ہے؟“

”حور! یہ بہت تنگ کر رہی ہے مجھے۔“ اچانک ایک بوڑھی عورت نے لان میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اُس کی کود میں دو صائلی سال کی بیاری ہی بچی تھی۔

”لایے ماں۔۔۔ مجھے دے دیجئے۔“ حور نے بچی کو ماں سے لیا، پھر کہا۔ ”بیٹے! کیوں نا نوکونگ کرتی ہو؟“

”کون ہے یہ؟“ اُسامہ اپنا اشتیاق نہ چھپا سکا۔

”یہ میری بیٹی ہے، سوئم۔ اور یہی میری ماں۔ وطن واپسی پر میں نے آفتاب کو سب کچھ سچ بتا دیا تھا۔ تب وہ خود جا کر ماں کو لے آئے تھے۔“

”ناراض نہیں ہوئے وہ آپ سے پہلے جھوٹ بولنے پر؟“

”ہوا تھا۔۔۔ لیکن ذرا کم کم۔“ آفتاب نے سامنے آتے ہوئے ہنس کر کہا۔ پھر اُسامہ کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”اگر حور مجھے شروع میں ہی جمال کے بارے میں بتا دیتی تو یہ سب کبھی نہ ہوتا۔۔۔ مگر خیر، قصور حور ہی کا نہیں، گل آپا کا بھی تھا۔ اور نثر خ۔۔۔۔۔۔“ آفتاب کچھ دیر کے لئے چپ ہو گیا، پھر کہا۔ ”نثر خ تو خیر بچی تھی۔۔۔ مگر گل آپا کے مرنے کے باوجود مجھے ان سے شکوہ ہے۔ انہوں نے بھائی کے بدلے بیٹے کو ترجیح دی۔ حالانکہ وہ کمینہ اپنے بیٹے کو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اُس کی زندگی بھری کسائی وہ ایک بیٹا ہی تو تھا۔۔۔ مگر قدرت کا انتقام دیکھو، وہ جو سب کو مار رہا تھا، اپنے بیٹے کی موت کا سبب بھی خود ہی بن گیا۔۔۔ ارے ہاں۔۔۔۔۔۔“ باتیں کرتے ہوئے آفتاب نے چونک کر کہا۔ ””وہ تمہارے دونوں دوست، خاص کر نثر خ کا بھائی شہزاد نہیں آیا۔۔۔ مجھے شہزاد سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ اور پھر نثر خ کی وجہ سے میرا بھی تو وہ بھائی ہونا۔“ آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

”لندن میں ملے تو تھے آپ اُن سے۔“

”ہاں۔۔۔ لیکن سرسری۔ تب اُس کی خوبیاں میرے سامنے نہیں تھیں۔ لیکن اب نثر خ نے جو اُس کی تعریف کی ہے۔۔۔۔۔۔“

”جی۔۔۔ نثر خ۔۔۔؟“ اُسامہ نے اُس کی بات کاٹ کر جلدی سے پوچھا۔

”ارے بھئی حور کہنا چاہتا تھا۔۔۔ حور نے بتایا ہے وہ میری ہی خدمت کرتا تھا نوکر بن کر۔ حالانکہ وہ خود بہت بڑے باپ کی اولاد ہے۔“

”یہ سب ہم نثر خ سے کیا ہوا وحدہ پورا کرنے کے لئے کرتے تھے۔“ اُسامہ نے اٹھتے ہوئے کہا، پھر بولا۔ ”اب اجازت دیجئے۔۔۔ ابھی بھائی جان سے بھی نہیں ملا۔ اب گھر جاؤں گا۔“

”اوکے۔۔۔ چلے جاؤ۔ لیکن پھر آنا ضرور۔۔۔ باقی تمہارے بھائی سے ہمارے کاروباری تعلقات قائم ہیں۔ بہت اچھے انسان ہیں وہ۔ اب آؤ تو اُن کو بھی ضرور ساتھ لانا۔۔۔ بلکہ مجھے یقین ہے اب تم اُن کے ساتھ ہی آؤ گے۔“ آفتاب نے مسکراتے ہوئے کہا تو حور بولی۔

”شہزاد اور جبار کو بھی ضرور ساتھ لانا۔۔۔ ارے تم ایسا کیوں نہیں کرتے کل تم سب رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ۔“

”کل تو ذرا مشکل ہے۔“

”کیوں۔۔۔ کیا مشکل ہے؟“

”وہ کل جبار کی بہن کی رسم مہندی ہے۔۔۔ البتہ بعد میں جب بھی وقت ملا ہم خود ہی حاضر ہو جائیں گے۔“

”اور ہم منتظر رہیں گے۔“ آفتاب نے اُنھ کو مصافحہ کیا اور اُسامہ اُن کو خدا حافظ کہہ کر مڑا۔ ابھی وہ چند قدم ہی اٹھا پایا تھا کہ گیٹ کے اندر ایک گاڑی آ کر رکی، پھر دروازہ کھلا۔۔۔

اور اگلے ہی لمحے اُسامہ حیران سا گاڑی سے نکلنے والی ہستی کو دیکھ رہا تھا اور حیرت سے سوچ رہا تھا۔

”کیا یہ سچ ہے یا خواب۔۔۔ ناممکن۔۔۔ وہ بڑا بڑا۔“

اور یہ سچ تھا۔۔۔ وہ نثر خ ہی تھی!

گرے کمر کے سادہ سوٹ میں وہ اپنی کولڈن رنگت کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔

گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے وہ مڑی تو اُس کی نظر بھی اُسامہ پر پڑ گئی۔ ایک لمحے کے لئے وہ حیران ہوئی، پھر تو س قزح کے رنگ اُس کے چہرے پر پھیل گئے۔ اور اُس نے جیسے ہی قدم بڑھایا، اُسامہ جو مارے حیرت کے ابھی تک بے یقینی سے اُس کو آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا، چونک پڑا۔۔۔ اور پھر نثر خ کے کچھ کہنے کی بجائے اُس نے مڑ کر آفتاب اور حور کی طرف دیکھا۔۔۔ وہ دونوں بھی مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ چکے تھے۔ جبکہ نثر خ بھی اب اُس کے قریب پہنچ چکی تھی۔ وہ کچھ دیر اُسامہ کو دیکھتے ہوئے اُس کے بولنے کی منتظر رہی، پھر اُس کو خاموش پا کر خود ہی بات چیت میں بہل کی۔

”آپ کب آئے؟“

”آج ہی۔“ اُسامہ نے بغور اُس کو دیکھا۔

”کیسے ہیں؟“ وہ شرمگین لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

”زندہ ہوں۔“ اچانک ہی اُسامہ کے لہجے میں تلخی آ گئی۔۔۔ تب ہی حور اور آفتاب ہنستے ہوئے اُس کے قریب آ گئے اور حور نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے ہنس کر کہا۔

”اوہ مائی گاڈ۔۔۔ ابھی تو میں یہ بات ایک دو دن تم سے چھپانا چاہتی تھی۔ لیکن نثر خ نے اچانک آ کر کھیل بگاڑ دیا۔ میں چاہتی تھی جب تم تینوں دعوت پر آتے تب اس کو دیکھتے اور حیران ہوتے۔“

”حیران تو خیر میں اب بھی ہوں۔۔۔ لیکن یہ تو بتائیے، یہ سچ کیسے گئیں؟“ اُسامہ حیرت بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

”ویسے ہی جیسے چننا چاہئے تھا۔“ حور اُسامہ کو دیکھ کر مسکرائی تو نثر خ بھی مسکرا دی جبکہ آفتاب نے کہا۔

”ارے بھئی نثر خ نے سمندر میں چھلانگ لگائی ہی نہیں تھی۔ یہ بات تو حور نے محض نثر خ کے تحفظ کے لئے کہی تھی۔ اصل میں جب تم جمال کو مطمئن کرنے کے لئے جھوٹ بول رہے تھے تب نثر خ بھی کبھی تم نے ڈبل گیم کھیلا ہے۔۔۔ وہ بھاگ کر حور کے پاس آئی اور مختصر اُساری بات بتادی۔ یہ بھی کہ اس جہاز کے کیپٹن تم ہو۔ جہاز پر تمہارا کنٹرول ہے اور تم جو چاہو کر سکتے ہو۔۔۔“ آفتاب نے ہنس کر حور کو دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”حور سے چونکہ تم پہلے ہی ایک دو بد تمیزیاں کر چکے تھے اس لئے اس کو بھی تم پر یقین نہیں تھا۔۔۔ مگر وہاں شپ پروہ نثر خ کے لئے کچھ نہ کر سکتی تھی۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور اس نے نثر خ کو ساتھ والے کیمین میں چھپا دیا اور خود یہ شور مچا دیا کہ نثر خ نے سمندر میں چھلانگ لگا دی ہے۔ حور کے نزدیک یہی ایک طریقہ تھا نثر خ کو تم جیسے درندوں سے بچانے کا۔“ آفتاب چپ ہو کر نثر خ کو دیکھنے لگا۔

”پھر۔۔۔؟“ اُسامہ نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

”بعد میں اگر چہ بات صاف ہو گئی لیکن حور کو پھر بھی تم پر شک تھا۔۔۔ یہی وجہ ہے اس نے پولیس کے ساتھ نثر خ کو بھی واپس بھیج دیا اور خود مجھے لے کر تمہارے ساتھ لندن چلی آئی۔ پولیس سے حور نے کہہ دیا تھا کہ اسے اب بھی کیپٹن اُسامہ پر شک ہے اس لئے پولیس نے تمہیں کچھ نہ بتایا اور نثر خ کو بھی اپنے ساتھ لے گئی۔“

”لندن میں جب آپ ٹھیک ہو چکے تھے تب انہوں نے مجھے یہ بات کیوں نہ بتائی کہ نثر خ زندہ ہے؟“ اُسامہ نے حور کو دیکھتے ہوئے آفتاب سے پوچھا۔

”وہ اصل میں تب ہم نے تمہیں تنگ کرنے کے لئے نہیں بتایا تھا۔ سوچا تھا جب تم پاکستان آؤ گے تو اس وقت بتائیں گے۔ ہمیں یہ تو معلوم نہیں تھا کہ تم پاکستان کا راستہ ہی بھول جاؤ گے۔“ حور نے آہستہ سے کہا۔

اُسامہ نے اُس کو جواب دینے کی بجائے نثر خ کو دیکھا، پھر کہا۔

”بہت اچھا صلہ دیا ہے تم نے میری نیکیوں کا نثر خ۔۔۔ کاش تم سمجھ سکتیں کہ تمہارے اس مذاق نے کتنے لوگوں کو خوشیوں سے محروم کیا ہے۔۔۔ ارے میں نے تو بغیر کسی معاوضے کے تمہارا یہ کام کرنے کا وحدہ کیا تھا۔ تم نہیں جانتیں اپنے وحدے کو نبھانے کے لئے تمہارے بھائی کی جان بچانے کے لئے میں کتنا گر گیا تھا۔۔۔ کتنی گھٹیا حرکتیں کی تھیں میں نے۔ اگر میرے گھر میں پتہ چلا تو نبھانے بھائی جان میرا کیا حشر کرتے۔۔۔ یہ سب میں نے تمہارے لئے اور تمہاری خوشی کے لئے کیا اور تم۔۔۔ تم مجھ پر اعتبار بھی نہ کر سکیں۔“ اُسامہ کے لہجے میں تلخی کھلی ہوئی تھی۔

”مجھے معاف کر دیں۔۔۔ میں تو بعد میں آپ کو اپنے زندہ ہونے کے بارے میں بتانا چاہتی تھی مگر بھابی نے کہا یہ شخص ابھی ناقابل اعتبار ہے۔۔۔ جب تک مجھے اس کا یقین نہیں آ جاتا تم چپ رہو گی۔۔۔ اور میں نے بھابی کی یہ بات مان لی کہ یہ مجھوری تھی۔“

”بھابی نے کہا اور تم نے مان لیا۔۔۔ کاش نثر خ! تم زندہ نہ ہوتیں۔“ اُسامہ نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

”جی۔۔۔ نثر خ نے حیرت سے اُس کو دیکھا۔ مگر اُسامہ تیزی سے باہر کی طرف چل دیا۔ پیچھے سے حور اور آفتاب نے پکارا بھی مگر وہ رُکا نہیں، گیٹ سے باہر نکل آیا۔

”بھائی جان! پلیز، میں ان کے ساتھ چلی جاؤں؟“ نثر خ نے اُسامہ کے گیٹ سے نکلتے ہی آفتاب سے پوچھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے آفتاب نے ایک نظر بہن کو دیکھا، پھر اجازت دے دی۔

نثر خ بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ وہ اب تک یہ سوچ کر خوش ہوئی تھی کہ اُسامہ جب واپس آئے گا تو اُسے اچانک اپنے سامنے زندہ دیک کر حیران ہوگا اور پھر مارے خوشی کے اچھل پڑے گا۔۔۔ مگر وہ تو نہ صرف ناراض ہو گیا تھا بلکہ کتنی بڑی بات کہہ گیا تھا۔

”کاش نثر خ! تم زندہ نہ ہوتیں۔“

وہاں آئی تو اُسامہ بائیک پر بیٹھ چکا تھا۔ نثر خ نے جلدی سے پکارا۔

”پلیز، میری بات سن لیجئے۔“

”اب تمہاری کوئی بات سننے کے لئے میرے پاس وقت نہیں۔ تم نہیں جانتیں تمہاری وجہ سے شہر ادنے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی کھودی اور اب جب یہ خوشی اس کو نہیں مل سکتی تو میں بھی یہ خوشی نہیں لوں گا۔ اب میں تم سے کبھی نہیں ملوں گا اور نہ ہی تم مجھ سے ملنے کی کوشش کرنا۔“

یہ کہتے ہوئے اُسامہ نے بائیک آگے بڑھا دی۔

مارے ڈکھ کے اُس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ اُس نے سوچا فرخ تو زندہ ہے مگر شہزاد، اس کو کس جرم کی سزا ملی؟ صرف دو تھی کی؟ اب میں تو فرخ سے شادی کر کے اپنا گھر اور دل آباد کر سکتا ہوں۔ مگر شہزاد کیا سوچے گا؟ محض میری وجہ سے وہ واپس نہیں آیا تھا۔ اور پھر وہ تو شادی کر کے جانا چاہتا تھا۔ مگر فرخ کی وجہ سے وہ فریبہ کے لئے اپنی ماما سے بات نہ کر سکا کہ وہ پہلے فرخ کے فرض کو ادا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اب جب اس کو پتہ چلے گا۔ پھر اچانک ہی اُسامہ نے ایک فیصلہ کر لیا۔

”نہیں۔ میں اس کو کبھی یہ نہیں بتاؤں گا کہ فرخ زندہ ہے۔ اور نہ ہی فرخ سے شادی کروں گا۔ مجھے اب جلدی میں چاہیے کسی بھٹیاریان سے ہی کیوں نہ شادی کرنی پڑے، میں اس سے شادی کروں گا۔ مگر فرخ سے کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔“

’اور فرخ! یہ تم نے کیا، کیا۔ تمہارے اس مذاق نے میری اور میرے دوست کی زندگی مشکل بنا دی۔‘

وہ سیدھا بھائی کے دفتر آیا۔ علی اُس کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر حیران ہوئے، پھر اپنی جگہ سے اٹھے تو اُسامہ اُن کے گلے لگ گیا۔ پھر اُس نے بھائی سے نہ صرف اپنے غلط رویے کی معافی مانگی بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ وہ جہاں چاہیں اس کی شادی کر دیں۔ اب وہ اعتراض نہیں کرے گا۔ بلکہ جتنی جلدی وہ یہ شادی کر سکتے ہیں کر دیں۔

”اگر یہی بات تھی تو پہلے انکار کیوں کیا؟“ بھائی نے اُس کے اندر دہ چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”پہلے کی بات اور تھی بھائی جان! اب تو سب کچھ ختم ہو گیا۔“ اُسامہ کے لہجے میں ڈکھ تھا۔ کبھی وہ فرخ کو پانے کے خواب دیکھتا تھا اور اب جب وہ حقیقت بن کر ملی تھی تو وہ اس کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ آیا تھا۔ اگرچہ دل بے چین تھا مگر وہ فرخ سے نہ ملنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

”کیا ختم ہو گیا؟“ علی نے پریشان ہو کر بھائی کو دیکھا جس کو انہوں نے باپ کے بعد بڑے پیار سے پالا تھا۔ بس شاہانہ والے مسئلے پر ذرا بگڑ گئے تھے۔ وہ بھی اس لئے کہ اُسامہ نے پہلے بات نہ کی تھی۔ اگر وہ پہلے بتا دیتا کہ وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے تو وہ بیوی اور ماں کو خود سنبھال لیتے۔ مگر اُسامہ نے تو انکار بھی منگنی کے بعد کیا تھا جو کہ بہت بری بات تھی۔

”کچھ نہیں بھائی جان! اب چلنا ہوں۔ آپ گھر کب آئیں گے؟“

”بس اٹھنے ہی والا ہوں۔“ علی نے کہا تو اُسامہ اجازت لے کر باہر نکل آیا۔

مگر اب وہ سوچ رہا تھا کہ جائے تو کہاں، جہاں اُسے سکون مل سکے۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وہ یونہی سڑکوں پر آوارگی کرتا رہا۔ پھر رات گئے گھر آیا تو بھابی اُس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ جبکہ اماں نیند کی کوئی کھا کر سو رہی تھیں۔

”کھانا لاؤں؟“ اُس کو دیکھتے ہی بھابی نے پوچھا۔

”نہیں۔“ اُسامہ نے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے جواب دیا۔ ویسے وہ حیران تھا بھابی کے رویے پر۔

”کیا باہر سے کھا کر آئے ہو؟“ بھابی بھی اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

”باہر سے تو نہیں کھایا۔ بس بھوک ہی نہیں۔ آپ آرام کریں۔“ اُسامہ نے وارڈ روپ سے سلپنگ سوٹ نکالتے ہوئے کہا۔

”ناراض ہو مجھ سے۔ حالانکہ ناراض تو ہمیں ہونا چاہئے تھا کہ تم ہم سے بغیر ملے چلے گئے تھے۔“

اُسامہ چپ رہا تو بھابی نے پھر کہا۔

”جبار تیار ہا تھا جس لڑکی سے تم محبت کرتے تھے وہ مر گئی۔“

اُسامہ پھر بھی چپ رہا تو بھابی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”اُسامہ! اگر تم فرخ کے بارے میں مجھے اس وقت بتا دیتے جب میں نے تمہارے بیمار ہونے پر پوچھا تھا تو یقین کرو ہم کبھی تمہاری منگنی شاہانہ سے نہ کرتے۔“

”چھوڑیے بھابی! گزری باتوں کو۔ اب میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔ آپ اپنی پسند سے کہیں بھی میری شادی کر دیں، مجھے انکار کرتے ہوئے نہیں پائیں گی۔“

اُسامہ کی بات پر بھابی کچھ دیر اُسے دیکھتی رہیں، پھر باہر چلی گئیں۔

صبح ابھی وہ سو رہا تھا جب ملازم نے اٹھایا کہ اُس کا فون ہے۔

”نہیں لے آؤ۔“ اُسامہ نے سستی سے کہا اور ملازم وچس فون لے آیا۔

”ہیلو۔“ اُسامہ نے لیٹے لیٹے ریسیور اٹھایا۔

”کیا بات ہے۔ ابھی تک سو رہے ہو؟“ دوسری طرف جبار تھا۔

”بس یار رات ڈرا دیر سے نیند آئی۔“

”کیوں۔ کیا فرخ یاد آتی رہی؟“ جبار نے پوچھا۔

”نکو اس نہ کرو۔ یہ بتاؤ فون کیوں کیا؟“ اُسامہ نے بگڑ کر کہا۔

”یار! آج فریبہ کی مہندی ہے۔ کیا تم نہیں آؤ گے؟“

”کیوں۔ کوئی کام ہے؟“

”ظاہر ہے، کام ہے تو کہہ رہا ہوں۔ شہزاد تو اپنے کمرے میں بند ہے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ورنہ وہی کام سنبھال لیتا۔“

”اچھا یار! میں آ جاؤں گا۔ اور کچھ؟“

”اور بہت کچھ ہے اگر تم آسکو۔“ جبار نے ہنس کر کہا اور فون بند کر دیا۔ اُسامہ نے بھی ریسیور واپس رکھا اور اٹھ گیا۔

تیار ہو کر وہ ناشتے والے کمرے میں آیا تو بھابی نے بتایا۔

”سب ناشتہ کر چکے ہیں۔ بلکہ سب کیا، میں اور تمہارے بھائی ناشتہ کر چکے ہیں۔ امی تو اب ناشتے میں صرف جوس پی رہی ہیں۔ تم بیٹھو، میں تمہارے لئے ناشتہ لاتی ہوں۔“

”بھابی! امی کے کمرے میں ہی لے آئیے گا۔“ اُسامہ نے کہا اور ماں کے کمرے میں چلا آیا۔ وہ لیٹی ہوئی تھیں۔

”اب کیسی طبیعت ہے امی جان؟“ اُسامہ ان کے بیڈ پر ہی بیٹھ گیا۔

”کچھ ٹھیک ہی لگتی ہے۔ تم کل سے کہاں مارے مارے پھر رہے ہو جو میرے پاس بیٹھنے کا بھی وقت نہیں؟“ انہوں نے شکوہ کیا۔

”اوہ، سوری امی! بس یونہی تھوڑا سا کام تھا۔ اب آپ کے پاس ہی بیٹھا کروں گا۔“

”لو، بیٹھی، ناشتہ کرو۔“ بھابی نے اُس کے سامنے رکھی۔ اُسامہ نے ایک نظر بھابی کو دیکھا، پھر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ناشتے کے بعد وہ بہت دیر تک بیٹھا بھابی اور ماں سے باتیں کرتا رہا۔ اٹھا تو اس وقت جب جبار نے پھر فون کیا۔

”یار! اب آ بھی چکو۔ کیا نخرے دکھا رہے ہو؟“

”آ تو رہا ہوں۔“ اُسامہ نے کہا۔ پھر ماں سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔

جبار کے گھر کی طرف جاتے ہوئے اس کے دل میں صرف شہزاد کا خیال تھا۔ جبار نے بتایا تھا۔ اُس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ وہ اپنے کمرے میں بند ہے۔

اُسامہ نے سوچا۔ ”کاش جبار! تم شہزاد کی اداسی کا سبب جان سکتے۔ پھر شاید تم اس کے لئے کچھ کر بھی سکتے۔ کیونکہ مجھے تو اس کی قسم نے روک رکھا ہے۔“

بائیک اُس نے جبار کے گھر کے باہر روکی۔ گیٹ کھلا ہی تھا۔ وہ دستک دینا ہوا اندر چلا گیا۔ سامنے ہی جبار کا بیٹا کھڑا تھا۔ اُسامہ کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔

”پاپا! انکل آئے ہیں۔ پاپا! انکل آئے ہیں۔“

”اچھا یار! سن لیا ہے۔ کیوں شور مچاتے ہو؟“ جبار ہنستا ہوا چلا آیا۔ وہ بہت خوش تھا۔

اُسامہ نے سوچا۔ ”شکر ہے جبار نے ہمارے جیسی کوئی حماقت نہیں کی۔“

”کیا سوچ رہے ہو؟“ جبار اُس کو لئے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

”کچھ نہیں۔“ اُسامہ نے آہستہ سے کہا۔

”یار! کوئی بات تو ہے جو تمہارا اور شہزاد کا موڈ بدلا ہوا ہے۔ حالانکہ ایک بات ملے ہے، جو ڈکھ شہزاد کو ہے، مجھے بھی ہونا چاہئے کہ ہم بھائیوں کی طرح ہیں اور اب

تھا مگر میں نے لڑکے سے اکیلے میں بات کی اور وہ مان گئے۔

وہاں سے واپس آتے ہی امی نے آٹنی اٹکل یعنی شہزاد کے ماما پاپا کو بلا کر بات کی اور میں شہزاد سے بات کرنے کا پروگرام بنا کر باہر نکلا تو نرنگ اپنی گاڑی سے اتر رہی تھی۔ وہ شہزاد سے ملنے آئی تھی اور آنے سے پہلے اس نے بات کا اندازہ لیا کہ اجازت لی تھی کہ کہیں شہزاد بھی تمہاری طرح ناراض نہ ہو۔ مجھے دیکھتے ہی نرنگ نے سلام کیا، پھر پوچھا۔

”شہزاد بھائی کو کیا ہوا۔۔۔ اُسامہ کہتے ہیں محض میری وجہ سے وہ اپنی زندگی کی سب سے اہم خوشی سے محروم ہو گئے ہیں۔“ نرنگ کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ روتی ہوئی آئی ہے۔ میں نے کہا۔

”اس کی خوشی تو اس کے حوالے کرنے کا انتظام میں کر رہا ہوں۔۔۔ مگر تم زندہ کیسے بچ گئیں؟“ اور نرنگ نے شہزاد کے گھر پہنچ کر ساری کہانی سنادی۔ پھر تمہارے رویے کا ذکر کر کے رونے لگی۔

”اوہ۔۔۔ اُسامہ نے جلدی سے نرنگ کو دیکھا مگر وہ ساٹھ چہرہ لئے کھڑی تھی۔ جبکہ جبار کہہ رہا تھا۔

”پھر میں نے شہزاد کو خوب ڈانٹا کہ اس نے پہلے مجھے کیوں نہ بتایا۔ پھر فریہ کی شادی ملتوی ہونے کا کہا۔ تب بیگم اشرف نے کہا۔
”یہ شادی پروگرام کے مطابق ہوگی۔“

”اوہ، کیسے۔۔۔ تم نے مجھے کیوں نہ بتادیا؟“ اُسامہ اس کو مارنے کو لپکا تو جبار کا بیٹا چلا آیا۔

”اٹکل! پاپا کو مت ماریں۔۔۔ میرے پاپا کو مت ماریں۔“ اس لمحے وہ سب کچھ بھلا کر ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ جبکہ جبار کا بیٹا اُس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا تھا۔
”دیکھا۔۔۔ اب میں اکیلا نہیں ہوں۔“ جبار نے ہنستے ہوئے کہا تو سب کے ساتھ جبار بھی مسکرائے۔ جبکہ نرنگ اب بھی تنہا تھی۔ وہ اندر چلی گئی۔ اسی لمحے شہزاد نے چونک کر اُسامہ کو دیکھا، پھر سخت لہجے میں کہا۔

”بہت بکو اس کر چکے ہو تم نرنگ کے ساتھ۔۔۔ اب تلافی کرو۔“

”یار! ذمہ دار تو وہ ہے۔“

”بکو اس نہ کرو۔“ شہزاد حقیقتاً غصے میں بولا۔

اُسامہ نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا، پھر نرنگ کے پیچھے چلا گیا۔

نرنگ ہال میں رکھے مہندی کے تھالوں کے پاس کھڑی تھی۔ قریب ملازمہ بھی تھی۔ اُسامہ نے ملازمہ کو باہر جانے کا اشارہ کیا، پھر نرنگ کو دیکھا۔ مگر وہ یوں بن گئی جیسے وہاں اُسامہ کی موجودگی سے بے خبر ہو۔

”نرنگ۔۔۔!“ اُسامہ نے آہستگی سے پکارا۔ اب اس کے لہجے میں محبت کی نرمی تھی۔ مگر نرنگ چپ رہی۔

”نرنگ! تم ناراض ہو۔۔۔ ذرا یہ بھی تو سوچو، میں کتنا پریشان رہا۔۔۔ تمہاری موت کی خبر نے مجھے کتنے بڑے صدمے سے دوچار کیا۔۔۔ میرا ذہنی سکون جاتا رہا کہ میں تم سے محبت کرنے لگا تھا۔۔۔ تمہاری موت میرے لئے ناقابل برداشت تھی۔ یہی وجہ ہے تمہارے بعد میں سب کچھ بھول گیا اور محض میری وجہ سے جبار جو شادی کے چند روز بعد ہی ہمارے ساتھ چلا گیا تھا، واپس نہ آیا اور شہزاد۔۔۔ وہ تو خیر اب جبار نے بات سنبھال لی۔ ورنہ اگر فریہ کی شادی ہو جاتی تو سوچو اس کا ذمہ دار کون تھا؟۔۔۔ صرف میں یا پھر تم جس کی وجہ سے مجھے صرف اپنا دکھ یاد رہا اور کسی کا خیال نہ رہا۔“

نرنگ اس کو حیرت سے دیکھتے ہوئے ساری بات سن رہی تھی، ایک دم بول پڑی۔

”لیکن پہلا جھوٹ تو آپ نے مجھ سے بولا تھا۔“

”میں نے۔۔۔؟“ اُسامہ نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔ آپ نے کہا تھا کہ کچھ مجبور یوں کی وجہ سے آپ اس سفر میں شامل نہیں ہو سکتے۔۔۔ حالانکہ میرا دل اس بات کے لئے تڑپ رہا تھا کہ آپ بھی اسی سفر میں میرے ساتھ ہوتے۔ پھر جب آپ اچانک سامنے آئے تو میں شک کا شکار ہو گئی۔ آپ باتیں بھی تو ایسی کر رہے تھے۔ اس کے بعد میں بھاگتے ہوئے بھائی کے پاس آئی اور ان کو ساری کہانی سنادی۔ تب بھائی نے بتایا آپ نے دو بار ان سے بھی بدتمیزی کی کوشش کی ہے۔۔۔ اب آپ نے مجھے یہ تو نہیں بتایا تھا کہ آپ بھائی پر بھی شک کرتے ہیں۔ تاہم جب ساری بات کھل گئی تب میں نے بھائی سے کہا۔

”بھائی! اب تو انہیں بتادیں کہ میں زندہ ہوں۔“

تب بھائی نے کہا۔

”ابھی میں اس پر پوری طرح اعتبار نہیں کر سکتی۔۔۔ پہلے ذرا آفتاب ٹھیک ہو جائیں، پھر دیکھوں گی۔“

اور میں بھائی کی بات مان گئی کہ آپ اور ان کے بیٹے کی اچانک موت نے بھی مجھ پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ اب میرے لئے تو صرف بھائی رہ گئی تھیں۔ اب اگر ایسے میں، میں ان کی بات نہ مانتی تو پھر کیا کرتی۔ اور پھر آپ نے۔۔۔۔۔ آپ نے یہ کب بتایا تھا کہ آپ مجھ سے۔۔۔۔۔ میں تو سمجھتی تھی کہ آپ یہ سب ہمدردی میں کر رہے ہیں۔ ورنہ۔۔۔

”اوہ۔۔۔ نرنگ! حالات ایسے تھے کہ اگر میں یہ بات تم سے کہتا بھی تو تم میرا اعتبار نہ کرتیں۔“

”میں اعتبار ضرور کرتی۔“ نرنگ نے پورے اعتماد سے کہا اور دل میں سوچا۔۔۔ ”یہ بات آپ کے منہ سے سننے کے لئے میں کتنی بے قرار رہی ہوں، یہ آپ کیا جانیں۔“

”اچھا تو اب اعتبار کر لو کہ میں تم سے بہت شدید محبت کرتا ہوں۔ اتنی کہ۔۔۔“

”اسی لئے تو کہہ رہے تھے کہ کاش میں زندہ نہ ہوتی۔“

”ہاں، کہا تھا۔۔۔ صرف شہزاد کے دکھ کا سوچ کر۔“

”اور اب؟“ نرنگ نے نظر میں اٹھائیں۔

”اب جو چاہتا ہوں وہ بتانے کی نہیں سمجھنے کی بات ہے۔“

”آپ نے مجھے معاف کر دیا؟“

”ہاں۔۔۔ تم اگر مجھے معاف کر کے یہ بتا دو کہ کیا تمہارے دل میں۔۔۔“

”میں تو ناراض ہی نہیں ہوں۔ پھر معافی کیسی؟ باقی دل کی بات بتایا نہیں کرتے، سمجھا کرتے ہیں۔“ وہ ساری بات چیت میں پہلی بار مسکرائی، پُر اعتمادی۔ وہ پہلے والی چھوٹی اور ڈری سہمی نرنگ نہیں تھی۔

جواباً اُسامہ بھی مسکرا دیا۔ پھر اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا۔

”آؤ، اب باہر چلیں۔“

”پہلے ہاتھ تو چھوڑ دیجئے۔“ نرنگ نے شرمائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”چھوڑ دوں؟“ اُسامہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”معلوم نہیں۔“ نرنگ خود ہی ہاتھ چھڑا کر باہر جانے کی بجائے وہیں تھالوں کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

اُسامہ چند لمحے اُس کے کولڈن چہرے کو دیکھتا رہا، پھر مسکراتے ہوئے باہر آیا تو اُس کی اپنی بھائی اور بھائی لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ موسم چونکہ ابر آلود تھا اس لئے شہزاد نے سب کے لئے لان میں ہی کرسیاں ڈالوائی تھیں جہاں اس وقت بیگم اشرف اور اشرف صاحب بھی موجود تھے۔ جانا اور جبار بھی اپنے بیٹے کے ساتھ۔

اُسامہ کو دیکھتے ہی شہزاد نے سرکوشی کی۔

”گلتا ہے کامیاب لوٹے ہو۔“

اُسامہ نے گھور کر اُسے دیکھا اور پھر کہا۔

”بھیا جی! آپ لوگ یہاں۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔ وہ تم نے کہا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکتے تمہاری شادی کر دیں۔ اس لئے میں نے ایک لڑکی پسند کی ہے۔“ بھائی نے اس کو دیکھتے ہی کہا۔

”جی۔۔۔؟“ اُسامہ حیرت میں غوطہ زن ہوتے ہوئے بولا۔

مگر بھائی اس کی حالت سے بے خبر کہہ رہی تھیں۔

”چونکہ وہ لوگ تمہیں ابھی دیکھنا چاہتے تھے اس لئے جب یہ معلوم ہوا کہ تم ادھر ہو تو ہم نے ان کو بھی یہاں ہی بلا لیا۔“ پھر بھائی گھڑی دیکھتے ہوئے بولیں۔

”پتہ نہیں، ابھی تک آئے کیوں نہیں وہ لوگ۔“

”بھابی۔۔۔“ اُسامہ جو کرسی پر بیٹھ رہا تھا، اٹھتے ہوئے بولا۔ ”یہ آپ نے کیا، کیا؟“

”کیا مطلب۔۔۔؟“ بھابی نے کچھنا کواری سے کہا۔ ”تم نے خود ہی تو کہا تھا جتنی جلدی ہو سکے۔ اب کیا پھر کوئی بات ہوگی؟۔۔۔ اگر پھر ہمیں بے عزت کروانے سے تو ان کے یہاں آنے سے پہلے ہی بتا دو۔“

”جی۔۔۔“ اُسامہ نے نشہ اور جبار کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر بھی گہری سنجیدگی تھی۔ اُسامہ نے سوچا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟۔۔۔ اب جب شہزاد کی بات طے ہوگئی ہے تو۔۔۔ اوہ، لگتا ہے نزع میرے مقدر میں نہیں۔ وہ اس وقت کتنی خوش خوش اندر بیٹھی ہے۔ اور یہاں۔۔۔“

”یاریٹھو! کب تک کھڑے رہو گے؟“ شہزاد نے بازو پکڑ کر کہا اور اُسامہ بے جاں سا وہیں بیٹھ گیا۔

اسی لمحے گیٹ کے اندر حور اور آفتاب داخل ہوئے۔ ان کو دیکھتے ہی شہزاد اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ آفتاب شہزاد کے ہی نہیں، جبار سے بھی گلے ملا۔۔۔ حور نے دونوں کا حال احوال پوچھا، پھر بیٹھتے ہوئے دوسرے لوگوں کو سلام کیا تو شہزاد نے تعارف کروایا۔ وہ دونوں شہزاد کے ماما پاپا سے بہت محبت سے ملے۔۔۔ پھر علی کو دیکھتے ہوئے آفتاب نے کہا۔

”ان کو تو میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔ بلکہ ایک طرح سے دوستی ہی سمجھیں۔“ پھر اُس نے اُسامہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بھائی! کیا تم ابھی تک ناراض ہو؟۔۔۔ میرا خیال ہے اب تو ناراضگی ختم ہو جانی چاہئے۔ اور اگر ختم نہیں ہوئی تو بڑا ہونے کے باوجود اپنی بہن کی خوشی کے لئے میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔“

”ایسی کوئی بات نہیں۔“

”یہ نزع کہاں ہے؟“ حور نے پوچھا۔

”ابھی بلاتا ہوں۔“ شہزاد نے کہا۔ پھر نزع کو آواز دی۔ ”نزع۔۔۔ باہر آؤ۔“

”جی۔۔۔“ وہ شرمائی شرمائی ہی ان کے قریب آکر کھڑی ہوگئی۔

”کیا خیال ہے۔۔۔ اب رسم ادا کر دی جائے؟“ آفتاب نے علی سے پوچھا۔ اُسامہ نے چونک کر اُن کو دیکھا کہ وہ کس رسم کی بات کر رہے ہیں۔

اور اگلے ہی لمحے سب کچھ سمجھ گیا۔ کیونکہ جبار اور شہزاد وقت بہ مار کر ہنس دیئے تھے۔ اور باقی لوگ بھی مسکرائے لگے تھے۔ جبکہ بھابی محبت سے نزع کو اپنے قریب بٹھا رہی تھیں اور علی بھائی بھی دلچسپی سے نزع کو دیکھ رہے تھے۔

’اوہ۔۔۔ ایک بار پھر ان دونوں نے مل کر بے وقوف بنایا ہے۔‘

اُسامہ نے گھور کر شہزاد کو دیکھا مگر وہ ہنستے ہوئے آفتاب سے کہہ رہا تھا۔

”بھائی جان! سونا مردوں کے لئے حرام ہے۔۔۔ انگوٹھی ڈائنڈ کی لانی تھی۔ پاپھر میں ہی لے آتا ہوں۔۔۔ میری بھی تو بہن ہے۔۔۔۔۔۔ ویسے میں نے جبار سے کہا تھا وہ مجھے بے شک چاندی کی انگوٹھی پہنا دیں مگر سونے کی نہیں۔“

”حالانکہ مطلب اس کا ڈائنڈ ہی تھا۔“ جبار نے بھی ہنس کر کہا۔

”یہ تو خیر تم اپنی مرضی سے لائے ہو۔۔۔ ورنہ میرا مطلب چاندی ہی تھا۔ اور پھر ضروری بھی نہیں کہ انگوٹھی پہنائی ہی جائے۔۔۔ میں اس قسم کی رسموں کو نہیں مانتا۔“

”گھبراؤ نہیں ڈائنڈ ہی کی لائے ہیں۔“ کہتے ہوئے حور نے انگوٹھی نزع کو پکڑا دی جبکہ اُسامہ کی بھابی نے بھی ایک ڈبیا اُسامہ کے حوالے کر دی تھی۔ نزع نے ڈبیا کھولی، اس میں بھی ڈائنڈ کی ایک بہت خوبصورت انگوٹھی تھی جس میں پانچ چھوٹے چھوٹے ہیرے لگے ہوئے تھے۔ اُسامہ نے بھائی کو دیکھ کر پوچھا۔

”بھائی جان! کیا امی کے بغیر ہی۔۔۔“

”اُن کی فکر نہ کرو۔۔۔ یہ سب ان کی اجازت سے ہی ہو رہا ہے۔ آج صبح تمہارے گھر سے نکلنے کے بعد حور اور آفتاب بھائی آئے تھے۔ انہوں نے امی سے ساری بات کی۔ پھر تمہارے بھائی کو بھی آفس سے بلوایا۔ آفتاب نے بتایا تھا کہ تم کسی بات پر ناراض ہو گئے ہو اس لئے وہ ہم سے بات کرنے آئے ہیں۔ تب خیال یہی تھا کہ تمہیں گھر بلا کر یہ رسم امی کے سامنے ادا کی جائے۔ مگر جب یہاں فون کیا تو جبار اور شہزاد نے کہا کہ پہلے تھوڑا سا ڈرامہ کرتے ہیں، پھر یہ رسم شہزاد کے گھر پر ہی ہوگی کہ نزع، شہزاد کی بہن بھی تھی۔۔۔ یوں امی نے اجازت دے دی۔“ بھابی نے پوری تفصیل بتائی۔

اُسامہ نے بظاہر غصے سے شہزاد اور جبار کو دیکھا مگر دل میں بیار بھی آیا۔ پھر بھابی کے کہنے پر جب نزع نے ہاتھ آگے بڑھایا تو اُسامہ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔ منہ سے کچھ نہ بولا کہ سب ہی سامنے بیٹھے تھے۔ اور بعد میں کانپتے ہاتھوں سے جب نزع نے اُس کو انگوٹھی پہنانے کی کوشش کی تو شہزاد نے انگوٹھی اس کے ہاتھ سے پکڑ کر کہا۔

”اگرچہ پہلے خیال تھا کہ نزع کی شادی پہلے کروں گا۔ لیکن اب مجبوری ہوگئی ہے۔ اس لئے رسم منگنی سمجھو۔ اپنی شادی سے فارغ ہوتے ہی یہ فرض بھی ادا کروں گا۔ اور لاؤ نزع! تمہاری مشکل میں آسان کروں۔“ اور انگوٹھی پکڑ کر شہزاد نے خود اُسامہ کو پہنا دی۔ نزع شرم کر بھابی اور حور کے پیچھے ہوگئی۔ تب آفتاب اور علی بھائی نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ بلکہ باقی سب نے بھی مبارکباد کہی۔ پھر حور نے ہنستے ہوئے اُسامہ سے کہا۔

”بس اتنی ہی بات تھی۔“

اُسامہ چپ رہا۔۔۔ اچانک شہزاد، جبار کو گھورتے ہوئے بولا۔

”تمہیں گھر کوئی کام نہیں جو یہاں بیٹھے ہو۔۔۔ جبکہ تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔“

”ارے باپ رے۔۔۔ نکاح میں تھوڑا وقت ہے اور میں ابھی تک کہیں بیٹھا ہوں۔ اٹھو حور!“ جبار نے فوراً کہا اور اجازت لے کر چلا گیا۔ جبکہ یہ لوگ پھر سے باتوں میں مصروف ہو گئے۔

رسم نکاح چار بجے شام نہایت سادگی سے ادا ہوئی تھی۔ شام کو مہندی بھی تھی۔ نکاح کے بعد جب فریضہ کو باہر لایا گیا تو اس نے لمبا سا گھونگھٹ نکال رکھا تھا۔ نزع نے آگے بڑھ کر گھونگھٹ ہٹا دیا۔ شہزاد نے پاس کھڑے اُسامہ کو مسکرائے اور دیکھا، پھر فریضہ کو دیکھنے لگا۔ اُس نے نظریں جھکا رکھی تھیں مگر دل دھک دھک کر رہا تھا۔ نزع نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سامنے کیا اور شہزاد نے پکڑ کر انگوٹھی پہنا دی۔

”مبارک ہو شہزاد۔۔۔ بہت بہت مبارک۔“ اُسامہ نے خوشی سے کہا۔

اور تینوں دوست ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے مسکرائے۔۔۔ زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ۔۔۔!

(ختم شد)